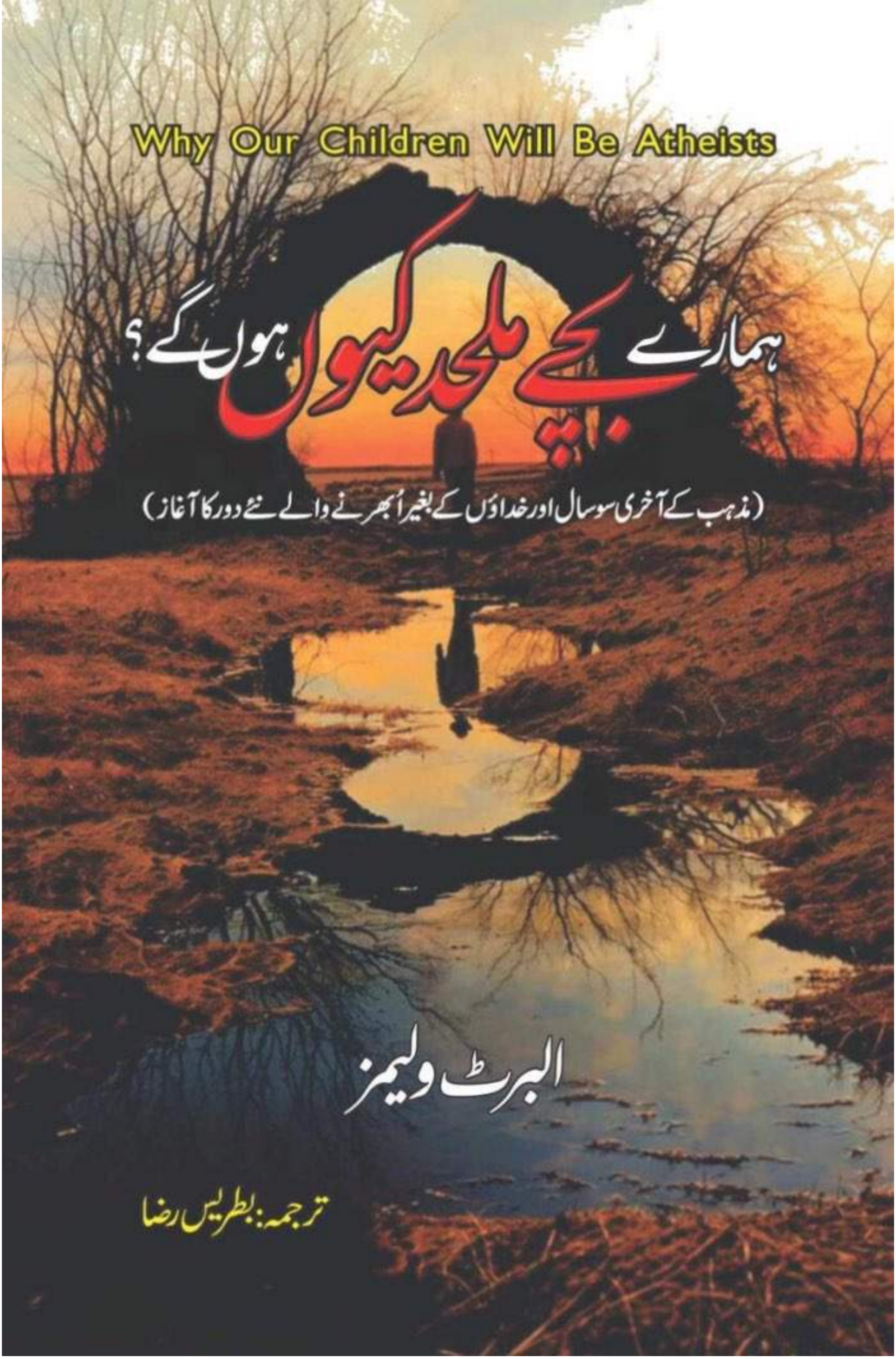

Why Our Children Will Be Atheists
ہمارے بچے ملحد کیوں ہوں گے؟
(مذہب کے آخری سو سال اور خداؤں کے بغیر اُبھرنے والے نئے دور کا آغاز)
البرٹ ولیمز
ترجمہ: بطریس رضا

ہمارے بچے ملحد کیوں ہوں گے۔۔۔۔۔۔؟

مذہب کے آخری سو سال اور خداؤں کے بغیر اُبھرنے والے نئے دور کا آغاز

ہمارے بچے ملحد کیوں ہوں گے؟

(مذہب کے آخری سو سال اور خداؤں کے بغیر اُبھرنے والے نئے دور کا آغاز)

البرٹ ولیمز

ترجمہ: بطریس رضا

فکشن ہاؤس
لاہور ○ گوجرخان ○ کراچی ○ حیدرآباد
e-mail:fictionhouse1991@gmail.com

Why Our Children Will Be Atheists: The Last 100 Years of Religion, and the Dawn of a World without Gods

Book by Albert Williams

نام کتاب	:	ہمارے بچے ملحد کیوں ہوں گے۔۔۔؟
مصنف	:	البرٹ ولیمز
ترجمہ	:	بطرلیس رضا
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس، لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت	:	2025ء
قیمت	:	-/1200 روپے

تقسیم کار:

فکشن ہاؤس: بُک سٹریٹ، 68- مزنگ روڈ، لاہور۔ فون: 042-36307550-36307551
فکشن ہاؤس: رؤف کیانی پلازہ، بالمقابل حویلی مارکی، مین جی ٹی روڈ، گوجر خان۔ فون: 051-3510306
فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ، سکوائر حیدر چوک، حیدر آباد۔ فون: 022-2780608
فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور، دوکان نمبر 5، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس

○ لاہور ○ گوجر خان ○ کراچی ○ حیدر آباد

e-mail:fictionhouse1991@gmail.com

فہرست

باب 2

باب 3

باب 4

ندی پاری

ایک نئے دور کا آغاز

"اور اپنے سفر میں وہ ایک ندی کے کنارے آیا، اور اس نے جان لیا کہ اسے پار کرتے ہی دنیا بدلنے والی ہے۔ اس کے سامنے دیوتاؤں سے بھری ایک وسیع سرزمین تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے وہاں جانا ہے، ان سب کا سامنا کرنا ہے۔ لیکن جیسے ہی اس نے ندی پار کر کے انجان میں قدم رکھا، اسے احساس ہوا کہ دیوتا سب ایک فریب تھے۔ اسے کوئی خوف نہیں تھا؛ مگر جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ خود دیوتا نہیں تھے جو اسے مار سکتے تھے، بلکہ وہ لوگ تھے جو دیوتاؤں کے فریب پر یقین رکھتے تھے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اپنے سفر کا انجام کبھی نہ دیکھ پائے، لیکن جلد ہی دوسرے بھی اس ندی کو پار کریں گے، اور انجان سے واقف اور ناقابل تصور سے معمول بن جائے گا۔ اور جب اس نے اپنی جلد پر سورج اور ہوا اور اپنے اردگرد کائنات کو محسوس کیا، تو اسے کوئی افسوس نہیں ہوا"۔

دیباچہ

خنجر نوجوان لڑکی کے جسم میں گہرا گھپ گیا، اور وہ دو مضبوط بالغوں کے نیچے دب کر تڑپنے لگی، اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسنے سے اس کی چیخیں دبی ہوئی تھیں۔ اس کے حملہ آور اس کے درد اور تکلیف سے بے نیاز ہیں؛ ایک خوفناک کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے جب وہ اس کے جسم کے اعضاء کو وحشیانہ اور بے رحمی سے کاٹ کر نکالتے ہیں۔ جسم کے اعضاء جو دیوتاؤں کے لیے تھے۔

پادری اطمینان سے اپنے سامعین کو دیکھتا ہے؛ فضا بجلی کی سی چمک اور طاقت سے بھری ہوئی ہے۔ آج رات وہ خدا کا آلہ ہے، خدا کا کلام لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔ خدا اُس کے کام اور پیغام سے راضی ہو گا: خدا کی اطاعت کا پیغام، اس کی رحمت اور نجات حاصل کرنے کا۔ ان لوگوں پر ترس کھاؤ جو دوسرے خداؤں پر یقین رکھتے ہیں، کیونکہ خدا کی لعنت ان کا آخرت میں انتظار کر رہی ہے۔

اب تک چوک لوگوں سے بھر چکا ہے، وہ لوگ جن کے پاس کوئی امید نہیں، وہ لوگ جن کے لیے خشک سالی کے موسم نے بدحالی، غربت اور بھوک لائی ہے۔ دعا کا دن مقرر کیا گیا ہے۔ ایک دن خدا سے آسمان کھولنے کی التجا کرنے کا؛ ایک دن ان سے معافی مانگنے کا کہ انہوں نے کیا کیا جس سے وہ ناراض ہوئے، اس سے رحم

کی بھیک مانگنے کا۔ خشک سالی سے متاثرہ ملک کو راحت دینے کے لیے بارش شروع ہونے کی دعا۔

سائنس دان اپنی کرسی پیچھے دھکیلتا ہے۔ اس کے سامنے موجود فوسل کی تاریخ کی رپورٹ ابھی آئی ہے، جس سے ان ابتدائی انسانی باقیات کی عمر کئی ملین سال بتائی گئی ہے۔ یہ مشرقی افریقہ کی گریٹ رفٹ ویلی میں پائے گئے تھے، ایک ایسی جگہ جسے بہت سے لوگ انسانیت کا جنم بھومی سمجھتے ہیں۔

کمرے کے پار ٹیلی ویژن زمین پر واپس آنے والے تازہ ترین خلائی شٹل کی پہلی تصاویر نشر کر رہا ہے، ایک ایسے مشن سے جس نے خلائی دھول جمع کی تھی جس کی تاریخ جلد ہی 4.6 بلین سال سے زیادہ پرانی ہو گی۔

اس کتاب میں، مصنف ہمارے خداؤں کی اصلیت کا انکشاف کرتا ہے، خاص طور پر یہ کہ وہ کہاں اور کیسے ہمارے خدا بنے۔ وہ ان خداؤں کے ہماری زندگیوں پر گہرے اثرات اور ان خداؤں کو زندہ رکھنے کے لیے ان کے پیروکاروں کے ذریعے کیے جانے والے اقدامات پر بحث کرتا ہے۔ اس کے بعد زمین اور زندگی کی ابتدا کی کہانی سامنے آتی ہے، جس کے بعد مذہب کے آخری 100 سالوں کی پیش گوئی کی جاتی ہے، اور اس کی وجوہات بھی بتائی جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ نئے دور کے منتظر ہیں (ایک خدا کے بعد کا دور جس میں انسانی نسل اپنے مذہبی ماضی سے کائنات اور انسانیت کی ایک نئی تفہیم کے ساتھ ابھرے گی) ایک نیا ماڈل جس کے ساتھ زمین پر اگلے چند ہزار سالوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور کہیں اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جو مذہب کے خاتمے کی پیش گوئی کرتی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ تبدیلی شروع ہو چکی ہے۔

باب 1

مذہب کا جنم

اگلے 100 سالوں میں مذہب کا خاتمہ:

انسانیت مذہب کی آخری صدی میں داخل ہو رہی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں: ایک ایسے دور کا اختتام جو لفظی طور پر لاکھوں سالوں تک جاری رہا، جس میں ہمارے ابتدائی انسان سے لے کر ارتقاء کی دریافت اور زندگی کی حقیقی ابتداء تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ انسانیت کی تاریخ دو حصوں میں تقسیم ہونے والی ہے، لاعلمی اور مذہب کا ایک گزرا ہوا دور اور علم اور عقل کا ایک نیا دور۔

اگلی صدی سوچ کے ان ادوار کے درمیان عبوری مدت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس مدت کے اختتام تک، یہودیت، عیسائیت، اسلام، ہندومت، اور بہت سے دوسرے مذاہب ماند پڑ جائیں گے اور بالآخر ختم ہو جائیں گے۔ مومنین کی آخری زندہ نسل کی جگہ نئی نسلیں لے لیں گی جن کے لیے مذہب ایک دھندلی یاد ہو گی۔

کیا 2120ء تک دیوتا بالکل بھی موجود ہوں گے؟ یا آخر کار ہمارا کوئی موجودہ خدا ایک بار اور سب کے لیے اپنے آپ کو ظاہر کرے گا تاکہ تمام دوسرے مذاہبوں اور خداؤں کو ختم کر دے، آخر کار مافوق الفطرت اور انسانی دنیا کو ملا دے۔ دنیا بدلنے

والی ہے اور تین نتائج ممکن ہیں:

1. مذہب کا وجود ختم ہو جائے گا، اس کی جگہ انسانی رویے اور فہم کا ایک نیا ماڈل لے لے گا۔
2. مذہب جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ جدید دنیا کے مطابق ڈھالنے کے لیے تبدیل ہو جائے گا۔
3. یا پھر مذہبی نظریہ ہمارے موجودہ علم کی جگہ لے لے گا، دنیا کو ایک پسماندہ مذہبی آمریت میں تبدیل کر دے گا۔

ہمارے بچے ملحد کیوں ہوں گے: ایک جرأت مندانہ جائزہ

یہ کتاب ہمارے موجودہ اہم مذاہب، ان کے آغاز اور ان کے حتمی زوال کے راستے کا بے خوف جائزہ لیتی ہے۔ یہ کتاب موجودہ خداؤں کی اصل کو بھی بے نقاب کرتی ہے، اللہ سے لے کر یہوواہ سے شیو اور باقی سب تک، چاہے وہ وحدانیت پر مبنی ہوں یا کثرت پرست ہوں۔

کتاب کا آغاز قدیم مذاہب سے متعلق ہمارے دریافت کردہ شواہد کا جائزہ لینے سے ہوتا ہے (ایسے شواہد جن میں دیومالائی داستانوں، رسومات، ممنوعات اور توہم پرستی کا غلبہ ہے) اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک ہمارے موجودہ مذاہب میں کس قدر موجود ہے۔

جیسے جیسے عالمی انسانی آبادی چند ہزار سے دسیوں اور لاکھوں تک، اور پھر لاکھوں میں بڑھی، انسانیت شکاری سے زراعت کی طرف ایک ناگزیر تبدیلی میں داخل ہوئی (ناگزیر اس لیے کہ یہ بڑی تعداد میں لوگوں کی کفالت کا واحد طریقہ تھا) اس تبدیلی نے قدیم عقائد کے نظاموں کو آج کے ہمارے جانے والے زیادہ پیچیدہ نظاموں

میں ارتقا کو بھی جنم دیا۔ جیسے ہی خانہ بدوش گروہ پہلے وافر وسائل کے گرد جمع ہوئے اور پھر انہیں کنٹرول کرنا سیکھ گئے، ہمارے پہلے بڑے خدا پیدا ہوئے: ار اور سومر کے ابتدائی دیوتا؛ بعد میں، ہندو سے مصری سے یہودیت، عیسائیت اور دیگر تک کے زیادہ جدید خدا۔

اس کے بعد کتاب یہ سوال کرتی ہے کہ کیا آج کے خدا واقعی ہمیشہ سے موجود تھے، دنیا کی تخلیق کے بعد سے اس کی صدارت کر رہے تھے، ہر ایک ہمارے کائنات کا حتمی خالق اور حکمران تھا یا اگر، حقیقت میں، وہ کبھی واقعی موجود تھے؟

مصنف ہمارے موجودہ معاشرے کے مذاہب کا پتہ لگاتا ہے، ان کی ابتدا دس ہزار سال سے زائد بنیادی رسم اور توہم پرستی کے طور پر ہوئی، مکمل مذہبی پیشواؤں اور مذہبی نظاموں کی ترقی کے ذریعے۔ اس کے بعد انسانی نسل کے مذہب پر طاقتور انحصار اور بھروسے پر تفصیل سے غور کیا جاتا ہے۔ وہ ایک لڑکے کی آزمائش کو بیان کرتا ہے، جو ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہے، اور جوابات تلاش کرنے کے لیے اپنے خدا اور مذہب کا استعمال کرتا ہے۔ وہ تاریخ کے دوران انسانی فکر اور رویے پر مذہب کے نفسیاتی اثرات کو بھی تلاش کرتا ہے۔

پھر آگے بڑھتے ہوئے "ہمارے بچے ملحد کیوں ہوں گے" اس سوال سے نمٹتا ہے کہ آیا مذہب کسی شخص کو بہتر اخلاق اور ضروری خوبیوں سے مالا مال کرتا ہے۔ خاص طور پر، یہ تحقیق پر تنقیدی بحث کرتا ہے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ مذہبی بچے اپنے غیر مذہبی ہم منصبوں کے مقابلے میں زیادہ خوش اور مطمئن ہیں۔ اس کے علاوہ ان طاقتور طریقہ کاروں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے جو مذہب اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کرتا ہے، اور مذہب کو آگے بڑھانے کے لیے ریاست کے استعمال کا بھی جائزہ لیتا ہے۔

کتاب کا آخری حصہ کائنات، زندگی کی ابتدا، اور اس کے ارتقا کے بارے میں ہمارے موجودہ علم کا مختصر خاکہ پیش کرتا ہے، یہ سب بتدریج خاص تخلیق کے ہمارے تصورات کی جگہ لے رہے ہیں۔ اس کے بعد انسانی روحانیت کے نئے، ابھرتے ہوئے مرحلے کو بیان کیا گیا ہے، جو ایک ایسے ماڈل کی نمائندگی کرتا ہے جو بالآخر موجودہ عقائد کو غیر متعلقہ بنا دے گا، ایک مذہب سے پاک دور کے آغاز کا اعلان کرے گا۔

موجودہ دنیا کے مختلف مذاہب:

آج کی دنیا عقائد اور مذاہب کے ایک وسیع و عریض سلسلے کی گواہ ہے۔ ان میں سے اکثر مذاہب مخصوص مذہبی گروہوں کی فوجی فتوحات کے نتیجے میں جغرافیائی خطوں میں منقسم ہیں۔ تقریباً دو ارب جدید انسان یہودی، عیسائی خدا پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ 1.6 ارب مسلمانوں کی شناخت رکھتے ہیں، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں؛ اور تقریباً ایک ارب دیگر ہندو کے طور پر گروہ بند ہیں، جو ایک بڑے دیوتاؤں کے خاندان میں متعدد خداؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ تقریباً400- 1000 ملین لوگ بدھ مت پر عمل پیرا ہیں، جب کہ تقریباً ایک ارب لوگ زیادہ روایتی مذاہب پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک ارب لوگ بھی ہیں جو تاؤازم اور کنفیوشس ازم کے چینی عقائد کو مانتے ہیں۔ دنیا مختلف خداؤں سے بھری پڑی ہے، جن کے تقریباً تمام پیروکار ان کے خدا کو سچا اور واحد خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو کون سا واقعی ہے؟

جوابات تلاش کرنے کے لیے، ہمیں ماضی میں جانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم انسانیت کی جدید تاریخ سے آگے پیچھے جائیں تو ہم دیکھیں گے کہ بہت سے خدا حالیہ ماضی میں غائب ہو گئے ہیں۔ عظیم مصری دیوتا را، سورج دیوتا جو کبھی دنیا کے سب سے

طاقتور دیوتاؤں میں سے تھے، اب کسی قابل ذکر حد تک ان کی پوجا نہیں کی جاتی۔ تمام تر مقاصد اور ارادوں کے لیے، زا مر چکا ہے۔ یونانی تھنڈر خدا، زیوس، اور اس کے رومن اوتار مشتری کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ ہماری تاریخ خداؤں کی لاشوں سے بھری پڑی ہے۔



جیسے جیسے ہم زمانے کے ساتھ ساتھ تکنیکی طور پر ترقی کرتے گئے، ہم اپنے خداؤں کو اپنے ساتھ لاتے گئے۔ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہونے والے علم میں عام طور پر مذکورہ بالا خداؤں کی ہماری سمجھ اور عبادت شامل ہے۔ لیکن کیا ایسی دنیا میں ایسے خداؤں کے لیے ابھی بھی کوئی جگہ ہے جہاں انسانوں کو شک کا اظہار کرنے اور مذہب پر سوال کرنے اور تحقیق کرنے کی آزادی ہے؟ کیا ہمارے موجودہ خدا آج سے 100 سال بعد بھی موجود ہوں گے، یا وہ ہماری اجتماعی شعور سے غائب ہو جائیں گے؟ یا آخر کار ایک خدا ظاہر ہو گا اور ایک بار اور سب کے لیے بات کرے گا، اپنی طاقت کے لیے خالص ایمان پر مزید انحصار نہیں کرے گا؟

ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے خداؤں کی خاموشی سے حیران ہیں۔ وہ غیر مصدقہ اطلاعات کے علاوہ ہم سے بات کرنے یا ہمارے سامنے آنے سے انکار

کرتے ہیں جو جذباتی دباؤ یا دیگر عوامل کی وجہ سے وہم ہو سکتے ہیں۔ تو پھر ہم مذہب کے نام پر دوسروں کو قتل کرنے کے لیے کیوں تیار ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ جو ایک ہی خدا کی تھوڑی مختلف طریقے سے عبادت کرتے ہیں؟ ہمارا مذہب ہمارے ہر ایک کے سامنے ہمارے خدا کے ذریعے براہ راست کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟ اس کے بجائے یہ ہم پر کیوں مسلط کیا جاتا ہے، ہماری جائے پیدائش اور والدین کی اصل کی بنیاد پر؟

شمالی امریکہ میں پیدا ہونے والا بچہ شاید یہودی عیسائی خدا کو واحد خدا کے طور پر لے گا، جب کہ سعودی عرب میں پیدا ہونے والا بچہ شاید اس کے اسلامی ہم منصب، اللہ کو واحد سچا خدا مانے گا۔ دونوں خدا ایک ہی جڑ سے نکلتے ہیں اور حقیقت میں ایک ہی خدا کے پہلو ہیں؛ پھر بھی ہم ان خداؤں کے اپنے وژن کا دفاع کرنے کے لیے ایک دوسرے کو مارنے کے لیے بدنام طور پر تیار ہیں، جو کہ قادر مطلق، سب کچھ جاننے والے، ہر جگہ موجود ہستیوں کو یقینی طور پر اس طرح کے کسی دفاع کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

کیا ہمیں زندگی اور موت اور ہمارے ارد گرد کی عظیم کائنات کی وضاحت کے لیے کسی خدا یا خداؤں کی ضرورت ہے؟ ہم اپنے اس قابل ذکر سیارے کی وضاحت کیسے کرتے ہیں؟ ہمیں ان وسیع سوالات کے جوابات کی ضرورت ہے، اور زیادہ تر مذاہب اس ضرورت کو جنم دینے والے نفسیاتی افعال کو کھانا کھلانے کے لیے موجود ہیں۔

دنیا کی قدیم تشریحات ہمارے وجود کے مقصد اور ہمارے ارد گرد کائنات کے مقصد کی وضاحت کے لیے کائنات کے ہمارے محدود علم پر منحصر تھیں۔ ہمارا علم اب بہت کم محدود ہے؛ پھر بھی ہم روحانی وضاحتوں سے چمٹے رہتے ہیں جو ہزاروں سال پرانی ہیں۔

ہماری ناگزیر موت، اور ہمارے پیاروں کی موت، ہمارے خداؤں کی بقا کے لیے بنیادی محرک کا کام کرتی ہے، کیونکہ ان کے ارد گرد بننے والے مذاہب تسلی فراہم کرتے ہیں اور ابدی سوال کا جواب دیتے ہیں کہ انسان دنیا پر کیوں چیختے ہیں۔ ہماری اپنی خود اعتمادی اس بات کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہے کہ ہمارا وجود ایک شاندار حادثہ ہے، اور اس میں کوئی حقیقی مقصد نہیں ہے، سوائے ان مقاصد کے جو ہم اپنے لیے بناتے ہیں۔

اس کتاب میں، ہم اپنے خداؤں کا ان کی اصل تک کھوج لگائیں گے، ان کا جائزہ لیں گے اور ان کی تشریح کریں گے، اور یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ کس طرح انسانوں کی نفسیاتی ساخت ہمارے خداؤں کو ترک کرنا اتنا مشکل بنا دیتی ہے۔ ایک بار ایسا کرنے کے بعد، ہم اپنی موجودہ خداؤں کے بغیر ایک دنیا کا تصور کرنے کی کوشش کریں گے۔

اگرچہ مذہب میں ڈوبے ہوئے لوگ قدرتی طور پر ایک تاریک، سرد دنیا کی توقع کریں گے جس میں برائی یا کم از کم لاتعلقی کا غلبہ ہو، لیکن سچ یہ ہے کہ یہ نئی دنیا فہم، رواداری اور باہمی احترام کی دنیا ہوگی ـــ اور اس کی نمائندگی کرے گی۔ کائنات میں مقصد اور معنی کے لیے ہماری تلاش کا حقیقی آغاز۔ ایک بار جب ہم اس نئے روشن راستے پر نکل پڑیں گے تو خداؤں اور مذہب کا دور تیزی سے ایک تاریخی حاشیے پر آ جائے گا، جو کہ انسانیت کے حقیقی روحانی سفر میں صرف ایک قدم ہے۔

ہمارے پہلے خدا کہاں سے آئے؟

کیا ہم انسانیت کے آغاز میں ان کا یا ان کے متعلقہ مذاہب کا کوئی ثبوت تلاش کر سکتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو، شاید ہمارے قدیم خداؤں یا مذاہب کے بارے میں

جاننے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرنے سے ہمیں اپنے جدید خداؤں کے بارے میں کچھ اشارے، مل سکتے ہیں۔ کیا آج کے ابراہیمی، ہندو، مقامی امریکی، یا افریقی قبائلی خدا ان قدیم زمانوں میں موجود تھے؟ کیا وہ صرف ہمارے قدیم آباؤاجداد کو طویل عرصے سے دیکھ رہے تھے؟ اگر ایسا ہے تو، انہوں نے انسانیت کو خود کو ظاہر کرنے کے لیے صرف چند ہزار سال پہلے، بہترین طور پر، کیوں انتظار کیا، عبادت کا مطالبہ کرتے ہوئے کہ وہ واحد سچے خدا ہیں؟

بد قسمتی سے، انسانوں کے ذریعہ اختیار کیے جانے والے پہلے مذاہب کے بارے میں ہمارا علم بہت کم ہے، وقت نے زیادہ تر ثبوت مٹا دیے ہیں، خاص طور پر جب ہم تحریری تاریخ سے آگے بڑھتے ہیں۔ کیا پہلی انسانی نسلیں جیسے اولڈووائی گھاٹی کے آسٹریلوپیتھیسین خداؤں پر یقین رکھتے تھے؟ کیا وہ پھول جو کچھ نینڈرتھل بظاہر اپنے مردوں کے ساتھ دفن کرتے تھے (جیسا کہ ان کے جرگ سے ظاہر ہوتا ہے) مذہبی رسومات سے وابستہ تھے؟ ہمارے واحد رہنما وہ چیزیں ہیں جو باقی رہتی ہیں :زرخیزی کی مورتیاں، انسانی بستیوں کے وقت سے تباہ شدہ باقیات، یا پتھر یا غار کی دیواروں پر پینٹ یا نقش کیے گئے واقعات کی ریکارڈنگ۔

بلاشبہ بہت سی مذہبی روایات جن کی لوگ آج بھی پیروی کرتے ہیں انہیں صدیوں یا اس سے بھی زیادہ عرصے تک زبانی طور پر منتقل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ انہیں یادگاروں، مندروں اور مزارات میں لکھا گیا، پہلی مٹی کی تختیوں نے اپنے کینیفارم تاثرات لینے سے پہلے یا لوگوں نے ان قبروں میں ثبوت چھوڑے جو ہم کھولتے ہیں۔ شاید یہ تمام چیزیں ہمیں مذہب کی سمجھ کو 5000 سال یا اس سے زیادہ پیچھے دھکیلنے میں مدد کر سکتی ہیں جس کی ہم اب تک تشریح کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس سے بھی آگے جانا چاہتے ہیں۔ آثار قدیمہ اور پیلیونٹولوجیکل شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ

جسمانی طور پر جدید انسان 160,000 سال یا اس سے زیادہ عرصے سے موجود ہیں۔ ہومینڈز کی پیشرو انواع 4,000,000 سال سے زیادہ پرانی ہیں۔ سب کے پاس نسبتاً بڑے دماغ تھے، دو پاؤں پر چلتے تھے، اور اپنے ہاتھوں سے اوزار بناتے تھے۔

ایسا ہونے کی صورت میں، کیا انہوں نے اپنے دماغوں کو خداؤں کی ایجاد کے لیے استعمال کیا؟ یہ لوگ کس چیز پر یقین رکھتے تھے؟ کیا ہمارے موجودہ خدا- مثال کے طور پر، یہودی-عیسائی خدا یا مسلمان اللہ، بہت سے لوگوں میں- پہلے سے ہی کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے، اور اگر وہ تھے، تو ہم ایسے اشارے کیسے تلاش کر سکتے ہیں جو ان سوالات کے جوابات دینے میں ہماری مدد کر سکیں؟ ہمارے واحد اشارے ان دلائل کے باقیات میں ہیں جو ماہرین آثار قدیمہ ہماری دنیا کی ارضیاتی تاریخ کے صفحات سے دریافت کرتے ہیں۔

تاریخ قدیم میں خداؤں کے شواہد کی تلاش:

آیئے 25 لاکھ سے 1 لاکھ 20 ہزار سال پہلے کے دور میں واپس چلتے ہیں، ایک طویل عرصہ جس میں انسانیت آہستہ آہستہ اپنی ابتدائی اصل سے آج کی تہذیب ساز، دنیا پر غالب نسل میں تبدیل ہوئی۔ تقریباً 1 لاکھ 20 ہزار سال پہلے تک، زمین کا بیشتر حصہ انسانیت سے خالی تھا، پرانی دنیا میں بہت کم، بکھری ہوئی آبادی تھی جو شاید صرف چند ہزار تک تھی۔

ان لوگوں کے وجود کا ہمارے پاس واحد ثبوت چند فوسلائزڈ ہڈیاں ہیں جو وقت گزرنے کے بعد بھی باقی رہنے کے قابل تھیں، اور زیادہ پائیدار پتھر کے اوزار جو انہوں نے بنائے تھے۔ وہ جس چیز پر یقین رکھتے تھے یا جس کے بارے میں سوچتے تھے وہ فوسلائز نہیں ہوئی یا وقت کے ساتھ جم نہیں گئی، ان اوزاروں کے

علاوہ، جو تقریباً یقینی طور پر جانوروں کے شکار اور جنگلی پودوں کی خوراک جمع کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ ہم اپنی دریافتوں سے جانتے ہیں کہ پتھر کے اوزار استعمال کرنے والے ابتدائی لوگ نہ صرف آج کے انسانوں سے مختلف نسل سے تعلق رکھتے تھے، بلکہ ایک مختلف جنس سے بھی تعلق رکھتے تھے: آسٹریلوپیتھیکس، جس کا ترجمہ "جنوبی بندر نما انسان" ہے۔ ان کے بہت ہی سادہ پتھر کے اوزار دریاؤں کے کناروں کے ساتھ ساتھ گہرے مشرقی افریقی دراڑ وادی کے کھلے میدانوں اور غاروں میں پائے جاسکتے ہیں جہاں افریقی ٹیکٹونک پلیٹ آہستہ آہستہ دو چھوٹی ٹیکٹونک پلیٹوں میں تقسیم ہو رہی ہے۔

ان ابتدائی انسانی آباؤ اجداد کی بعد کی نسلوں اور بالآخر جدید انسانوں کے وجود کی دستاویز کرتے ہوئے، افریقہ اور دیگر جگہوں پر بہت سی دوسری جگہیں دریافت ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر، کئی لاکھ سال پہلے، فرانس میں سینٹ اچیول میں سومے دریا کے کنارے ہزاروں سالوں سے ایک کمیونٹی موجود تھی۔ وہاں رہنے والے لوگوں نے چقماق کی بہتات، ہتھوڑے کے پتھر اور دیگر چھوٹے آلات چھوڑے۔

ان قدیم لوگوں کے عقائد اور خدا کیا تھے؟

ٹائم مشین کے بغیر، یہ کہنا ناممکن ہے۔ اس وقت لوگ زمین پر بہت کم تھے، اور وقت کے بڑے پیمانے نے ان کے وجود کے زیادہ تر ثبوت مٹا دیے ہیں۔ زمین اتنی متحرک ہے کہ کوئی بھی چیز زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی، تحفظ صرف ارضیاتی حادثے سے ہی ہوتا ہے، اس لیے ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارے پاس وہ شواہد موجود ہیں۔ ان کی تمام پرانی رہائشیں بہت پہلے غائب ہو چکی ہیں، ان کی زیادہ تر فن کے

ساتھ، اگر واقعی فن تقریباً 20,000 سال پہلے موجود تھا۔ یہ ہمیں اپنے قدیم آباؤ اجداد کے خیالات یا عقائد کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کوئی درست طریقہ نہیں چھوڑتا ہے۔

تاہم، ہم جانتے ہیں کہ وہ اوزار بنا رہے تھے، اور زیادہ تر کے سماجی نظم کے ساتھ خاندانی ڈھانچے تھے۔ وہ اس دنیا کے بارے میں جان لیتے جس میں وہ رہ رہے تھے، اور وقت گزرنے کے بارے میں۔ قبریں اور دیگر رسمی تدفین ایک نسبتاً حالیہ ایجاد ہیں۔ کیا ابتدائی انسان اپنے مردوں کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے جیسے جانور کرتے ہیں، یا کیا وہ کسی پیارے کی موت پر غم کرتے تھے؟ جہاں تدفین یا آخری رسومات ہوئیں، کیا اس کے ساتھ کوئی رسم تھی؟ بہت سے معاملات میں، خاص طور پر اس عمل کے ابتدائی دنوں سے، یہ بتانا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس معمولی شواہد اور چند اشارے ہیں۔ ہم نے کچھ نینڈرتھل قبروں میں پھولوں کے جرگ کا ذکر کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کم از کم اپنے مردوں کو پھولوں کے ساتھ دفن کیا، جسمانی طور پر جدید انسانوں کی قبروں میں اکثر برتن، چھلکے ہوئے پتھر کے اوزار اور بنے ہوئے یا چوٹی ہوئی ٹیکسٹائل کے باقیات ہوتے ہیں۔ کیا یہ خداؤں کو خوش کرنے کی کوششیں تھیں، آخرت میں مردوں کے لیے فراہم کرنا، یا احترام کی سادہ علامتیں؟ ہم اس مرحلے پر صرف قیاس آرائیاں کرسکتے ہیں۔ آج بھی، کچھ ثقافتیں موت سے بہت ڈرتی ہیں، اور ایک مردہ جسم کو چھونے یا مردہ شخص کے سامان کو استعمال کرنے سے گریزاں ہیں۔

کیا قدیم زمانے میں لوگ یہ ڈرتے تھے کہ کسی مردہ شخص کی زندگی یا روح انہیں نقصان پہنچانے کے لیے واپس آسکتی ہے؟ کیا وہ مردوں کو خوش کرنے کے لیے احترام ظاہر کرتے تھے اور نذرانے پیش کرتے تھے؟ کیا وہ طوفان کی گرج اور زمین پر ناچتی بجلی سے، یا شام کو طلوع ہونے والے چاند سے، یا زمین کو ہلانے والے زلزلے سے

خوفزدہ تھے؟ کیا وہ شکار سے پہلے کامیابی کے امکانات کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے، یا کامیاب شکار کے بعد کسی رسم کے طے شدہ اعمال انجام دیتے تھے؟ ایک بار پھر، یہ کہنا مشکل ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ تر شواہد ختم ہو جاتے ہیں۔ قسمت سے ہم نئی آثار قدیمہ کی دریافتیں کر سکتے ہیں جو کچھ اشارے پیش کریں گی۔ لیکن بصورت دیگر، وہ ابتدائی دنیا ہمارے لیے کھو گئی ہے۔ تقریباً 30,000 سال پہلے کے بعد کے دور پر اپنی توجہ مرکوز کرنا بہتر ہے، جب مزید اشارے دستیاب ہوتے ہیں۔

غاروں نے ہمارے آباؤاجداد کو موسم اور زیادہ خطرناک جانوروں دونوں سے پناہ اور تحفظ فراہم کیا۔ تب تک، آگ کو بہت پہلے دریافت کیا جا چکا تھا۔ انسانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کا تصور کریں جو ایک غار میں رہتے ہیں۔ جیسے جیسے رات قریب آتی، وہ آگ کے گرد جمع ہو جاتے۔ قدیم زمانے میں، یہ ایک ابدی آگ ہوتی، جو کسی دوسرے گروہ سے زندہ انگارہ لینے یا خریدنے، یا قدرتی جنگل کی آگ کا سامنا کرنے کے بعد ہمیشہ زندہ رکھی جاتی تھی۔ بعد میں، لوگوں نے براہ راست آگ جلانے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ بچوں اور چند بچوں کے رونے اور شور سے غار بھر جاتا۔ باہر، جنگلی جانوروں کی شام کی آوازیں سنائی دے سکتی ہیں۔ کچھ شکاری اپنے اس دن کے شکار کے تجربے کو بیان کر سکتے ہیں، شاید، ان میں سے کچھ اپنے زخموں پر مرہم پٹی کر رہے ہوں جو انہیں لگے تھے۔ ہمیشہ کی طرح، موت کی قربت اور اس کے ساتھ آنے والا خوف تھا۔

ایسے ماحول میں، انسانی ذہن اپنے ارد گرد کی دنیا کو سمجھنے کی کوشش میں بیدار ہو جاتا۔ ان غاروں میں ہمیں رسومات پر مبنی عقیدے کا پہلا ثبوت ملتا ہے، جو غاروں کی دیواروں پر بنائی گئی نقاشیوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ انتہائی حیرت انگیز مثالیں لاسکاکس، فرانس میں دریافت ہونے والی ایک غار میں ملتی ہیں۔ ستمبر 1940ء میں، نوعمر مارسل رویڈاٹ، جیکس مارسل، جارجز اگنیل اور سائمن کوئنکاس رویڈاٹ

کے کتے، روبوٹ کے ساتھ دیہی علاقوں میں سیر کے لیے گئے۔ اپنی سیر کے دوران، انہیں زمین میں ایک سوراخ ملا جو ایک گرے ہوئے درخت سے کھلا تھا۔ لڑکے ہونے کی وجہ سے، انہوں نے سوراخ کو مزید بڑھایا اور اس غار میں داخل ہوئے جو انہیں ملا۔ 17,000 سالوں میں ایسا کرنے والے وہ پہلے لوگ تھے۔ ایک بار جب ان کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں، تو انہوں نے 30,000 سال پہلے (موجودہ سے پہلے) کے زمانے کے قدیم انسانوں کے ذریعہ بنائی گئی نقاشیوں کی شاندار گیلریوں میں سے ایک کا مشاہدہ کیا۔

اس دریافت کے بعد سے غار کا باریکی سے مطالعہ کیا گیا ہے، اور کچھ سائنسدانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ نقاشی ان بھولے ہوئے لوگوں کے مذہبی عقائد کی جھلک پیش کرتی ہیں۔ بظاہر، غار کو مذہبی اور آغاز کی رسومات کے لیے ایک مقدس مقام کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، جیسا کہ رسمی اشیاء کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے۔ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ غار کو صرف رسومات کی وجوہات کی بنا پر مختصر وقت کے لیے دیکھا جاتا تھا، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ مٹی میں محفوظ پاؤں کے نشانات زیادہ تر بالغوں کے تھے۔ یہاں بنائی گئی نقاشیوں میں زیادہ تر جانوروں کو دکھایا گیا ہے، حالانکہ ایک نقاشی میں ایک پرندے کے سر والے آدمی کو دکھایا گیا ہے، اس ابتدائی مذہب میں جانوروں کے کردار کو واضح کرتا ہے، ایک ایسا مذہب جس میں غالباً افسانوں، رسومات اور قدرتی دنیا کے ساتھ رابطے کا ایک متحرک امتزاج تھا۔

ابتدائی مذہب کے مزید شواہد مردوں کی تدفین کے طریقوں میں ملتے ہیں۔ 17 ستمبر 1909ء کو، لوئس کیپیٹن اور ڈینس پی نے فرانس کی ڈورڈوگنے وادی میں لیس ایزیز کے گاؤں کے قریب لا فیراسی راک شیلٹر میں انسانی باقیات دریافت کیں۔ اس جگہ سے سات انفرادی نینڈرتھل کے کنکال کے مواد ملے، جن میں بالغ، بچے، شیر

خوار اور جنین شامل ہیں، یہ سب تقریباً 50,000 سال پہلے کے ہیں۔ بالغ مرد کو اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کو اس کے جسم کے قریب کھینچ کر آرام کرنے کے لیے رکھا گیا تھا۔ عورت کو مضبوطی سے موڑ کر رکھا گیا تھا، اس کی ٹانگیں اس کے جسم میں تہہ کی گئی تھیں، ایک بازو اس کی چھاتی پر تھا۔ بچے ایک گڑھے میں ملے۔ یہ واضح ہے کہ ان پانچوں کو جان بوجھ کر پناہ گاہ میں دفن کیا گیا تھا۔ ہم شاید کبھی نہیں جان پائیں گے کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا ہوا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں منظم اور مربوط طریقے سے دفن کیا گیا تھا، جو بعد کی ثقافتوں کے ذریعہ دیکھی جانے والی مذہبی رسومات سے بہت ملتا جلتا ہے۔

ان ابتدائی روحانی تاثرات کو کس چیز نے ابھارا؟ پہلے ہی اپنے بڑے دماغوں اور اوزاروں کے استعمال سے تمام دوسرے جانوروں سے الگ، اس قدیم انسانی نسل میں یقینی طور پر تجزیہ کرنے، یاد رکھنے اور استدلال کرنے کی صلاحیت تھی۔ ثقافتی صلاحیتیں جنہیں انہوں نے اپنے اوزار تیار کرنے، پناہ گاہیں بنانے اور آگ کو قابو کرنے کے لیے کامیابی سے استعمال کیا۔ ایسا ہونے کی صورت میں، چند مواقع ایسے ہوں گے جن کا مرد اور عورت کے ملنے کے بعد پیدا ہونے والے بچے کی پیدائش، یا کسی دوسرے شخص کے انتقال سے زیادہ اثر پڑا ہو، صرف خالی جسم پیچھے رہ گیا ہو۔ اس میں فطرت کا غیر واضح (اور پھر ناقابلِ فہم) "جادو" شامل کریں، صبح سورج طلوع ہوتا ہے اور آسمان کو عبور کرتا ہے، رات کا آغاز، اور چاند سورج کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، رات کے آسمان یا زمین پر گرج چلتی ہے۔ خزاں میں پتوں کا رخ موڑنا، برف، اور بہت سے ان ابتدائی انسانوں کے ذہنوں پر گہرا اثر ڈالتا ہو گا۔

کسی بچے یا کسی اور پیارے کے انتقال کا غم ہمارے آباؤ اجداد کو وجوہات یا کم از کم ایک وضاحت تلاش کرنے پر مجبور کرتا ہو گا۔ اور یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہو گا کہ

کیا مرنے والا شخص اب بھی موجود ہے، چاہے یہاں ہو یا کسی اور دنیا میں۔ اس لیے یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ ان انسانی گروہوں نے سب سے پہلے مذہب کی راہ پر قدم رکھا، یہ دنیا کی وضاحت کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ یہ لوگوں کے لیے ناقابلِ مصالحت کو قابل مصالحت کرنے اور خود کو برقرار رکھنے کا ایک طریقہ تھا اور ہے، موت سے بھری دنیا کی غیر یقینی صورتحال میں سکون تلاش کرنے کا ایک طریقہ۔ آگ کے گرد ناچنے اور مرنے والے جانور سے خون بہتے ہوئے دیکھنے کی موسیقی کی طاقت نے بھی انسانیت کی مذہبی تاریخ کو متحرک اور اس میں حصہ ڈالا ہو گا۔

ہمیں ان قدیم لوگوں کے عقائد اور طریقوں کے بارے میں آج کی انسانیت کی الگ تھلگ جیبوں میں مزید اشارے ملتے ہیں، بصورت دیگر جدید مذاہب کی آلودگی سے کٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ تاریخی طور پر بہت زیادہ عام تھے، لیکن آج بھی ایسے چند گروہ زندہ ہیں۔ مثال کے طور پر، آسٹریلیا میں ایبوریجنز 18ویں صدی تک آج کے مذاہب سے بہت دور اور الگ تھلگ تھے۔ ہمیں اب بھی جنوبی امریکہ اور افریقہ میں کبھی کبھار قبائل ملتے ہیں جو اپنے قدیم مذاہب پر عمل کرتے ہیں۔ ہندوستان کے قریب ایک جزیرے پر ہمیں ایک چھوٹی سی آبادی، سینٹینلیس ملتی ہے، جو اتنے الگ تھلگ رہتے ہیں کہ وہ تقریباً 40,000 سال پہلے کی طرح رہتے ہیں، ایک ایسی کھڑکی جو ہمیں اپنے قدیم مذاہب کی دنیا میں جھانکنے دیتی ہے، اور اس طرح ہمارے خداؤں کی اصل۔

پہلے مذاہب کا آغاز: افسانے

ان قدیم برادریوں میں، تحریر ابھی تک ایجاد نہیں ہوئی تھی، اور اس لیے زبانی کہانی سنانے کو قدرتی دنیا کو ریکارڈ کرنے اور اس کی وضاحت کرنے کے لیے

استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ کہانیاں بار بار سنائی جاتی تھیں، کہانی سنانے والا ہمیشہ اپنے سامعین کو لبھانے کے لیے ان میں تھوڑا سا رنگ اور تخیل شامل کرنے کے لیے تیار رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ کہانیاں جو حقیقت کے طور پر شروع ہوئیں بالآخر افسانوں میں تبدیل ہو گئیں۔

ان میں سے بہت سے افسانے قدرتی مظاہر کی وضاحت کرتے تھے، جیسے کہ طوفان یا سورج یا چاند کا طلوع و غروب ہونا۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے دنیا کی ابتدا، انسانیت کی تخلیق، موت اور موت کے بعد زندگی کے امکان کی وضاحت کی۔ ایسے افسانے اتنے پھیلے ہوئے اور طاقتور ہیں کہ بہت سے لوگ آج بھی انہیں خالص حقیقت کے طور پر لیتے ہیں۔ درحقیقت، ایسے افسانے سائنس اور مذہبی عقیدت مندوں کے درمیان بنیادی تنازعہ بن گئے ہیں۔

بلاشبہ، زیادہ تر پہلے مذاہب افسانوں کے مجموعے تھے، کیونکہ براہ راست مشاہدے سے ناقابلِ فہم کسی بھی چیز کی وضاحت ہونی تھی۔ آسٹریلوی ایبوریجنز کا ایک افسانہ تھا کہ آسٹریلیا میں دریا اور جھیلیں ایک بہت بڑے مینڈک نے بنائی تھیں۔ ایک طویل خشک سالی کے بعد، تمام جانور اکٹھے ہوئے اور انہیں معلوم ہوا کہ مینڈک نے سارا پانی نگل لیا ہے۔ بہت سی کوششوں کے بعد، ایک سانپ نے مینڈک کو ہنسایا، اور جھیلیں اور دریا بنانے کے لیے پانی بہہ نکلا۔ سورج، چاند، دنیا اور ستاروں کو کیسے بنایا گیا اس کی وضاحت کے لیے دیگر افسانے موجود تھے۔

جنوبی افریقہ کے سان لوگوں کا ایک افسانہ تھا کہ بہت سال پہلے، تمام لوگ اور جانور زمین کے نیچے ایک عظیم مالک اور زندگی کے مالک، کانگو کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے۔ کانگو نے پھر منصوبہ بنایا کہ وہ اوپری دنیا میں کیسے اٹھے گا۔ ایک دن اس نے پورے ملک میں پھیلی ہوئی شاخوں والا ایک درخت لگایا۔ اس نے پھر ایک سوراخ

بنایا، اور پہلے آدمی کو اوپر لے گیا۔ اور جلد ہی دیگر تمام لوگ اور جانور اس کی پیروی کرنے لگے۔ کانگو نے ان سب کو جمع کیا اور انہیں پر امن طریقے سے ساتھ رہنے کو کہا۔ اس نے انسانوں کو یہ بھی کہا کہ وہ کوئی آگ نہ لگائیں، ورنہ ان پر ایک بڑی برائی آئے گی۔ تاہم، رات ہونے کے ساتھ، اندھیرا اور سردی ہو گئی۔ اور ایک آدمی نے گرمی اور روشنی کے لیے آگ لگانے کا مشورہ دیا۔ اپنی ہدایات کو بھول کر، ایک آگ لگائی گئی جس نے جانوروں کو ڈرا دیا، جس کے نتیجے میں انسانوں اور جانوروں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی جھڑپ ہوئی۔ خوف نے اصل دوستی کی جگہ لے لی ہے۔

افسانہ نگاری تمام مذاہب کا ایک اہم جزو ہے، بشمول آج کے یہودی، عیسائی اور اسلامی مذاہب سب میں آدم اور حوا کی کہانی شامل ہے۔ تخلیق کے ساتویں دن، خدا نے انسان کے لیے ایک باغ لگایا، جس کے مرکز میں زندگی کا درخت تھا۔ نیکی اور بدی کے علم کا درخت۔ آدم کو کہا گیا تھا کہ وہ اس درخت سے کوئی پھل نہ کھائے۔ لیکن جلد ہی آدم کو تنہائی محسوس ہوئی، اور خدا نے اسے ایک ساتھی کا وعدہ کیا۔ جب آدمی سو گیا تو خدا نے اس کی پسلی نکال کر ایک عورت، حوا کو پیدا کیا۔

باغ میں ایک سانپ رہتا تھا جس نے عورت کو منع کیا ہوا پھل کھانے پر آمادہ کیا۔ جو اس نے کیا، اس سے پہلے کہ وہ آدم کو کچھ پھل دے۔ ایک بار جب پھل کھالیا گیا تو انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا، اور انہوں نے خود کو ڈھانپ لیا۔ جب خدا کو اس کا علم ہوا تو وہ ناراض ہوا۔ سانپ کو ساری زندگی رینگنے والے جانور کے طور پر گزارنے کی لعنت دی گئی جس کا انسان شکار کرے گا۔ اور اس کی اولاد کو بھی اسی قسمت کا سامنا کرنا پڑا۔ حوا اور اس کی تمام خواتین آباؤ اجداد کو دردناک زچگی کی سزا دی گئی، اور مردوں کے لیے ثانوی شہریوں کے طور پر زندگی گزارنے پر مجبور کیا گیا۔ آدم اور حوا دونوں کو ہمیشہ کے لیے باغ سے نکال دیا گیا۔

ہندو مت میں تخلیق کے کئی افسانے ہیں۔ ایک کے مطابق،
"اس وقت کے شروع ہونے سے پہلے، نہ آسمان تھا، نہ زمین، اور نہ ہی درمیان میں کوئی جگہ۔ ایک وسیع، تاریک سمندر عدم کی ساحلوں پر دھوتا تھا اور رات کے کناروں کو چاٹتا تھا۔ ایک بہت بڑا کوبرا پانیوں پر تیرتا رہا۔ اس کے لامتناہی کنڈلیوں میں سوئے ہوئے بھگوان وشنو لیٹے تھے۔ اس کی نگرانی زبردست سانپ کر رہا تھا۔ سب کچھ اتنا پرامن اور خاموش تھا کہ وشنو خوابوں یا حرکت سے بے خبر سو رہے تھے۔ گہرائیوں سے، ایک گنگناتی آواز کانپنے لگی۔ یہ بڑھتا اور پھیلتا گیا، خالی پن کو بھر رہا تھا اور توانائی سے دھڑک رہا تھا۔ رات ختم ہو چکی تھی۔ وشنو جاگ گئے۔ جیسے ہی صبح ہونے لگی، وشنو کی ناف سے ایک شاندار کنول کا پھول نکلا۔ پھول کے بیچ میں وشنو کا خادم برہما بیٹھا تھا۔ وہ رب کے حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ وشنو نے اپنے خادم سے کہا" :شروع کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ "برہما نے جھک کر سلام کیا۔ وشنو نے حکم دیا" :دنیا بناؤ۔"
پھر برہما نے کنول کے پھول کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے ایک حصے کو آسمانوں میں پھیلا دیا۔ اس نے ایک اور حصہ زمین میں بنا دیا۔ پھول کے تیسرے حصے سے اس نے آسمان بنائے"۔

کچھ جدید افسانے اتنے طاقتور ہو گئے ہیں کہ وہ پوری قوموں یا قوموں کے گروہوں کو ایک ساتھ رکھ سکتے ہیں، اور ان کے اجتماعی شعور کے لازمی حصوں کے طور

پر کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، زیادہ تر مغربی ممالک سرمایہ داری پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ اسے اس افسانے کی نشوونما کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ مارکیٹ کی معیشت کی یہ شکل دوسروں سے بہتر ہے۔ یہ سچ یا جھوٹ ہو سکتا ہے، لیکن جو بھی معاملہ ہو، یہ مغربی معاشرے میں اتنا مضبوط ہے کہ اس کے خلاف کسی بھی دلیل کو بعض اوقات غیر محب وطن یا خطرناک سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان قوموں کی قسمت اور خوشحالی کو ختم کرنے کے مقام تک۔

مذہبی لحاظ سے، سب سے زیادہ بااثر افسانے وہ ہیں جو طاقتور مخلوق کے تصورات پر استوار ہوتے ہیں، افسانے جو وقت کے ساتھ ساتھ ان مخلوقات کو قادرِ مطلق دیوتاؤں میں بدل دیتے ہیں، جو فطرت کے کسی ایک صوبے پر یا ان سب پر حکومت کرتے ہیں۔ بہت سے قدیم گروہوں نے آسمان کو مقدس سمجھا، ایک ایسی دنیا جو اس سے مختلف ہے جس میں ہم خود کو پاتے ہیں۔ ایسے عقائد کے نظاموں میں، آسمان ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہم پرندوں اور کیڑوں کی طرح آزاد ہو کر اڑ سکتے ہیں، اپنی دنیاوی تکالیف سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اور اس لیے زیادہ تر مذاہب آسمان کو اپنے خداؤں سے جوڑتے ہیں، یا خداؤں کے مسکن کو آسمان میں یا اس سے آگے کہیں رکھتے ہیں۔

شاید زیادہ گہرے، وہ افسانے ہیں جو قدرتی مظاہر پر مبنی ہیں جنہیں قدیم لوگ خوف سے دیکھتے تھے :مثال کے طور پر، سورج۔ بہت سے افسانے سورج کو اپنے مرکزی خیال کے طور پر لے کر ابھرے ہیں، یہاں تک کہ سورج ایک خدا کے طور پر ابھرتا ہے یا اس سے گہرا تعلق رکھتا ہے :مثال کے طور پر قدیم مصر کا را، یا رومن اپالو۔ اسی طرح، گرج آہستہ آہستہ ایک خوفناک قدرتی مظہر سے ایک مافوق الفطرت مظہر میں تبدیل ہو گئی، جو اپنے ہی افسانوں سے جکڑے ہوئے خدا سے وابستہ ہے :نورس افسانوں میں تھور، یوروبا/سانٹیریا میں شنگو، کچھ مقامی امریکی ثقافتوں میں تھنڈر برڈز۔

عام طور پر، ایسے خداؤں میں (زیادہ تر) انسانی خصوصیات بڑی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ گناہ کرتے ہیں، تو خدا آپ کو تباہ کرنے یا سزا دینے کے لیے کافی غصے میں آجائے گا۔

قدیم انسانوں کو بھی اس بات کا احساس ہوا کہ وقت بظاہر ہمیشہ کے لیے پھیلا ہوا ہے، کم از کم ان کی اپنی محدود زندگیوں کے مقابلے میں۔ انہوں نے سورج کے طلوع و غروب، موسموں کے گزرنے، اور لوگوں کے پیدا ہونے اور مرنے کا مشاہدہ کیا۔ بالآخر، زیادہ تر افراد (اب جیسے اس وقت) نے محسوس کیا کہ موت کے بعد، دنیا ان کے بغیر بھی جاری رہے گی۔ لیکن ابدی زندگی کیوں نہیں ہونی چاہیے؟ شاید ہے، اگر ہم اس تک رسائی حاصل کر سکیں۔ عدم میں غائب ہونے کے بجائے، دوبارہ دنیا کا حصہ بننے کی اس خواہش نے آخرت کے تمام مختلف عقائد کو جنم دیا۔

دنیا کے خاتمے کے بارے میں توقعات بھی بہت سے مذاہب اور فرقوں میں پائے جانے والے افسانوں میں تبدیل ہو گئیں۔ زیادہ تر یہودی-عیسائی فرقے مانتے ہیں کہ کسی دن ایک آرماگیڈون ہو گا۔ نیکی اور بدی کے درمیان حتمی، قیامت خیز جنگ۔ تاریخی پاونی انڈینز کا ماننا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب دنیا غائب ہو جائے گی۔ آسمان سے شدید طوفان اور آگ آئے گی، چاند سرخ ہو جائے گا، سورج چمکنا چھوڑ دے گا، اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے۔

رسم:

ان تمام قدیم مذاہب کے ساتھ ساتھ آج کے مذاہب میں بھی رسم کا استعمال عام ہے۔ رسم کو اعمال کے ایک تکراری سیٹ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، بارش لانے والا بارش لانے کے ارادے سے کچھ عمل انجام دیتا ہے۔ اگر ہم جانوروں کی دنیا میں جائیں تو ہمیں رسم کے کچھ شواہد بھی ملتے ہیں۔ شکار پر نکلنے

سے پہلے، بھیڑیے اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنی دم اٹھا کر مل کر چیختے ہیں۔ یہ انہیں ایک پیک میں کام کرنے کے لیے شرط بناتا ہے۔ ہمارے شکاری آباؤ اجداد نے بھی اسی طرح کے رویے پر عمل کیا۔ یہ اتنا ہی آسان ہو سکتا ہے جتنا کہ شکار شروع کرنے سے پہلے کچھ پتھروں کو ایک ساتھ باندھنا، بعد میں کچھ جنگی نعروں کو شامل کرنا، ایک مخصوص انداز میں قدم رکھنا، گانا، اور بہت کچھ۔ جب شکار کامیاب ہوتا تھا، تو شکاریوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شکار سے پہلے کی رسم کامیابی سے انجام دی گئی تھی۔ اگر نہیں، تو واضح طور پر انہوں نے رسم غلط انجام دی تھی، یا کافی عقیدت کے بغیر۔

اب ہمارے پاس اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ کس طرح کسی معاشرے میں رسم پروان چڑھتی ہے، پھر بعد میں مذہب میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آیئے میکسیکو کے اوکساکا میں 10,000 سال پرانی ایک اچھی طرح سے کھدائی والی جگہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور انسانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کی پیروی کرتے ہیں جنہوں نے ایڈہاک رسومات سے شروعات کی جو زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتی گئیں (مارکس 2004)۔ 10,000 سالوں کے عرصے میں اس چھوٹی انسانی آبادی نے ایک مکمل مذہب تیار کیا، جس میں پادری بھی شامل تھے۔ یہ علم گہرا ہے، کیونکہ یہ ہماری جدید مذہبی ترقی کو بھی واضح کرتا ہے۔

10,000 سال سے زیادہ پہلے، زمین کا ایک چھوٹا سا حصہ کثرت کے موسموں میں شکاریوں اور جمع کرنے والوں کے ذریعہ استعمال ہونا شروع ہوا۔ بارش کے موسم کا مطلب تھا کہ چند خاندانوں کے لیے کافی خوراک تھی، جن کی تعداد شاید 25-30 افراد تھی، چند مہینوں کے لیے اکٹھے ہونے کے لیے۔ خشک موسموں کے دوران، وہ ایک اور جگہ پر چلے گئے جہاں زیادہ خوراک تھی۔ اس وقت، پہلی جگہ میں ایک صاف جگہ تھی، جس کی پیمائش تقریباً 20 میٹر 7 میٹر تھی، جس کے اطراف میں

پتھروں کی دو قطاریں تھیں۔ جگہ کو صاف رکھا گیا تھا (کھدائیوں میں اطراف میں ملبہ ملا، لیکن صاف جگہ کے اندر نہیں) اور غالباً اسے پورے گروہ کے ذریعہ دیکھی جانے والی رسومات کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ ہمارے پاس یہ بتانے کے لیے بہت کم، اگر کوئی ہے، شواہد ہیں کہ اس میں کس قسم کی رسومات شامل تھیں۔ تاہم، اگلے چند ہزار سالوں میں، سائٹ اور رسومات نمایاں طور پر تیار ہوں گی۔

جلد ہی پالنے والی مکئی (مکئی) اس مقام تک تیار ہو گئی جہاں یہ جگہ پرانی آبادی سے 10 گنا زیادہ سال بھر کی آبادی کو سہارا دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ کچھ گھر نمودار ہوئے۔ لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ بڑی عمارتیں، جن میں ایک رسم (رسم گھر) کی خدمت کرنے والی بھی شامل ہے، بھی تعمیر کی گئیں۔ رسم گھر کو اس لیے جانا جاتا ہے کیونکہ اس میں انسانی قربانیوں کے لیے استعمال ہونے والا ایک گڑھا اور جماعت کے بیٹھنے کے لیے بینچ تھے۔ ایک کھلی جگہ میں اصل، سادہ ایڈہاک رسم، ایک کیلنڈر کی بنیاد پر پہلے سے طے شدہ اوقات میں انجام دی جانے والی ایک زیادہ پیچیدہ ورژن میں تیار ہوئی تھی۔ چند سو سال بعد، آبادی ایک ہزار ہو گئی اور موروثی درجات کی نمائش کرنے لگی، جیسا کہ رسمی تعمیر میں دیکھا گیا ہے (جس کے لیے ایک تنظیمی درجہ بندی کی ضرورت ہوتی) اور زیورات اور دیگر اشیاء کی موجودگی۔

جیسے جیسے سرداروں کی طاقت بڑھتی گئی، رسمی عمارتیں وسیع تر برادری کی خدمت کرنے والے مندروں میں تبدیل ہو گئیں۔ ہمیں رسم کے مزید شواہد ملتے ہیں، اور رسومات میں زیادہ نفاست بھی ملتی ہے، جس میں خون بہانا، دشمنوں کی قربانی، اور بہت کچھ شامل ہے۔

وہ ثقافت پروان چڑھی اور آس پاس کے چھوٹے گروہوں اور دیہاتوں کو جذب کرنے لگی۔ مندروں کو اضافی کمروں کے ساتھ بڑھایا گیا، اور پوری وقت کے

پادری مندروں اور ان میں انجام دی جانے والی تقریبات دونوں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ رسومات کا ابتدائی، سادہ سیٹ اتنا زیادہ ترقی یافتہ ہو گیا تھا کہ اب اس میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اسے آگے بڑھانے اور اپنے عقائد اور یقین کے مطابق مذہب (اور خود ثقافت) کو پھیلانے کے لیے وقف کر دی تھی۔ آخر کار، اب تک وہ خداؤں کی نمائندگی کر رہے تھے!

یہ ثقافت اچانک اس وقت ختم ہو گئی جب چند صدیوں بعد ایک حریف گروہ نے بالآخر نئی ریاست کو تباہ کر دیا۔

رسم انسانی نفسیات کی اچھی طرح خدمت کرتی ہے۔ یہ زبردست جذبات اور احساسات کو جنم دیتی ہے، خاص طور پر اگر اس میں نعرے بازی، آگ، اندھیرا اور قتل شامل کیا جائے۔ کسی رسم کی ادائیگی میں، انفرادیت کی رکاوٹ ٹوٹ جاتی ہے۔ فرد اپنی شناخت کھو دیتا ہے تاکہ ایک بڑے گروہ کا حصہ بن سکے، جہاں سب برابر ہیں۔ یہ گروہی شناخت کا احساس پیدا کرتا ہے اور سماجی بندھنوں کو مضبوط کرتا ہے۔ یہ اتحاد کی تصدیق کرتا ہے، اور اجتماعی سرگرمی کے ذریعے نظم وضبط اور گروہی یکجہتی قائم کرتا ہے۔ رسومات بالآخر مذہبی تجربے کو جنم دیتی ہیں جو اتنا جذباتی اور متاثر کن ہوتا ہے کہ یہ عقیدے کو تقویت دیتا ہے۔

آج بھی یہ مختلف نہیں ہے۔ مذہبی رسومات کی جدید مثالوں میں کیتھولک کا اجتماعی عبادت کرنا، یا مسلمانوں کا جمعہ کی نماز ادا کرنا شامل ہے۔

کوئی پوچھ سکتا ہے کہ رسم اتنی کامیاب کیوں ہے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ انسان تکراری اور واقف سرگرمیوں پر ترقی کرتا ہے، کیونکہ وہ سکون اور حفاظت کا احساس فراہم کرتے ہیں۔ رسم دماغ کے دائیں جانب کو متحرک کرتی ہے، جو رقص، اشاروں اور آوازوں پر اچھی طرح سے رد عمل ظاہر کرتی ہے، اور کسی کو منطق اور

تنقیدی سوچ کی رکاوٹ کو توڑ کر لاشعور سے رابطہ کرنے کی اجازت دیتی ہے۔

اس طرح، رسم ہمارے مذاہب کی بہت اچھی طرح خدمت کرنے آئی ہے۔ یہ خداؤں اور مذہب کے اصولوں کو تقویت دینے کے لیے ایک جذباتی لہر کو جنم دیتی ہے، ایک ایسا ردعمل جو اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ رسم میں حصہ نہ لینے والے افراد کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے اور یہاں تک کہ مارا بھی جاسکتا ہے۔

آج کے مذاہب میں اب بھی بہت سی رسومات ہیں جو اپنے اپنے پیروکاروں کی وفاداری کو برقرار رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ ہم اوپر بیان کردہ قدیم آبادی کے اعمال پر مسکرا سکتے ہیں یا حیران ہو سکتے ہیں، لیکن ہم بہت مختلف نہیں ہیں۔ ہزاروں سال پہلے مصریوں کے ذریعہ اختیار کی جانے والی ختنہ یہودی اور اسلامی مذاہب کا حصہ بن گئی جو آج بھی رائج ہیں۔ ہر بڑے مذہب میں ایسی رسومات ہیں جو قدیم طریقوں کی باقیات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ممنوعات:

ممنوعات، سختی سے منع کیے گئے انسانی / سماجی اعمال، بھی ہمارے مذاہب کا حصہ بن گئے۔ کسی ممنوعہ کی خلاف ورزی معاشرے کے ذریعہ ناپسند کی جاتی ہے، اور ممنوعات اب بھی ہمارے موجودہ مذاہب کا ایک اہم حصہ ہیں، جو قدیم مذاہب سے ان کی ابتدا کو واضح کرتے ہیں۔ ممنوعات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں، لیکن خاص طور پر اس کا نام اس وقت تک نہیں رکھا گیا جب تک کہ برطانوی مہم جو کیپٹن جیمز کک کی تحریریں عام نہیں ہوئیں۔ جب اس نے ٹونگا کے جزیرے کو دریافت کیا، تو اس کا سامنا ایک ایسی نسل سے ہوا جہاں ان کی زندگی اور مذہب کا بیشتر حصہ "ٹابو" (ممنوعہ) سرگرمیوں سے چلتا تھا۔ لفظ "ٹابو" جدید "ممنوعہ" میں تبدیل ہوا۔ ان کی رصد گاہوں

اور مقدس مقامات کو پادریوں نے ان کے ارد گرد زمین میں چھوٹی چھوٹی لاٹھیاں چپکا کر ممنوعہ قرار دیا تھا۔ کوئی بھی آدمی مدعو کیے بغیر ممنوعہ جگہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ کک نے یہ بھی دیکھا کہ عورتوں کا مردوں کے ساتھ کھانا ممنوع تھا، اور یہ کہ کچھ کھانے پینے کی اشیاء (جیسے سور کا گوشت اور کچھ مچھلیاں) بھی ممنوع تھیں۔ کچھ عورتوں کو دوسروں کے ذریعہ کھانا کھلانا پڑتا تھا، کیونکہ انہیں کسی نہ کسی وجہ سے خود کو کھانا کھلانے سے منع کیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر، اگر انہوں نے کسی مردہ جسم کو چھوا ہو یا حیض آ رہا ہو۔

کوئی بھی معاشرہ اور ثقافت، موجودہ یا ماضی، ایسا نہیں ہے جس میں ممنوعات نہ ہوں۔ عام طور پر وہ ایک ثقافت سے دوسری ثقافت میں مختلف ہوتے ہیں، حالانکہ زنا بالجبر کے خلاف ممنوعہ ہر معاشرے میں رائج ہے (پھر بھی یہاں بھی، اس اصول کے استثناءات ہیں)۔ مخصوص ممنوعات کی اصل کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ کچھ قدیم زمانے میں بغیر کسی واضح وجوہات کے شروع ہوئے ہوں گے، بس قوانین کا ایک غیر تحریری ضابطہ بن گیا جو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ اسے تحریری طور پر رسمی شکل دے دی گئی۔ کچھ ممنوعات کی وجوہات ہوتی ہیں :زنا بالجبر کا ممنوعہ ملاپ کو روکتا ہے، اور کچھ ثقافتوں نے اصل میں صحت کی وجوہات کی بنا پر سور کے گوشت سے پرہیز کیا۔ لیکن یہاں تک کہ جب ممنوعہ کی وجہ یا اصل بہت زیادہ ختم ہو جاتی ہے، تب بھی اسے اکثر اتنی سختی سے نافذ کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی اس کی خلاف ورزی کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

ایک پنجرے میں چار گوریلوں پر کیے گئے ایک ممکنہ طور پر جھوٹے تجربے کا قصہ یہاں ہماری اچھی طرح خدمت کرتا ہے۔ تجربے میں، دیوار کے ساتھ ایک سیڑھی لگائی جاتی ہے جس میں کچھ بھوک لگی ہوئی ناشتے سیڑھی کے اوپر ایک پلیٹ

فارم پر رکھے جاتے ہیں۔۔زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ پہلا گوریلا ناشتے تک پہنچنے کے لیے سیڑھی چڑھتا ہے۔ جیسے ہی وہ انہیں چھونے والا ہوتا ہے، تمام گوریلوں پر برف کا ٹھنڈا پانی چھڑک دیا جاتا ہے۔ فوراً تمام گوریلے ایک کونے میں چلے جاتے ہیں۔ جلد ہی، کوئی بھی گوریلا سیڑھی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اگر کوئی گوریلا پھر بھی سیڑھی پر چڑھنے کی کوشش کرتا ہے، تو باقی تین اسے چھڑکنے کے خوف سے زبردستی روکیں گے۔ پھر گوریلوں میں سے ایک کو ایک نئے کے ساتھ تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ہی یہ نیا گوریلا سیڑھی کو چھونے کی کوشش کرتا ہے، باقی تین اس پر بغیر کسی ظاہری وجہ کے حملہ کریں گے۔

جلد ہی، ایک اور نیا آنے والا متعارف کرایا جاتا ہے۔ اور جب وہ کھانے تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس پر بھی حملہ کیا جاتا ہے۔ پچھلا نیا آنے والا حملے میں حصہ لیتا ہے، حالانکہ اسے کوئی اندازہ نہیں ہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ جلد ہی تمام اصل گوریلے تبدیل ہو جاتے ہیں، لیکن حملے جاری رہتے ہیں کیونکہ نئے آنے والوں نے سیکھا ہے کہ سیڑھی چڑھنا ممنوع ہے۔ ممنوعہ بغیر کسی ظاہری وجہ کے برقرار رہتا ہے۔

انسانی معاشروں میں، کسی ممنوعہ کی خلاف ورزی کے نتیجے میں سخت سزا یا موت بھی ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نہیں جانتا کہ کیوں، ایک یقینی یقین موجود ہے کہ ممنوعہ کو توڑنے پر کسی کو سزا دی جائے گی اور اسے سزا دی جانی چاہیے۔ جو ممنوعہ کو توڑتا ہے وہ خود ممنوعہ ہو جائے گا، اور بہت سے معاملات میں پوری برادری اس فرد کی مذمت کرے گی اور اسے سزا دے گی تاکہ پوری برادری کو مصائب سے بچایا جا سکے۔ یہ یہودی اور مسلم ثقافتوں میں ہوتا ہے جب افراد سور کا گوشت کھانے کے خلاف ممنوعہ کو توڑتے ہیں۔

عہد نامہ قدیم میں بہت سے ممنوعات درج ہیں :مثال کے طور پر، ہم جنس

پرستی کے خلاف۔ زیادہ تر عیسائی ممالک اب بھی اس ممنوعہ کو نافذ کرتے ہیں، عام طور پر ہم جنس شادیوں کی اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں (حالانکہ یہ بتدریج بدل رہا ہے)۔ حیض کے دوران جنسی تعلقات بھی ایک بائبل کا ممنوعہ ہے۔

کچھ ممنوعات کی ابتدا ایسے اعمال یا اشیاء میں ہو سکتی ہے جن کی وجہ سے کسی شخص یا معاشرے کو کچھ نقصان پہنچا ہو۔ حفاظتی وجوہات کی بنا پر، اس عمل یا شے کو ممنوعہ قرار دیا گیا تھا۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ، ممنوعہ اکثر لوگوں کے اعمال اور عقائد کو کنٹرول کرنے کے لیے استعمال ہونے والا ایک مذہبی آلہ بن گیا۔ کچھ ثقافتوں میں کسی متوفی شخص کا نام لینا ممنوع ہے (اس خوف سے کہ یہ ان کی روح سے نقصان دہ توجہ مبذول کرائے گا)، اور آج کے معاشرے میں، بائبل کو جلانا عام طور پر ایک ممنوعہ کے طور پر ڈرا جاتا ہے جو خدا کا بدلہ سب پر لا سکتا ہے۔ قرآن کی تباہی کا مطلب یقینی طور پر ایک مسلم معاشرے میں موت ہے۔

جدید معاشرہ ممنوعات کی مثالوں سے بھرا ہوا ہے جو مختلف موضوعات پر ہیں جیسے کہ برہنگی، مذہبی عقائد، پودے اور جانور جو ہم کھا سکتے ہیں، اور بہت کچھ۔ ان میں سے بہت سے ممنوعات کی وجوہات اب درست نہیں ہیں، کیونکہ متعلقہ مسئلے کو حل کرنے کے لیے دوسرے طریقے تیار کیے گئے ہیں۔ تاہم، بہت سے معاملات میں ممنوعات کو ایک خاص مذہب میں جذب کر لیا گیا تھا۔ اور اس طرح، مذہبی دیوتا یا دیوتاؤں کا ممنوعہ پر اختیار ہوتا ہے، اور وہ ان لوگوں کو سزا دے سکتے ہیں جو اسے توڑتے ہیں، چاہے ممنوعہ کتنا ہی مضحکہ خیز یا غیر معقول کیوں نہ ہو۔

توہم پرستی:

توہم پرستی بہت سے مذہبی عقائد کے نظاموں کا ایک بڑا حصہ ہے۔ توہم

پرستی کو اس عقیدے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ مستقبل کے کسی واقعے کو کسی غیر متعلقہ عمل سے متاثر کیا جاسکتا ہے۔ ایک ٹینس کھلاڑی گیند پیش کرنے سے پہلے اپنے دائیں پاؤں کو ایک بار تھپتھپا سکتا ہے۔ ایک جواری پاسہ پھینکنے سے پہلے اس پر پھونک مار سکتا ہے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس سے اس کے جیتنے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ ایک بیس بال کھلاڑی ہر کھیل میں وہی "خوش قسمت" موزے پہن سکتا ہے۔ جنوبی افریقہ کے زولو ایک زمانے میں یہ توہم پرستی رکھتے تھے کہ ہتھوڑے والے پرندے کو نقصان پہنچانے یا مارنے سے برے نتائج بر آمد ہوں گے، اور مجرم کے پورے گاؤں کو ایک پرتشدد طوفان کی سزا دی جائے گی۔ ہوٹینٹوٹ کا ماننا تھا کہ اسی پرندے میں یہ دیکھنے کی صلاحیت ہے کہ اگلا کون مرے گا۔ اگر پرندہ کسی گھر کے قریب دیکھا جاتا ہے، تو یہ موت کی خبر کی نمائندگی کر سکتا ہے۔ بالآخر، توہم پرستی بغیر کسی سائنسی ثبوت یا وجہ کے عقائد ہیں۔ تو آج بھی توہم پرستی اتنی عام کیوں ہے، جب دہرائے جانے والے، قابلِ تصدیق سائنس ہمارے معاشرے کی زیادہ تر بنیاد اور حمایت کرتی ہے؟ یقینی طور پر ماضی میں بھی، ایک ایسا شخص جو کسی واقعے کے نتیجے سے مکمل طور پر غیر مربوط عمل انجام دے رہا ہو، بالآخر اسے احساس ہو گا کہ مطلوبہ نتیجہ شاذ و نادر ہی (اگر کبھی) حاصل ہوا ہے، اور توہم پرستی کو چھوڑ دے گا۔ تاہم، ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجہ کو تقویت کے نظریے میں بیان کیا جاسکتا ہے، جو جانوروں اور انسانوں دونوں کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔

1948ء میں، بی ایف سکنر نے کبوتروں میں توہم پرست رویے کو دریافت کیا۔ اس نے بھوکے کبوتروں کو ایک پنجرے میں رکھا، کبوتر کے رویے کے بغیر کسی حوالہ کے ساتھ باقاعدگی سے وقفوں سے خوراک پہنچائی۔ تاہم، اس نے محسوس کیا کہ کبوتر جلد ہی خوراک کی ترسیل کو اس عمل سے جوڑ دیتے ہیں جو وہ خوراک کی ترسیل

کے وقت انجام دے رہے تھے۔ مثال کے طور پر، ایک پرندہ خوراک کی ترسیل کے طور پر ایک یا دوسری سمت میں مڑ سکتا ہے۔ غلط طریقے سے، پرندہ یہ فرض کرتا ہے کہ موڑ کھانا کھلانے کو اکساتا ہے۔ لہذا یہ جان بوجھ کر اسی سمت میں مڑنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر موڑوں میں سے ایک پھر کھانا کھلانے کے ساتھ موافق ہوتا ہے، تو پرندہ اب اس بات پر قائل ہے کہ موڑ واقعی کھانا کھلانے کو اکساتا ہے، اور باقاعدگی سے حرکت کو دہراتا ہے۔

اس تجربات کی سیریز میں سکنر کی سب سے اہم دریافت جزوی تقویت کا اثر تھا۔ ایک کبوتر جو ہر بار ایک مخصوص عمل انجام دینے پر خوراک حاصل کرتا ہے، بالآخر اس عمل کو بھول جائے گا اگر خوراک آنا بند ہو جائے۔ تاہم، ایک کبوتر کو صرف اب اور پھر خوراک سے نوازا جاتا ہے جب وہ ایک مخصوص عمل انجام دیتا ہے تو وہ رد عمل انجام دینے میں اور بھی زیادہ پر عزم اور مستقل ہو جاتا ہے۔

ایک جدید مماثلت میں، ایک شخص یہ مان سکتا ہے کہ وہ کوئی عمل یا رسم انجام دے کر بارش لا سکتا ہے۔ اگر رسم ایک بار کام کرتی ہے، اور پھر چند کوششوں کے بعد دوبارہ کام کرتی ہے، تو یہ "بارش لانے والا" اس بات پر قائل ہو جائے گا کہ یہ رسم کام کرتی ہے، اور اسے دوسری صورت میں قائل کرنے کی تمام کوششوں کی مزاحمت کرے گا۔ یہ عقیدہ اب اندرونی ہو گیا ہے۔ "بارش لانے والا" ہر قسم کی وجوہات بھی تلاش کرے گا کہ رسم بعض صورتوں میں کیوں کام نہیں کرتی ہے۔ شاید اس نے اسے صحیح طریقے سے انجام نہیں دیا، یا اس کا خدا اسے، کسی ایسی چیز کے لیے سزا دے رہا تھا جو اس نے کی تھی۔ لہذا یہاں تک کہ جب بھی کوئی شخص کسی نتیجے کی توقع کے ساتھ کوئی رسم انجام دیتا ہے، اور زیادہ تر وقت کچھ نہیں ہوتا دکھائی دیتا ہے، اس کے باوجود یہ فرد کے اندر استقامت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

جدید مذاہب میں قدیم طریقوں کے نشانات:

الگ تھلگ برادریوں کے مذہبی طریقوں کے بارے میں اپنے علم کو آثار قدیمہ کے شواہد کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے، ہم اپنے موجودہ مذاہب کی بنیادیں تشکیل دے سکتے ہیں۔ یہ ترقی ترتیب وار نہیں تھی، بلکہ بے ترتیب تھی، مختلف برادریوں میں مختلف شرحوں سے آگے بڑھ رہی تھی۔ بہر حال، انسانی رویے کے مستقل ہونے کی وجہ سے، ان بکھرے ہوئے آغازوں میں بہت سی مماثلتیں اور مماثلتیں تھیں۔ جیسے جیسے یہ برادریاں ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں آئیں، مذہبی تصورات اور طریقے مزید ترقی یافتہ ہوئے۔

افسانوں، رسومات، ممنوعات اور توہم پرستی کے اس مرکب میں، جس میں پہلے سے ہی ایک اعلیٰ طاقت کے تصورات اور دن اور رات، سورج اور چاند جیسے غیر واضح قدرتی مظاہر کے لیے خوف شامل تھا، ان تصورات کو جوڑنے کے لیے مزید ترقی ہوئی۔ قدیم مذاہب میں، روح پرستی بھی رائج تھی۔ روح پرستی یہ نظریہ ہے کہ قدرتی دنیا میں ہر چیز روحانی طور پر زندہ ہے: یعنی روحیں نہ صرف انسانوں میں، بلکہ جانوروں، پرندوں، چٹانوں، گرج، پہاڑوں وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ اس طرح، کچھ جانوروں، اشیاء اور مظاہر کے ساتھ احترام سے پیش آنا چاہیے، اس صورت میں کہ ان کی روحیں بدلہ لینے یا پوشیدہ دنیا پر اثر انداز ہونے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، ہوٹینٹوٹ جو ہرن کو مارتا ہے وہ اس جانور کی روح کو خوش کرنے کے لیے کچھ رسم یا عمل انجام دے گا۔ کچھ ثقافتوں میں، ایک پہاڑ کی تعظیم کی جا سکتی ہے، اور بجلی جیسا شاندار قدرتی مظہر تیزی سے خدا بن جاتا ہے۔

آج، ہم جانتے ہیں کہ متحرک (زندہ) اور غیر متحرک (زندہ نہیں) کے

درمیان فرق کرنا ایک تجرید ہے جسے ہم سیکھنے کے ذریعے تیار کرتے ہیں۔ ایک چھوٹے بچے کے ذہن میں، اس کے ارد گرد کی ساری دنیا زندہ ہے۔ مثال کے طور پر، ایک بچہ اپنے کھیل کے جانور کے لیے کھانا کھلا سکتا ہے اور پانی فراہم کر سکتا ہے۔ زیادہ تر چھوٹے بچے قدرتی اور انسانی دنیا میں فرق نہیں کر سکتے۔ اور حقیقت میں، بالغ بھی نہیں کر سکتے جب تک کہ انہیں نہ سکھایا جائے۔ جدید ثقافتوں میں، بالغ ان دنیاوں میں فرق کر سکتے ہیں کیونکہ انہیں ایسا کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قدیم معاشروں میں، یہ فرق موجود نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، روایتی آسٹریلوی ایبوریجنز کا ماننا تھا کہ وہ جس زمین پر رہتے ہیں وہ زندہ ہے، اور کچھ اب بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

اس طرح کے رویے کے ساتھ، کچھ پہاڑوں، پودوں، یا پتھروں کی پوجا کرنا فطری ہے، اور یہاں تک کہ بعد میں سورج یا چاند کی بھی۔ اگر کوئی ان کو خوش کر سکتا ہے، اکثر رسم یا قربانی کے ذریعے، تو کوئی اس پوشیدہ دنیا سے جڑ سکتا ہے اور متعلقہ روحوں سے تحفظ یا اضافی طاقت حاصل کر سکتا ہے۔ اس نقطہ نظر کا ایک اور حصہ یہ ہے کہ کسی روح کو مارا نہیں جا سکتا، یہ اس پوشیدہ دنیا میں موت سے محفوظ ہے۔ اس تصور میں انسان بھی شامل ہیں۔ یہ یقینی بنانے کے لیے کہ روح ان لوگوں کو نقصان نہ پہنچائے جو پیچھے رہ گئے ہیں، یا تو اس لیے کہ اسے بدلہ لینے کی ضرورت تھی یا وہ اب بھی زندہ لوگوں سے حسد کرتا تھا، رسومات انجام دی جاتی تھیں اور قربانیاں دی جاتی تھیں تاکہ افراد کے ساتھ ساتھ برادری کو ان روحوں سے بچایا جا سکے۔

اس فریم ورک کے اندر، آباؤ اجداد کی پوجا بھی تیار ہوئی، جیسا کہ آج بھی افریقہ اور ایشیا میں بہت سی برادریوں میں رائج ہے۔ ایسا ہی شمن کا تصور تھا، ایک ایسا شخص جو حقیقی دنیا اور روحوں کی دنیا کے درمیان ثالث یا پیغامبر کا کام کر سکتا تھا۔ شمن روحانی دنیا کی کچھ طاقتوں کو بھی استعمال کر سکتا تھا، مثال کے طور پر شفایابی۔ اس روحانی

دنیا میں داخل ہونے کے لیے درکار مواصلات میں عام طور پر کچھ مخصوص رسم اور ذہنی حالت شامل ہوتی ہے۔

ہمارے پہلے خدا تخلیق کیے گئے:

افسانوں، توہم پرستی، رسومات، اور روح پرستی کے انسانی فریم ورک کے اندر، دیوتاؤں (خداؤں) کی پوجا بالآخر تیار ہوئی۔ اس طرح کے عقائد قدرتی مظاہر کی وضاحت کرنے کے لیے ایک منظم طریقے کے طور پر ابھرے جن کی وضاحت دوسری صورت میں نہیں کی جا سکتی تھی۔ خدا، جو حقیقت سے باہر کسی پراسرار، دوسری دنیا میں موجود تھے، ان کے پاس سپر پاورز تھیں جو دنیا کو متاثر کر سکتی تھیں۔ انہوں نے شاذ و نادر ہی خود کو انسانوں پر ظاہر کیا یا دکھایا، لیکن ان کے اثرات دیکھے جا سکتے تھے۔ جلد ہی زیادہ تر مذاہب کے لیے ان دیوتاؤں کی نمائندگی کے لیے تصاویر اور علامتوں کا استعمال کرنا معمول بن گیا۔

کسی دیوتا کی جسمانی نمائندگی ہونے سے پوجا اور قربانی کرنا آسان ہو گیا۔ دیوتا کو طاقتور خصوصیات سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ قدیم مذاہب نے اپنے دیوتاؤں کی نمائندگی کے طور پر خاص پتھروں، درختوں، پرندوں یا دیگر جانوروں کا استعمال کیا ہو گا۔ جیسے جیسے اوزار بنانے اور فن کا ارتقاء ہوا، دیوتا کی نمائندگی کے لیے کسی شے کو شکل دینا یا بصورت دیگر ایک جسمانی تصویر بنانا ممکن ہو گیا۔ اور اس طرح ہمارے پہلے خدا حقیقی جسمانی وجود میں آئے۔ اس نے خداؤں کی کثرت کے دور کا آغاز کیا جس نے انسانیت کی تاریخ قدیم اور تاریخ کو گھیر لیا ہے۔

لیکن بالآخر، ان خداؤں کو، چاہے وہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں، اور بھی زیادہ طاقتور دیوتاؤں نے تبدیل کر دیا، ان کی طاقت لاکھوں یا اربوں لوگوں کے عقائد

سے تقویت یافتہ اور متحرک ہوئی۔

یہ مذہبی تبدیلیاں میکسیکو میں خانہ بدوش آبادی کی طرح ہوئیں، جو آباد ہو گئی اور حریفوں کے ہاتھوں مٹنے سے پہلے سادہ رسم سے ایک رسمی مذہب کی طرف بڑھی۔ انسانی آبادی کا حجم بتدریج بڑھتا گیا، اور اس کے ساتھ ساتھ ایجاد کرنے کی صلاحیت، موافقت کرنے کی صلاحیت، بقا کا ہنر بھی بڑھتا گیا۔ تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا، پہلے آہستہ آہستہ اور پھر تیزی سے۔ نتیجے کے طور پر، شکاری جمع کرنے والوں سے کاشتکار کٹائی کرنے والوں میں تبدیلی شروع ہوئی۔ باغبانی، اور بعد میں زراعت، میں بہت زیادہ کام کی ضرورت تھی لیکن اس سے بہت زیادہ خوراک بھی پیدا ہوتی تھی۔

انسانی زندگی کے طریقے خانہ بدوش گھومنے پھرنے سے بنیادی آباد کاری تک، پہلے پارٹ ٹائم اور پھر پوری وقت، زرعی گاؤں، شہر اور پھر ریاست تک تیار ہوئے۔ اس تبدیلی کے ساتھ، مزدوری کی تخصص تیار ہوا۔ کسانوں کو بلڈروں، کاریگروں، ڈیلروں، سپاہیوں اور پادریوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ سماجی درجہ بندی تیار ہوئی، جس میں کسان کسان سب سے نیچے اور حکمران طبقہ سب سے اوپر ہے۔ اس ترقی کے ساتھ، مذہب بھی ایڈہاک رسومات، توہم پرستی، جادو، افسانوں اور پہلے دیوتاؤں سے ریاستی مذاہب میں تبدیل ہو گیا۔

چونکہ مذہب اس دنیا اور فطرت اور موت کی نامعلوم / غیر مرئی دوسری دنیا کے درمیان رابطہ تھا، اس لیے حکمران طبقہ مذہب کا محافظ بن گیا۔ یا تو پادری حکومت کرنے آئے، یا بادشاہت پادریوں کی حمایت سے حکومت کرنے آئی۔ مفروضہ یہ تھا کہ اگر آپ حکمران ہیں، تو ایک خدا ضرور آپ کا ساتھ دے گا۔ اور اس لیے آپ کو بدلے میں اس خدا کی حمایت کرنے اور اس کی طرف سے حکومت کرنے کی ضرورت تھی۔

لہذا، پیروکاروں کو خدا اور انسانی حکمران دونوں کی پیروی کرنی چاہیے۔

جیسے جیسے یہ معاشرے زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے، مذہب اور عقیدہ بھی زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ طاقتور ریاستوں میں یہ تبدیلی تقریباً 3,300 بل مسیح میں شروع ہوئی جس میں کچھ بڑی ریاستیں ابھریں:

- میسوپوٹیمیا
- مصر
- وادی سندھ
- شمالی چین
- وادی دریائے نائجر
- وسطی میکسیکو
- کوہِ اینڈیز

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر ریاستیں وسائل کی کمی والے علاقوں میں بنیں، جہاں لوگوں کو بقا کے امکانات کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے تعاون کرنے پر مجبور کیا گیا۔ قدیم مصر جیسی چند مثالیں حیرت انگیز ہیں۔ زرخیز دریائے نیل نے ایک ایسے خطے میں پانی اور دیگر وسائل کا ایک قابل اعتماد ذریعہ فراہم کیا جو بصورت دیگر آسانی سے زندہ رہنے کے قابل نہیں تھا۔ مسلسل بڑھتی ہوئی انسانی آبادی اور وسائل کی جدوجہد کا مطلب یہ تھا کہ وادی نیل میں جمع ہونے والے انسانوں نے خانہ بدوش زندگی سے ایک گاؤں، پھر شہر اور آخرکار ریاستی سطح کی ثقافت میں اپنی تبدیلی کو تیز کر دیا۔ مصری مذہب بڑھتے ہوئے پیچیدہ معاشرے کے ساتھ ساتھ ترقی یافتہ ہوا، بالآخر بڑی اور چھوٹی تمام چیزوں کے لیے بہت سے دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ایک منسلک انڈرورلڈ پر مشتمل ہے۔

میسوپوٹیمیا کے مذہب نے بھی خداؤں اور طریقوں کی ایک وسیع رینج پیش کی، جن میں سے بہت سے ایک مخصوص شہر یا شہر ریاست سے وابستہ تھے۔ عام طور پر، انسانیت کے مذاہب اپنی ترقی میں تیز ہو گئے، عقائد اور رسومات کی ایک بڑی تعداد میں پھٹ گئے۔

یہیں سے جدید مذہب کی ہماری کہانی واقعی شروع ہوتی ہے۔ اگلا باب ان پروٹومذاہب کے آج کے مذاہب میں ارتقاء کو بیان کرتا ہے۔

باب 2

خداؤں کا دور

میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں مان سکتا کہ دنیا اور کائنات کا واحد مقصد ایک خدا یا خداؤں کے لیے ایک وسیع کھیل کا میدان بننا ہے، جیسا کہ انسان ان کی پوجا کرتے ہیں، نجات کے لیے التجا کرتے ہیں۔

قدیم خانہ بدوش جنہوں نے خدا کا تصور پیش کیا:

1,700 اور 1,300 قبل مسیح کے درمیان، ایک ایسی کہانی سامنے آئی جس نے انسانیت کے مذہبی سفر کو گہرائی سے تبدیل کر دیا۔ اس کہانی کا مقام زرخیز وادی نیل اور دجلہ و فرات کی وادیوں کے درمیان ایک خشک، بنجر زمین کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایک ایسا علاقہ جسے میسوپوٹیمیا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ خطہ ہمارے بہت سے جدید خداؤں کا، اور یقینی طور پر اس خدا کا جنم لینے والا تھا، جو کئی ناموں سے، مغربی دنیا کی ثقافتوں پر حاوی ہو گیا ہے۔

1,700 قبل مس تح تک، وادی نیل مصری خاندانوں کے سخت کنٹرول میں تھی۔ میسوپوٹیمیا، مزید شمال میں، طاقتور بابلیوں کی حکومت تھی۔ ان دونوں ملکوں کے درمیان ایک بنجر خطہ پھیلا ہوا تھا جہاں کئی خانہ بدوش قبائل بہت بنیادی

زندگی گزارتے تھے۔ آثار قدیمہ کے شواہد اس علاقے میں انسانوں کی ترقی کو 18,000-10,000 قبل مسیح میں ایک بنیادی شکاری جمع کرنے والے معاشرے سے 12,500-9,500 قبل مسیح تک ایک زرعی معاشرے میں تبدیل ہونے کی دستاویز کرتے ہیں، کچھ چھوٹے دیہات جن میں مزدوری کی تخصص 8,500-4,300 قبل مسیح کے عرصے میں نمودار ہوتی ہے۔



ابتدائی عبرانی تقریباً 1,700 قبل مسیح سے پہلے اور 1,300 قبل مسیح کے بعد میں نہیں ابھرے، ممکنہ طور پر جب چھوٹے قبائل بقا کے لیے ایک ساتھ ہوئے۔ وہ یا تو سامی لوگ تھے جو جنوبی عرب سے اس علاقے میں ہجرت کرکے آئے تھے، یا موجودہ سامی اور بحیرہ روم کے لوگوں پر مشتمل ایک جامع گروہ تھے۔ وہ خانہ بدوش تھے، ایک کثیر پرست مذہب کے ساتھ جس میں بہت سے خدا افسانوں، توہم پرستی اور رسومات

کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ ہزاروں سال پہلے آخری برفانی دور کے خاتمے سے وابستہ بتدریج موسمیاتی تبدیلی نے مصر اور میسوپوٹیمیا کے درمیان کے علاقے میں بقا کو تیزی سے مشکل بنادیا، اور صدیوں سے چیزیں زیادہ سے زیادہ خشک ہوتی گئیں۔ پارک لینڈ اور ووڈلینڈ صحرا میں تبدیل ہو گئے، چند باقی زرخیز مقامات طاقتور ترین لوگوں کے زیرِ تسلط آ گئے۔

زرخیز علاقوں سے باہر موجود قبائل آہستہ آہستہ بھوک کی طرف بڑھ رہے تھے، اور عبرانی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

اس طرح پسماندہ اور قلیل وسائل پر گزارہ کرنے والے، عبرانیوں کو اپنے مویشیوں کے لیے بہتر چراگاہ کی تلاش میں مصر کے قریب جانے پر مجبور کیا گیا۔ ایک سادہ خانہ بدوش قبیلے اور ترقی یافتہ مصری تہذیب اور مذہب کے درمیان بعد کے رابطے میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے ابراہیمی مذاہب کی اصل (ان کے ظہور کی ترتیب میں) مل سکتی ہے۔ عبرانیوں کو وسائل تک رسائی کے لیے اپنی سیاسی خود مختاری کا سودا کرنا پڑا۔ اس عمل میں، انہوں نے اپنا خود ارادیت کھو دیا، اور اپنے ہی مذہب اور ثقافت کو طاقتور مصری دیوتاؤں اور نیل کے خطے کی جدید ثقافت سے خطرے میں اور متاثر پایا۔

یہیں سے ہم بائبل میں کہانی اٹھاتے ہیں، عبرانی عقائد کی ساخت کی کثیر پرستی (Polytheism) سے ایک خدا پرستی (Monotheism) میں تبدیلی کا پتہ لگانے کے لیے۔

عبرانی مصر کی سرحدوں پر رہتے تھے۔ اور اس وقت، مصر اپنے بڑھتے ہوئے ریاست کی تعمیر کے لیے غلاموں کو استعمال کر رہا تھا۔ ایک عبرانی خاندان کے بڑے بھائیوں نے بہت بڑا گناہ کیا جب، اپنے والد (یعقوب) کی طرف سے اپنے سب

سے چھوٹے بیٹے (یوسف، جس کے پاس کئی رنگوں کا کوٹ تھا) پر توجہ دینے سے حسد کرتے ہوئے، انہوں نے اسے مصر کو مصالحے اور خوشبو لے جانے والے اونٹوں کے قافلے کو بیچ دیا۔ ایک بار مصر میں، یوسف کو پوٹیفار، فرعون کے محافظ کے کپتان کو بیچ دیا گیا۔ محنتی ہونے کی وجہ سے، اس نے اپنے آقا کا اعتماد حاصل کر لیا، اسے بڑھتی ہوئی ذمہ داری سونپی گئی یہاں تک کہ وہ پوٹیفار کے پورے گھر کا نگراں بن گیا۔ وہ پوٹیفار کی بیوی کی توجہ میں بھی آیا۔ وہ اسے چاہتی تھی، اور ایک معاشقے کی خواہش رکھتی تھی۔

یوسف نے اس کی پیش قدمی کو مسترد کر دیا، اس لیے اس نے اس پر جھوٹا الزام لگایا کہ وہ اس پر زبردستی کر رہا ہے، اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جلد ہی، فرعون کے ساقی اور نانبائی کو بھی جیل میں ڈال دیا گیا، کیونکہ انہوں نے فرعون کو ناراض کیا تھا۔ ان دونوں نے غیر معمولی خواب دیکھے، اور انہوں نے یوسف سے ان کی تعبیر کرنے کو کہا۔ یوسف نے انہیں بتایا کہ نانبائی کو پھانسی دے دی جائے گی اور ساقی دوبارہ ڈیوٹی پر واپس آ جائے گا، جو کہ واقعی ہوا۔ ایک بار ڈیوٹی پر واپس آنے کے بعد، ساقی نے یوسف کو فرعون کے خوابوں میں سے ایک کو سمجھنے میں مدد کرنے کے لیے بلایا۔

یوسف نے فرعون کے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال کی کثرت کے بعد سات سال قحط پڑے گا، اور فرعون کو اضافی اناج ذخیرہ کرنے کا مشورہ دیا۔

یوسف کے مشورے کی دانشمندی کو پہچانتے ہوئے، فرعون نے یوسف کو اضافی اناج کی ذخیرہ اندوزی کی نگرانی کے لیے مقرر کیا۔ جب قحط پڑا، تو مصر کے پاس دستیاب سامان سے زیادہ تھا، اور فرعون نے اضافی اناج دوسروں کو بیچ کر زیادہ دولت جمع کی جسے اس کی ضرورت تھی۔

قحط کے دوران، یوسف کے بھائی اناج خریدنے کے لیے مصر گئے۔ انہیں

معاف کرتے ہوئے، یوسف نے اپنے اثر ورسوخ کا استعمال عبرانی قبیلے کو خوشحال مصر میں آباد کرنے کے لیے کیا۔

بائبل خروج میں بیان کرتی ہے:

- [6]اور یوسف مر گیا، اور اس کے تمام بھائی، اور وہ ساری نسل۔
- [7]اور بنی اسرائیل پھلے پھولے، اور بہت زیادہ بڑھے، اور کثیر ہوئے، اور بہت زیادہ طاقتور ہوئے۔ اور زمین ان سے بھر گئی۔

عبرانی لوگوں کی اتنی بڑی تعداد میں موجودگی، ان کی اپنی سیاسی امنگوں کے ساتھ، مصریوں کے لیے خطرہ بن گئی۔ تاہم، تب تک وہ مصری معیشت میں اس قدر ضم ہو چکے تھے کہ فرعون انہیں جانے نہیں دے سکتا تھا۔ عبرانیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لیے، فرعون نے ایک فرمان جاری کیا کہ عبرانیوں کے تمام نر بچوں کو مار ڈالا جائے۔ اس ظلم کی ہولناکی کا عبرانی قوم پر گہرا اور تباہ کن اثر پڑا، جس نے مصر چھوڑنے اور اس سرزمین کو دوبارہ حاصل کرنے کے خواب کو ہوا دی، ایک ایسی سرزمین جہاں وہ دوبارہ خودمختاری اور سیاسی آزادی حاصل کر سکیں۔

عبرانی گروہ کی شناخت کا ایک مضبوط احساس تھا، لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ ان کے اپنے خدا تھے۔ جو مصری دیوتاؤں سے مختلف تھے۔ ہم صرف اس وقت ان کے تمام خداؤں کی تعداد اور ناموں کے بارے میں قیاس آرائیاں کر سکتے ہیں، کیونکہ ریکارڈ گندا ہے۔ ہم آثار قدیمہ کے شواہد سے جانتے ہیں کہ اس وقت لیونٹ /کنعان مذاہب میں سب سے بڑا خدا ایل تھا، جو انسانیت اور تمام مخلوقات کا باپ تھا۔ ایل کی ابتدا اگرج یا آسمان کے خدا کے طور پر ہوئی ہوگی۔ جب عبرانی قبیلے کو اپنی زمین سے دور جانے پر مجبور کیا گیا، تو وہ اپنی عبادت گاہوں سے بھی دور چلے گئے۔ جہاں پہلے وہ اپنے خداؤں کو مقامات، مقامات یا اشیاء سے جوڑتے تھے، اب ان کے پاس

ان خداؤں کی تصاویر صرف ان کی اجتماعی یادداشت میں تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ، اصل میں دیکھے جانے والے اور محسوس کیے جانے والے خدا اپنے ہی تجریدی ورژن میں تبدیل ہو گئے۔

ہمیں بائبل میں عبرانی قبیلے کے خداؤں کا کچھ حوالہ ملتا ہے۔ جب موسیٰ عبرانیوں کو مصر سے باہر لے گئے اور اپنے خدا کی تعظیم کے لیے پہاڑ پر چڑھ گئے، تو قبیلہ ان کے واپس آنے کا انتظار کرتے ہوئے تھک گیا اور ان کے خداؤں میں سے ایک کے طور پر ایک سنہری بچھڑا ڈال دیا۔ اگر کوئی بائبل کے بیانات کو سچ مانتا ہے، تو اس مرحلے پر عبرانی لوگ اب بھی فطرت میں کثیر پرست تھے، اور آسانی سے اس رجحان کی طرف لوٹ آئے۔ عبرانی لوگ ایک ایسے رہنما کی آرزو رکھتے تھے جو انہیں مصر سے باہر لے جائے۔ جلد ہی موسیٰ اس کام کو پورا کریں گے جیسا کہ بائبل میں بتایا گیا ہے۔

جبکہ قدیم مصر میں عبرانیوں کی موجودگی یہودی اور عیسائی عقیدے کا ایک مضمون ہے، آج تک مصر میں کوئی آثار قدیمہ کا ثبوت نہیں ملا ہے جو کسی بھی وقت عبرانیوں کی موجودگی کی نشاندہی کرتا ہو۔ نہ ہی اس دور کے کسی بھی مصری ریکارڈ میں عبرانیوں کا کوئی حوالہ ہے۔ قریب ترین اصطلاح "حبیری" ہے، جو کچھ مصری تحریروں میں استعمال ہوتی ہے، جو نیم خانہ بدوش باغیوں یا ڈاکوؤں کا حوالہ دیتی ہے جو مصر میں آباد ہوئے تھے۔ عبرانی لفظ "ایبر" سے بھی ماخوذ ہو سکتا ہے، جس کا مطلب ہے "دوسری طرف" یا "اس سے آگے"، کیونکہ ان کی شناخت "دریا کے دوسری طرف کے لوگ" کے طور پر کی جاتی تھی۔

ہمارے ذہن میں یہ تصور باقی ہے کہ مصر میں عبرانیوں کی بائبل کی کہانی یا تو ایک افسانہ ہے، یا عبرانی قبیلہ مصریوں کے لیے اتنا غیر اہم تھا کہ اسے ریکارڈ کرنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

ایک نئے خدا کی پیدائش (یہودیت):

موسیٰ خود ایک ایسی شخصیت ہیں جو افسانوں اور قدامت میں اس قدر لپٹی ہوئی ہیں کہ سچائی کو افسانے سے الگ کرنا مشکل ہے۔ کہانی کے مطابق، وہ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب شاہی فرمان کے تحت تمام عبرانی نر بچوں کو قتل کرنے کا حکم تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اگر مصری سپاہیوں نے اسے پالیا تو بچے کو مار دیا جائے گا، اس کی ماں نے اس کے لیے سرکنڈوں کی ایک ٹوکری بنائی، اور اسے دریا پر رکھ دیا۔ خروج سے:

- [3] اور جب وہ اسے مزید نہیں چھپا سکتی تھی، تو اس نے اس کے لیے سرکنڈوں کا ایک صندوق لیا، اور اسے کیچڑ اور پچ سے لیپ دیا۔ اور اس نے بچے کو اس میں ڈال دیا، اور اسے دریا کے کنارے جھنڈیوں میں رکھ دیا۔
- [5] اور فرعون کی بیٹی دریا پر نہانے کے لیے نیچے آئی۔ اور اس کی خادمائیں دریا کے کنارے چل رہی تھیں۔ اور اس نے جھنڈیوں کے درمیان صندوق دیکھا، اور اپنی خادمہ کو اسے لانے کے لیے بھیجا۔
- [6] اور اس نے اسے کھولا، اور بچے کو دیکھا: اور دیکھو، بچہ رو رہا تھا۔ اور اسے اس پر ترس آیا، اور اس نے کہا، یہ عبرانیوں کے بچوں میں سے ایک ہے۔
- [7] تب اس کی بہن نے فرعون کی بیٹی سے کہا، کیا میں جاؤں اور عبرانی عورتوں میں سے تمہارے لیے ایک دائی بلاؤں، کہ وہ تمہارے لیے بچے کو دودھ پلائے؟

یہ موسیٰ کی کہانی کا آغاز ہے، جو بعد میں تینوں ابراہیمی مذاہب کی گہرائی سے وضاحت کریں گے: ایک غلام بچہ جس کی پرورش فرعون کے گھر میں بہترین تعلیم اور

عیش و عشرت کے ساتھ ہوئی جو مصری محل پیش کر سکتا تھا۔ ایک بچہ جسے اپنے ظالموں کا سارا علم دیا گیا تھا، لیکن ایک بچہ جو اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ وہ مظلوموں میں سے ایک ہے، اور نتیجتاً ایک بے گھر ہے۔

موسیٰ کی اصل کی کہانی کتنی سچ ہے، کتنا افسانہ؟ ایک بچے کی کہانی جسے خطرہ ہے اور پھر اسے جانوروں یا غریب لوگوں نے اس کے حقیقی والدین سے بہت دور پالا ہے، وہ داستانوں میں بہت عام ہے۔ یہ یقینی طور پر ایک منفرد موڑ ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ موسیٰ کے متبنی والدین زمین کے امیر ترین اور سب سے زیادہ طاقتور تھے۔ ان میں سے زیادہ تر داستانوں میں، بچہ ایک بالغ کے طور پر اپنی میراث دریافت کرتا ہے، اور پھر عظمت حاصل کرنے یا رہنما بننے کے لیے بدلہ لیتا ہے۔ موسیٰ کی کہانی بابل کے بانی سرگون آف اکاڈ کے افسانے سے بہت ملتی جلتی ہے، جسے بھی ایک ٹوکری میں ڈال کر دریا پر رکھ دیا گیا تھا اور پھر پانی نکالنے والے اکّی نے اسے ڈھونڈ لیا تھا۔ سرگون پہلے مالی تھا، بعد میں بادشاہ بنا جس نے 45 سال تک حکومت کی۔

اپنے ابتدائی سالوں میں، بہت سے بچے اس افسانے کو بھی پسند کرتے ہیں کہ ایک دن، انہیں پتہ چلے گا کہ وہ ایک عظیم خاندان سے آئے ہیں، اور پھر ان لوگوں سے بدلہ لینے کے لیے اٹھیں گے جنہوں نے ان کے ساتھ غلط کیا اور یا طاقتور حکمران بنیں گے۔ یہ بھی اچھی طرح سے سمجھا جاتا ہے کہ ہمارے زیادہ تر ماضی کے ہیرو اور رہنماؤں کی پیدائش اور پرورش کے گرد افسانوں کی کثرت ہے۔ مختلف ثقافتوں کی ادبی تاریخ کو دیکھتے ہوئے، اوٹو رینک (1909ء) نے یہ نتیجہ اخذ کیا:

> تقریباً تمام اہم مہذب لوگوں نے اپنے ہیروز، افسانوی بادشاہوں اور شہزادوں، مذاہب کے بانیوں، خاندانوں، سلطنتوں اور شہروں کے بارے میں افسانے بنائے ہیں اور انہیں شاعری

میں شاندار بنایا ہے۔ مختصراً، ان کے قومی ہیرو۔ خاص طور پر ان
کی پیدائش اور ان کے ابتدائی سالوں کی تاریخ تصوراتی
خصوصیات سے آراستہ ہے۔ ان کہانیوں کی حیرت انگیز
مماثلت، بلکہ، لفظی شناخت، یہاں تک کہ اگر وہ مختلف مکمل طور
پر آزاد لوگوں کا حوالہ دیتے ہیں، بعض اوقات جغرافیائی طور پر
ایک دوسرے سے بہت دور، اچھی طرح سے جانا جاتا ہے۔

فرعون کے محل میں پرورش پانے کی وجہ سے، موسیٰ کو مصری تعلیم کا فائدہ حاصل ہوا۔ لیکن وہ اب بھی ایک عبرانی لڑکا تھا، ایک ایسا لڑکا جو جانتا تھا کہ وہ غلام نسل سے ہے، ایک مظلوم نسل سے ہے۔ موسیٰ کی ایک عبرانی آیا بھی تھی جس نے آزادی کے یہودی خواب کو پروان چڑھایا ہو گا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہمارے بہت سے آزادی پسند ایسے پس منظر سے آئے تھے جس میں انہیں ظالم نے تعلیم دی تھی۔ لہٰذا موسیٰ میں ان کے لوگوں کی امنگوں اور خوابوں کے بیج پہلے ہی بوئے جا چکے تھے۔

فرعونوں کے زمانے میں عبرانی لوگوں کا مذہب کیا تھا، اور مصریوں کا مذہب کیا تھا؟ کیا ہم ان دونوں مذاہب میں آج کے خداؤں کا کوئی سراغ پا سکتے ہیں؟ جدید خداؤں پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے، ہمیں ان دونوں مذاہب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مصری مذہب:

قدیم مصریوں کا مذہب ان کی فن پاروں اور اشیاء میں کافی حد تک واضح ہے۔ یہ ایک ایسا مذہب تھا جو 2,000 سے زیادہ خداؤں اور دیویوں پر مبنی تھا، وہ دیوتا جو ان کے پچھلے مذہبی پس منظر جیسے کہ روح پرستی، افسانوں اور توہم پرستی سے تیار ہوئے

تھے۔ مصر مذہب سے گھرا ہوا تھا، جو روزمرہ کی زندگی کے زیادہ تر، اگر تمام نہیں، پہلوؤں کی رہنمائی کرتا تھا۔ کچھ خداؤں کی پوجا پورے ملک میں کی جاتی تھی، کچھ کی صرف مقامی طور پر۔

تاہم، دو اہم خدا آمون، را اور اوسیر یس تھے۔ آمون، را سورج دیوتا اور کائنات کا رب تھا۔ اوسیر یس زیرِ زمین دنیا کا دیوتا تھا، جس نے ایک پرامن آخرت کو ممکن بنایا۔ مصری موت کے بعد کی زندگی کے خیال سے متاثر تھے، اور اس تصور نے ان کے مذہب پر غلبہ حاصل کیا۔ خداؤں کے لیے متعدد مندر بنائے گئے تھے، اور انہیں ان کی اصل رہائش گاہیں سمجھا جاتا تھا۔ ہر شہر میں اس کے شہر کے خدا کے لیے ایک مندر بنایا گیا تھا جو خدا سے رابطہ کرنے کی جگہ کا کام کرتا تھا۔ مندروں میں پادری تھے جو مندر کی دیکھ بھال کرتے تھے، اور خدا کے "قریب" ہونے کی وجہ سے، یہ پادری بھی بہت طاقتور ہو گئے۔

مصری مذہب جدید آنکھوں کو عجیب اور پراسرار لگ سکتا ہے، لیکن آخرت، ایک طاقتور خدا، اور عبادت کرنے کے لیے ایک مندر یا جگہ پر یقین آج ہمارے اپنے مذہبی طریقوں سے بہت کم مختلف ہے۔

عبرانی قوم کے خدا:

عبرانیوں کا اصل مذہب مصر اور میسوپوٹیمیا کے درمیان جنگل میں موجود دیگر خانہ بدوش قبائل سے ملتا جلتا تھا، جس میں روح پرستی اور قدرتی مظاہر کی خداؤں کے طور پر پوجا کی جاتی تھی۔ مصری دیوتا مصریوں، ان کے شاہی خاندان اور ان کی فوجی طاقت کی فلاح و بہبود کی دیکھ بھال میں مصروف تھے، اس لیے عبرانی قوم کو اپنی دیکھ بھال کے لیے اپنے خداؤں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا، مصریوں اور عبرانیوں کے

درمیان تصادم ان کے خداؤں کے درمیان بھی ایک تصادم تھا۔ عبرانی خداؤں کو عبرانی قوم کو اپنا ملک اور خود مختاری تلاش کرنے میں مدد کرنی تھی۔

موسیٰ کی پرورش فرعون کے محل میں مصری فلسفے، عقائد اور رسومات کی تعلیم کے ساتھ ہوئی، جبکہ ان کی عبرانی آیا نے انہیں عبرانی خداؤں اور عقائد کے بارے میں تعلیم دی۔ موسیٰ دو دنیاوں میں رہتے تھے: پیچیدہ مصری دنیا، اور قدیم عبرانی دنیا۔ ان دنیاوں کو سمجھنے کے لیے، موسیٰ کو دو عقائد کے نظاموں کو ہم آہنگ کرنا پڑا۔

موسیٰ نے عبرانی خداؤں کو مزید آگے بڑھانے اور ان کی وضاحت کے لیے مصری دیوتاؤں اور عقائد کے بارے میں اپنے علم کا استعمال کیا۔ یہاں تک کہ اس بات کے بھی مضبوط اشارے ہیں کہ موسیٰ کسی وقت ایک مصری پادری یا قربان گاہ کا لڑکا رہا ہو گا، کیونکہ اس کی بعد کی مذہبی رسومات مصری مذہبی طریقوں سے بہت ملتی جلتی تھیں۔

موسیٰ اور ایک خدا:

سب سے بڑی تبدیلی جو موسیٰ اپنی دنیا میں لانے والے تھے وہ توحید تھی، ایک خدا پر ایمان۔ یہ دنیا کے اس خطے کے لیے ایک گہری تبدیلی تھی۔ اس سے پہلے، بہت سے خداؤں کو کم و بیش پر امن طور پر ایک ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی تھی، لیکن موسیٰ کو یہ تبلیغ کرنی تھی کہ پیروی کرنے کے لیے ایک اور صرف ایک خدا ہے، ایک حسد کرنے والا خدا، صرف عبرانیوں کے لیے ایک خدا۔ ایک ایسا خدا جو عبرانی قوم کو دوسروں پر فتح پانے میں مدد کرے گا۔ لیکن یہ اچانک خدا کہاں سے آیا؟ کئی امکانات ہیں:

1. موسیٰ کے منظرِ عام پر آنے تک عبرانی مذہب صرف ایک خدا کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔
2. ابراہیم (عبرانی قوم کے قدیم آباؤ اجداد میں سے ایک) سے شروع ہونے والے عبرانی مذہب میں ایک فرقہ تیار ہوا جو ایک خدا پر یقین رکھتا تھا۔
3. موسیٰ خود اس نتیجے پر پہنچے کہ صرف ایک خدا ہے، اور باقی سب جھوٹے ہیں۔
4. موسیٰ کی تعلیم اس مختصر عرصے میں ہوئی جب فرعون اخناتون نے ایک خدا کے تصور کو متعارف کرایا، جس نے موسیٰ کے عقائد کے نظام کو متاثر کیا۔
5. ایک خدا کا خیال بعد میں تیار کیا گیا تھا، اور ایک خدا کی وکالت کرنے والے عبرانی پادری یا پادریوں کے گروہ کے ذریعہ اسے تاریخ پر پیچھے کی طرف لاگو کیا گیا تھا۔

ایک واحد، قادرِ مطلق خدا کا تصور مصری فرعون اخناتون نے بھی اپنی حکومت کے دوران متعارف کرایا تھا، جب اس نے دیوتا آٹن کو ریاستی دیوتا قرار دیا تھا۔ دوسرے خداؤں کو ختم کر دیا گیا، ان کی تصاویر توڑ دی گئیں، ان کے نام یادگاروں اور تحریری ریکارڈوں سے ہٹا دیے گئے، ان کے مندر ویران کر دیے گئے، اور ان کی آمدنی ضبط کر لی گئی۔ "خدا" کے لیے جمع کو دبا دیا گیا۔ صرف ایک خدا ہونا تھا، اور کسی کو ایک سے زیادہ ہونے کے امکان پر بھی غور نہیں کرنا تھا۔ کیا موسیٰ دراصل مصر میں اس بنیاد پرست مذہبی تبدیلی کے دوران پلے بڑھے تھے، یا کم از کم ایک ایسے مصری گھرانے میں پلے بڑھے تھے جو اب بھی اس عقیدے پر قائم تھا؟ اخناتون کی موت کے بعد، زیادہ تر مصری اپنے پرانے طریقوں اور پچھلے عقائد کی طرف لوٹ گئے۔ درحقیقت، یہ دیوتا آٹن تھا جسے اس بار ختم کر دیا گیا، اس کی تصاویر تباہ کر دی گئیں اور

اس کے نوشتہ جات ہٹا دیے گئے۔ کثیر پرستی سے توحید میں تبدیلی مصری تہذیب کے لیے قبول کرنے کے لیے بہت بنیاد پرست ثابت ہوئی۔

ایک چیز جو مصری مذاہب کے لیے مخصوص تھی وہ یہ تھی کہ فرعون خود کو خدا کا براہ راست نمائندہ سمجھتا تھا، اور اس وجہ سے عام آدمی اور اس خدا کے درمیان ثالث۔ لہٰذا فرعون کی حکومت الٰہی حکم سے تھی۔ اور اس لیے فرعون کی مخالفت کو خداؤں کی نافرمانی کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ فرعون کی الٰہی حکمرانی مزید آگے بڑھی۔ فرعون کو اب اپنے باپ اور ماں کا بیٹا نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ اپنی ماں اور خدا کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔

قومی رہنما کے طور پر ایک خدا ہونے سے مافوق الفطرت، الٰہی دنیا سے انسانی دنیا میں منتقلی کی اجازت ملتی ہے۔ ایک ہزار سال بعد، یسوع مسیح اسی طرح کی تبدیلی سے گزرے: وہ اب مریم اور یوسف کا بیٹا نہیں رہا، بلکہ مریم اور عبرانی خدا کا بیٹا ہے۔ خدا نے مریم کو اس آدھے انسان / آدھے خدا (دیوتا) کو زمین پر لانے کے لیے زرخیز کیا تھا، جیسا کہ یونانی دیوتا اکثر خود عورتوں کے ساتھ کرتے تھے، جس سے بہت سے کلاسیکی ہیرو جیسے ہرکولیس اور پرسیوس (Perseus) پیدا ہوئے۔

موسیٰ، اپنی اعلیٰ تعلیم اور علم کے ساتھ، عبرانیوں کے لیے ایک انقلابی بن گئے، ایک ایسے رہنما جن کا وژن اپنے لوگوں کو آزاد کرنا تھا۔ لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ موسیٰ صرف ایک خدا کے تصور کو قبول کرنے آئے تھے، اور وہ بھی ایک تجریدی خدا۔ ایک دن ایک مصری نگران کے ذریعہ ایک عبرانی آدمی کو پیٹتے ہوئے دیکھ کر، اس نے غصے میں نگران کو مار ڈالا۔ اپنی جان کے خوف سے وہ سلطنت سے بھاگ گیا۔ موسیٰ اب مشکل زندگی، جدید مصری ثقافت سے الگ تھلگ، جلاوطنی میں تھے۔ وہ اب بھی اپنے لوگوں کو غلامی اور مصائب سے آزاد کرانے کا خواب دیکھتے

تھے۔ علیحدگی کے اس وقت کے دوران، موسیٰ نے اپنے خدا کے تصور کو مزید تقویت دی اور اسے آگے بڑھایا ہو گا: صرف عبرانیوں کے لیے ایک خدا، انہیں ہمیشہ کے لیے آزاد کرنے والا خدا۔

ایک بار جب فرعون کا انتقال ہو گیا، تو موسیٰ کے لیے مصر واپس آنا محفوظ ہو گیا۔ اور اس دوران، واقعات کی ایک سیریز (تقریباً یقینی طور پر افسانے)، عبرانی تاریخ کے ساتھ جڑ گئی۔ بائبل ہمیں بتاتی ہے کہ خدا نے موسیٰ کو ایک جلتی ہوئی جھاڑی سے حکم دیا کہ وہ عبرانی قوم کو آزاد کرنے کے لیے مصر واپس جائیں۔ ایک بار مصر میں، موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون نے نئے فرعون سے رابطہ کیا، اور اس سے کہا کہ وہ عبرانی قوم کو مصر چھوڑنے کی اجازت دے۔ فرعون نے انکار کر دیا، اور عبرانی خدا نے پھر بدلہ لینے کے لیے مینڈکوں، جوؤں، مکھیوں، مویشیوں کی موت، پھوڑوں، اولوں، ٹڈیوں اور اندھیرے سے لے کر فرعون کو دوسری صورت میں قائل کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک آفتیں بھیجیں۔ پھر بھی، فرعون نے انکار کر دیا۔

لیکن اب بھی ایک اور دہشت باقی تھی: موسیٰ کا خدا مصریوں کے تمام پہلوٹھے بچوں کو مار ڈالے گا، بشمول تمام مویشیوں کے پہلوٹھے۔ (کوئی خدا معصوم بچوں کو کیوں مارنا چاہے گا یہ میری سمجھ سے باہر ہے)۔ موسیٰ کے خدا کی طاقت کے پہلے افسانے بن رہے تھے۔ خروج 11 سے:

- ❖ [4] اور موسیٰ نے کہا، یوں فرمایا ہے خداوند نے، آدھی رات کے قریب میں مصر کے بیچ میں نکلوں گا:
- ❖ [5] اور مصر کی سرزمین میں تمام پہلوٹھے مریں گے، تخت پر بیٹھنے والے فرعون کے پہلوٹھے سے لے کر چکی کے پیچھے موجود خادمہ کے پہلوٹھے تک، اور مویشیوں کے تمام پہلوٹھے۔

- [6]اور پورے مصر میں ایسازبردست شور ہو گا جیسا کہ نہ کبھی ہوا ہے اور نہ پھر کبھی ہو گا۔
- [29]اور آدھی رات کو ایسا ہوا کہ خداوند نے مصر کی سرزمین میں تمام پہلوٹھے مار ڈالے، تخت پر بیٹھنے والے فرعون کے پہلوٹھے سے لے کر قید خانے میں قیدی کے پہلوٹھے تک، اور مویشیوں کے تمام پہلوٹھے۔
- [30]اور فرعون رات کو اٹھا، وہ اور اس کے تمام خادم، اور تمام مصری۔ اور مصر میں زبردست شور و غل تھا، کیونکہ ایسا کوئی گھر نہیں تھا جہاں کوئی مردہ نہ ہو۔

بائبل کے اس دعوے کے باوجود، آج تک مصری تحریروں میں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا ہے جو مذکورہ بالا واقعات کا حوالہ دیتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ عبرانیوں کا ایک گروہ ہو جو اس وقت مصر چھوڑ کر چلا گیا ہو، لیکن اگر ایسا ہے تو، یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس پر مصریوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ موسیٰ اور ان کے لوگوں کے ذریعہ بحیرہ احمر کے راستے طاعون اور بعد میں فرار کو صرف افسانے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

کسی بھی صورت میں: جیسا کہ کہانی ہے، بدلہ لینے والے خدا کے ذریعہ تمام پہلوٹھے بچوں کو مارنے کے ظلم کے بعد، فرعون نے عبرانیوں کو جانے کی اجازت دینے پر اتفاق کیا۔ اگلے چند سال موسیٰ اور بعد میں یہودی مذہب کی وضاحت کرنے والے تھے۔ موسیٰ کی قیادت میں چھوٹا سا مذہبی فرقہ وعدہ کی گئی سرزمین کی تلاش میں مصر کے ارد گرد بنجر زمین میں داخل ہوا۔ خدا اور بہتر زندگی کے وعدے کا استعمال کرتے ہوئے، موسیٰ بالآخر اپنے خانہ بدوش قبیلے پر مضبوط گرفت برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

موسیٰ نے ایک نیا مذہب نافذ کرنے کے بارے میں سوچا: ایک ایسا مذہب

جو انہوں نے پہلے ہی وضع کر لیا تھا، لیکن ان کے لوگوں کے لیے ایک نیا مذہب۔ ویران زمین جس میں یہودی داخل ہوئے تھے، وہ دشمن تھی اور اس میں زندہ رہنا مشکل تھا، اس لیے انہیں اپنے پیروکاروں کو مطمئن رکھنا پڑا اور کسی بھی اختلاف کو دبانا پڑا۔ موسیٰ نے اپنے لوگوں سے وعدہ کیا کہ خدا ان کی دیکھ بھال کرے گا، اور ان کے لوگوں کی توقعات زیادہ تھیں۔ کوہِ سینا کے دامن میں پہنچ کر، موسیٰ نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ پہاڑ کو نہ چھوئیں، خود کو دھوئیں، اور تین دن تک جنسی تعلقات سے پرہیز کریں۔ اس پہاڑ پر، موسیٰ کو اپنے مذہب کی بنیاد رکھنی تھی۔ تیسرے دن کی صبح سویرے، عبرانی کیمپ ایک بادل سے ڈھکا ہوا تھا، اور خدا نے گرج اور بجلی کے ذریعے، اور اپنے ہی بادل میں اتر کر خود کو ظاہر کیا۔ اس نے انہیں دس احکامات بتائے، جن میں ہدایات شامل تھیں کہ ان کے سامنے کوئی خدا نہیں ہو گا، کوئی بت یا "تراشی ہوئی مورتیں" کی اجازت نہیں ہے، کہ انہیں سبت کی پیروی کرنی چاہیے اور اسے مقدس رکھنا چاہیے، اور بہت کچھ۔

اس نے انہیں اپنے لیے قربانیوں کے لیے ایک قربان گاہ بنانے کی بھی ہدایت کی، اور بہت سی دوسری ہدایات دیں، جن میں کسی بھی جادوگرنی یا حیوانیت کرتے ہوئے پکڑے گئے شخص کو مارنے سے لے کر اس کے علاوہ کسی اور خدا کو قربانی دینے والے کو مارنے تک شامل ہیں۔ خدا کے ذریعے، موسیٰ نے ببول کی لکڑی کا ایک صندوق بنانے کا حکم دیا، جس میں اسے رکھنے کے لیے ایک خیمہ گاہ بھی شامل ہے، جس میں ایک صحن بھی شامل ہے۔ خیمہ گاہ عبادت کی جگہ تھی جس میں موسیٰ کے ذریعہ اس کی دیکھ بھال کے لیے پادری مقرر کیے گئے تھے۔

موسیٰ نے اب اپنے عقائد کے سنگ بنیاد رکھ دیے تھے۔ انہوں نے وضاحت کی:

1. زندگی گزارنے کے لیے قوانین کا ایک مجموعہ۔
2. عبادت کی جگہ۔
3. ایک خدا کی موجودگی بطور حتمی اختیار۔

موسیٰ پھر 40 دن کے لیے کوہِ سینا پر چڑھ گئے۔ ایک ایسا عرصہ جس کے دوران ان کے مذہب کو فوری طور پر چیلنج کیا گیا، جس سے پرانے مذہب کی مضبوطی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں عبرانی قبیلے نے ہارون (ان کے بھائی) کو سونے کے حلقے جمع کر کے، انہیں پگھلا کر اور انہیں دوبارہ بت میں ڈھال کر ایک سنہری بچھڑا بنانے پر قائل کیا۔ یہ موسیٰ کی مذہبی تبدیلی کے لیے ایک براہ راست چیلنج تھا۔

واپسی پر، موسیٰ اپنے نئے مذہب کو ایک طرف ڈالے جانے پر غصے میں تھے، ان کے تمام عقائد کو خطرہ تھا۔ یہ انسانیت کی مذہبی تاریخ میں ایک اہم موڑ بننا تھا، کیونکہ موسیٰ کو بالآخر بہت سے خداؤں کے دور کا خاتمہ کرنا تھا اور ایک واحد اور قادرِ مطلق خدا کے تصور کو متعارف کرایا جانا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں بہت سی دیگر اچانک تبدیلیوں کی طرح، اختلاف کرنے والوں کو خاموش کرنے کے لیے قتل اور خون کی ضرورت ہوگی۔

موسیٰ نے ان تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جو اب بھی ان کی تعلیمات پر یقین رکھتے تھے، اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان تمام لوگوں کو مار ڈالیں جنہوں نے اس کے مذہب کی خلاف ورزی کی ہے یا ہو سکتا ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ بھائی، دوست یا پڑوسی ہوں۔ وہ اور اس کے پیروکار کیمپ سے منظم طریقے سے گزرے، تمام اختلاف کرنے والوں کو تلوار سے قتل کرتے ہوئے، ایک خونی مذہبی صفائی میں، جو خروج 32 میں واضح طور پر درج ہے:

❖ [26] تب موسیٰ کیمپ کے دروازے پر کھڑا ہوا، اور کہا، جو خداوند کی

طرف ہے، وہ میرے پاس آئے۔ اور لاوی کے تمام بیٹے اس کے پاس جمع ہوئے۔

❖ [27] اور اس نے ان سے کہا، یوں فرمایا ہے خداوند، اسرائیل کے خدا نے، ہر شخص اپنی تلوار اپنی ران پر رکھے، اور پورے کیمپ میں دروازے سے دروازے تک آگے پیچھے جائے، اور ہر شخص اپنے بھائی کو، اور ہر شخص اپنے ساتھی کو، اور ہر شخص اپنے پڑوسی کو قتل کرے۔

❖ [28] اور لاوی کے بیٹوں نے موسیٰ کی بات کے مطابق کیا: اور اس دن تقریباً تین ہزار آدمی لوگوں میں سے گرے۔

کسی کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ صرف عبرانی خدا کے ظہور سے ہی عبرانی قوم اس کی پیروی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ لیکن موسیٰ انتہائی متعصب تھے اور کسی بھی قسم کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کا خدا، جس کا انہیں ادراک تھا، ہر قیمت پر حکومت کرے گا۔ دیگر معبودوں پر ایمان رکھنے والے، یہاں تک کہ پرانے عبرانی خداؤں کے ماننے والے بھی، قتل کر دیے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کا خدا:

یہودی مذہب کی نشوونما کے چار موضوعات یہاں گہری نظر کے مستحق ہیں:

1. موسیٰ علیہ السلام بطور رہنما۔
2. خدا کا ظہور۔
3. خدا کے لیے قربانی۔
4. عہد کے صندوق کی تعمیر۔

آیئے موسیٰ علیہ السلام سے شروع کرتے ہیں، اور دیکھتے ہیں کہ وہ اتنے موثر

رہنما کیسے بنے کہ انہوں نے ہمارے مذاہب میں ایک تاریخی مقام حاصل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قیادت اور جدید فرقوں کی قیادت میں قابل ذکر مماثلت پائی جاتی ہے۔ جدید دور میں دیکھے جانے والے انتہائی فرقوں میں سے ایک مذہبی گروہ تھا جو خود کو برانچ ڈیوڈین کہتا تھا۔ اس گروہ کی قیادت ڈیوڈ کورش نامی شخص کر رہا تھا، جو خود کو آخری نبی مانتا تھا۔ کورش نے دعویٰ کیا کہ وہ خدا کا بیٹا ہے، اور دنیا میں انصاف اور خدا کی بادشاہت لانے کے لیے خدا کا آلہ ہے۔ نسبتاً چند سالوں کے اندر، اس نے متعصب عقیدت مندوں اور پیروکاروں کی ایک کمیونٹی بنائی۔ بائبل کا سخت ورژن اور عیسائیت کی اپنی تشریح کی تعلیم دیتے ہوئے، اس کی عبادت اور اس کے ریوڑ کی طرف سے تعریف کی جاتی تھی۔ اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ جب قانون نافذ کرنے والے افسران اور قانونی اداروں نے ان کا سامنا کیا تو انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے موت کو ترجیح دی۔

بہت سے فرقوں کا، خاص طور پر ان شدت پسند گروہوں کا جن کا انجام اجتماعی خودکشی پر منتج ہوا، مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل مشترکہ خصوصیات سامنے آئی ہیں:

- **مطلق العنان قیادت:** فرقے کا پیشوا مطلق العنان حکمران ہوتا ہے اور تمام فیصلے خود کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو واحد صحیح فیصلہ ساز تصور کرتا ہے۔
- **بلاچوں وچرا غلامی:** پیروکاروں سے انتہائی وفاداری اور بلاشبہ اطاعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ پیشوا پر کسی قسم کی تنقید برداشت نہیں کی جاتی۔
- **مشکوک اسناد:** زیادہ تر ایسے رہنما خود ساختہ ماہرین ہوتے ہیں، اکثر خود پڑھے لکھے، اگر بالکل تعلیم یافتہ ہوں بھی تو۔
- **الہامی رابطے کا دعویٰ:** چونکہ پیشوا خود کو خدا کا ترجمان قرار دیتا ہے، لہٰذا اس

سے سوال یا بحث نہیں کی جاسکتی۔

- **عظمت کے دعوے:** فرقے کے افراد خود کو "منتخب قوم" سمجھتے ہیں، اور دنیا کو تبدیل کرنے یا اس کے وارث بننے کا خواب دیکھتے ہیں۔ وہ خود کو دنیا کا نجات دہندہ گردانتے ہیں۔
- **شیطانی وسوسوں کا الزام:** پیشوا اپنے مخالفین کو شیطان یا شیطان کا آلہ کار قرار دیتا ہے اور انہیں اچھائی اور حق کے لیے خطرہ تصور کرتا ہے۔
- **فرقوں کا مشترکہ دعویٰ:** بہت سے فرقے اس دعوے کے علمبردار ہیں کہ عنقریب ایک عظیم الشان مذہبی واقعہ رونما ہونے والا ہے، اور یہ کہ اس کے پیروکاروں کو صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھنا چاہیے اور اپنے عقیدے پر کامل یقین رکھنا چاہیے۔ ان کے مطابق، تمام تر مصائب و آلام آخر کار باعثِ نیک بختی ہوں گے۔
- **جنسی زیادتی اور/یا بچوں کی عصمت دری:** بہت سے فرقے کے رہنما اپنے بہت سے پیروکاروں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھتے تھے، نوجوان لڑکیوں سمیت، اسے لیڈر کا حق اور لڑکی کا استحقاق سمجھا جاتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ فرقہ وارانہ رہنما ایک مخصوص ہنر استعمال کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں پر غیر معمولی اثر و رسوخ قائم کرتے ہیں۔ یہ رہنما ایک ایسا ماحول تخلیق کرتے ہیں جہاں ان کی ذات ہی حتمی اتھارٹی ہوتی ہے، اور باقی دنیا محض نااہل اور کمتر خیال کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات دوسروں کو انسانیت سے بھی خارج کر دیا جاتا ہے۔

اگر ہم بائبل کے صحیفوں کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کردار کا جائزہ لیں تو کچھ ایسی ہی خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ بنی اسرائیل، جو اس وقت مظلوم

اور سیاسی طور پر بے شناخت تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت کے لیے ایک زرخیز زمین ثابت ہوئے۔ انہیں ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو انہیں آزادی دلائے اور بہتر مستقبل کی امید دکھائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں "دودھ اور شہد کی سرزمین" کا وعدہ کیا، خود مختاری کا خواب دکھایا، اور ایک ایسے خدا کا تصور پیش کیا جو تمام معبودوں سے برتر تھا۔ بنی اسرائیل نے انہیں اپنا نجات دہندہ مان لیا اور اندھا دھند ان کی پیروی کرنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کردار کا فرقہ وارانہ رہنماؤں کی خصوصیات سے موازنہ کریں تو آپ کو حیرت انگیز مماثلت نظر آئے گی:

1. **مطلق العنان اتھارٹی**: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے تمام فیصلے خود کرتے تھے۔
2. **خدا سے براہ راست رابطہ**: وہ خدا سے براہ راست رابطے کا دعویٰ کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان کی مرضی اور فیصلے سب پر مسلط ہو جاتے تھے۔ وہ کبھی کبھار کوہ طور پر جاتے اور بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک کے درمیان خدا کا نیا پیغام لے کر لوٹتے۔
3. **دنیا پر حکومت کا وعدہ**: انہوں نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ وہ دنیا پر حکومت کریں گے اور تمام قومیں ان کے زیر نگیں ہوں گی۔
4. **دوسرے مذاہب کی مذمت**: انہوں نے دوسرے معبودوں اور شیطان کے شر سے لوگوں کو ڈرایا تاکہ وہ ان کی تعلیمات سے منحرف نہ ہوں۔
5. **بہتر مستقبل کا لالچ**: انہوں نے بنی اسرائیل کو "وعدہ کی سرزمین" میں آباد کرنے کا لالچ دے کر انہیں تمام مشکلات برداشت کرنے پر آمادہ کیا اور انہیں یقین دلایا کہ یہ مشکلات عارضی ہیں اور جلد ہی انہیں خوشحالی نصیب

ہو گی۔

یہ مماثلتیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ کس طرح مذہبی شخصیات، چاہے وہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں، فرقہ وارانہ رہنماؤں جیسی خصوصیات کا مظاہرہ کر سکتی ہیں۔ موسیٰ نے اپنے خدا کے نام پر بار بار جنگیں لڑیں۔ بائبل میں ایسی بہت سی جنگیں درج ہیں۔ نمبرز سے:

- [32] اور جب بنی اسرائیل بیابان میں تھے تو انہوں نے ایک آدمی کو سبت کے دن لکڑیاں جمع کرتے ہوئے پایا۔
- [33] اور جن لوگوں نے اسے لکڑیاں جمع کرتے ہوئے پایا وہ اسے موسیٰ اور ہارون اور تمام جماعت کے پاس لائے۔
- [34] اور انہوں نے اسے حراست میں لے لیا کیونکہ یہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔
- [35] اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اس آدمی کو ضرور مار ڈالا جائے: ساری جماعت اسے پتھروں سے پتھر مار کر خیمہ گاہ سے باہر نکال دے گی۔
- [36] اور تمام جماعت اسے خیمہ گاہ سے باہر لے گئی اور اسے پتھروں سے سنگسار کر کے مار ڈالا جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا۔

موسیٰ کا جنون بے انتہا تھا۔ ایک بار، کسی اور ملک سے جنگ کرنے کے بعد، اس کے پیروکاروں نے تمام مردوں کو مار ڈالا، اور سپاہی عورتوں اور بچوں کو واپس لے آئے۔ موسیٰ اس بات پر غضبناک ہوا کہ عورتوں اور بچوں کو بخش دیا گیا۔ پھر، نمبرز سے:

- [14] اور موسیٰ لشکر کے افسروں، ہزاروں کے سرداروں اور سینکڑوں کے سرداروں پر غضبناک ہوا جو جنگ کی خدمت سے آئے تھے۔

- [15]اور موسیٰ نے ان سے کہا، کیا تم نے سب عورتوں کو زندہ بچالیا ہے؟
- [16]دیکھو، انہوں نے بلعام کے مشورے سے بنی اسرائیل کو بعور کے معاملے میں خداوند کے خلاف گناہ کرنے پر مجبور کیا، اور اس طرح خداوند کی جماعت میں وبا پھیل گئی۔
- [17]اب اس لیے چھوٹوں میں سے ہر مرد کو مار ڈالو، اور ہر اس عورت کو مار ڈالو جس نے کسی مرد کے ساتھ لیٹ کر اسے جان لیا ہو۔
- [18]لیکن وہ تمام لڑکیاں جنہوں نے کسی مرد کے ساتھ لیٹ کر اسے نہیں جانا، انہیں اپنے لیے زندہ رکھو۔

کیا ظلم ہے! خوفزدہ عورتوں اور بچوں کو عبرانی کیمپ میں لے جایا گیا۔ وہ ضرور رو رہے ہوں گے، اپنی جانوں کے لیے بھیک مانگ رہے ہوں گے۔ موسیٰ نے اپنی ماؤں کے سامنے تمام لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اور پھر عورتوں کو قتل کروا دیا۔ صرف کم عمر لڑکیاں بچ گئیں، اور انہیں فوجیوں کو ان کی خوشی کے لیے دے دیا گیا۔ اب عبرانی خدا کہاں تھا؟ موسیٰ نے اس کے نام پر قتل، غارت گری اور زیادتی کی۔

میرا موسیٰ کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتا ہوں: وہ ایک نفسیاتی مریض تھا جس نے ایک ایسے خدا کا استعمال کرتے ہوئے قتل اور لوٹ مار کی جسے یا تو اس نے خود تخلیق کیا تھا، یا مصریوں سے اپنایا تھا یا عبرانیوں کی طرف سے پہلے سے پوجے جانے والے خداؤں میں سے ایک تھا۔ 40 سال تک، اس نے ایک ایسے قبیلے کے ساتھ اپنی طاقت کی پیاس بجھائی جسے اس نے انتہا تک چالاکی سے استعمال کیا۔ موسیٰ کا کبھی بھی زمین موعود تک پہنچنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن موسیٰ کے قبیلے کو خدا کے ظہور کا کیا ہوگا؟ یہ کیسے ہوا؟ خروج اور احبار میں بیان میں، خدا کو کئی بار زمین پر دھوئیں اور گرج کے بادل میں اترتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ آیئے واپس مصریوں کی

طرف چلتے ہیں، جہاں موسیٰ کی پرورش ہوئی تھی۔ مصری مذہبی پیشواؤں اور ان کی رسومات کے جدید مطالعہ اور فہم سے موسیٰ کی رسومات اور خدا کے بارے میں بہت سی بصیرتیں ملتی ہیں۔ مصری مندروں میں عام لوگوں کے ملنے کے لیے ایک صحن تھا، جو ایک اندرونی صحن کی طرف جاتا تھا۔ وہاں سے، فرش اندرونی مقدس مقام تک اوپر کی طرف ڈھلوان تھا، راستے میں روشنی کم ہوتی جاتی تھی۔ خدا کے مذبح کے قریب پہنچتے ہی، جو عام طور پر ایک تاریک کمرے میں واقع ہوتا تھا، ہوا میں بخور اور دھواں بھر جاتا تھا۔ پیچھے ایک چھوٹے سے راستے سے، پادری مذبح تک پہنچ سکتا تھا، اور اسٹیج جادو اور آوازوں کے امتزاج سے اپنی رسومات اور تعلیمات پیش کرتا تھا۔

عبرانی لوگوں کے سامنے خدا کا ظہور بالکل ایسا ہی تھا۔ موسیٰ نے مصری رسومات اور طریقوں کے اپنے علم کا استعمال کیا، جن کے بارے میں عبرانی نہیں جانتے تھے، تاکہ اپنا خدا اشو بنا سکے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، ایک مضبوط امکان ہے کہ موسیٰ نے بہت سے مصری مندروں میں سے ایک میں یا تو پادری یا قربان گاہ کے لڑکے کے طور پر خدمات انجام دیں۔ جادو اور طلسمات کی انہی تکنیکوں اور امتزاج کا استعمال کرتے ہوئے، اس نے اپنے لوگوں کو یقین دلانے کے لیے ایک خدا کو دھوئیں اور گرج کے بادل میں ظاہر کیا۔ موسیٰ نے اپنے لوگوں کے لیے جس مندر کی تعمیر کا حکم دیا تھا اور وہ صندوق مصری مندروں سے ملتا جلتا تھا، مواد اور ترتیب تقریباً ایک جیسی تھی، سوائے اس کے کہ اسے موبائل ہونے کے لیے ڈھال لیا گیا تھا۔ ایک قربان گاہ کا استعمال ان نذرانوں کی طرح نذرانے کے لیے کیا جاتا تھا جو مصری پادری اپنے خداؤں کو دیتے تھے۔ موسیٰ نے خدا کے لیے قربانی کرنے کا ایک مکمل ضابطہ متعارف کرایا، ساتھ ہی ایک لباس کوڈ بھی۔ خدا کو کیا پیش کیا جا سکتا ہے؛ جس طرح اسے پیش کرنا ہوگا۔ اور پادریوں کے لیے کتنا

چھوڑنا چاہیے۔ یہ مصری مذہب کی ایک انتہائی موثر نقل تھی، جسے عبرانی قبیلے کو خوفزدہ کرنے اور انہیں موسیٰ کے اپنے خدا کی پیروی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ احبار میں بیان کی گئی ایک عبرانی قربانی کی ایک مثال قربانی کی اسکیم کو بخوبی واضح کرتی ہے۔

- [6] اور اگر اس کی قربانی سلامتی کی قربانی کے لیے ہو، نر یا مادہ، تو وہ اسے بے داغ پیش کرے گا۔
- [8] اور وہ اپنا ہاتھ اپنی قربانی کے سر پر رکھے گا، اور اسے خیمہ اجتماع کے سامنے ذبح کرے گا: اور ہارون کے بیٹے اس کا خون قربان گاہ پر چاروں طرف چھڑکیں گے۔
- [9] اور وہ سلامتی کی قربانی میں سے خداوند کے لیے آگ کی قربانی پیش کرے گا۔ اس کی چربی، پوری دم، وہ ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ لے جائے گا۔ اور وہ چربی جو اندرونی اعضاء کو ڈھانپتی ہے، اور وہ تمام چربی جو اندرونی اعضاء پر ہے۔
- [11] اور کاہن اسے قربان گاہ پر جلائے گا: یہ خداوند کے لیے آگ کی قربانی کا کھانا ہے۔

جیسا کہ بہت سے جدید فرقوں کے ساتھ ہوتا ہے، موسیٰ کے فرقے میں خواتین نے خصوصی توجہ حاصل کی۔ ایک بے وفا بیوی کی صفائی نمبرز میں بیان کی گئی ہے:

- [11] اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔
- [12] بنی اسرائیل سے کہو، اور ان سے کہو، اگر کسی آدمی کی بیوی گمراہ ہو جائے، اور اس کے خلاف گناہ کرے۔
- [13] اور کوئی آدمی اس کے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرے، اور یہ اس کے شوہر کی نظروں سے پوشیدہ رہے، اور چھپا رہے، اور وہ ناپاک ہو جائے، اور

اس کے خلاف کوئی گواہ نہ ہو، اور وہ فعل میں نہ پکڑی جائے۔

- [14] اور غیرت کی روح اس پر طاری ہو جائے، اور وہ اپنی بیوی سے غیرت کرے، اور وہ ناپاک ہو: یا اگر غیرت کی روح اس پر طاری ہو جائے، اور وہ اپنی بیوی سے غیرت کرے، اور وہ ناپاک نہ ہو۔
- [15] تب وہ آدمی اپنی بیوی کو کاہن کے پاس لائے گا، اور اس کے لیے اپنی قربانی لائے گا، جو کے آٹے کا دسواں حصہ ہو گا۔ وہ اس پر تیل نہیں ڈالے گا، اور نہ ہی اس پر لوبان رکھے گا۔ کیونکہ یہ غیرت کی نذر ہے، یاد کی نذر ہے، جو گناہ کو یاد دلاتی ہے۔
- [16] اور کاہن اسے قریب لائے گا، اور اسے خداوند کے سامنے کھڑا کرے گا۔
- [18] اور کاہن عورت کو خداوند کے سامنے کھڑا کرے گا، اور عورت کے سر کے بال کھول دے گا، اور یاد کی نذر اس کے ہاتھوں میں دے گا، جو غیرت کی نذر ہے۔ اور کاہن کے ہاتھ میں کڑواہٹ کا پانی ہو گا جو لعنت کا باعث بنتا ہے۔
- [19] اور کاہن اسے قسم کھلائے گا، اور عورت سے کہے گا، اگر کوئی آدمی تیرے ساتھ نہیں سویا، اور اگر تو اپنے شوہر کے نیچے رہتے ہوئے ناپاکی کی طرف نہیں گئی، تو اس کڑواہٹ کے پانی سے آزاد ہو جو لعنت کا باعث بنتا ہے۔
- [20] لیکن اگر تو اپنے شوہر کے نیچے رہتے ہوئے گمراہ ہو گئی ہے، اور اگر تو ناپاک ہے، اور کسی آدمی نے تیرے شوہر کے علاوہ تیرے ساتھ سویا ہے۔
- [21] تب کاہن عورت کو لعنت کی قسم کھلائے گا، اور کاہن عورت سے کہے

گا، خداوند تجھے اپنے لوگوں میں لعنت اور قسم بنا دے، جب خداوند تیری ران کو گرا دے، اور تیرے جسم کو سوجا دے۔

- [22]اور یہ پانی جو لعنت کا باعث بنتا ہے تیرے پیٹ میں جائے گا، اور تیرے جسم کو سوجا دے گا، اور تیری ران کو گرا دے گا۔ اور عورت کہے گی، آمین، آمین۔
- [27]اور جب وہ اسے پانی پلا چکا ہو گا، تب اگر وہ ناپاک ہو گی، اور اپنے شوہر کے خلاف گناہ کیا ہو گا، تو وہ پانی جو لعنت کا باعث بنتا ہے اس کے اندر جائے گا اور کڑوا ہو جائے گا، اور اس کا جسم سوج جائے گا، اور اس کی ران گر جائے گی: اور وہ عورت اپنے لوگوں میں لعنت ہو گی۔

کتنے خواتین کو خوفزدہ کر کے کاہن کے پاس صفائی یا قتل کے لیے گھسیٹا گیا، اور کوئی بھی ان کی مدد کے لیے نہیں آسکا؟ سسکیاں بھرتے اور خوفزدہ، ایک ملزمہ عورت کو اندھیرے میں کاہن کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا جاتا تھا، قربان گاہ جلے ہوئے گوشت کی بو سے دھواں اٹھا رہی تھی۔ پھر کاہن اپنی پسند اور اطمینان کے لیے کچھ رسم ادا کرتا تھا۔ بد قسمت متاثرہ کو ذلیل اور خوفزدہ کرتے ہوئے، کاہن اپنی ہوس کو پورا کرنے کے لیے اسے یا تو پاک کرتا تھا یا مار ڈالتا تھا۔ یہ خدا کی جگہ نہیں تھی۔ یہ خوف کی جگہ تھی۔ انجام دی جانے والی رسومات ایک فرقے سے زیادہ مختلف نہیں تھیں جہاں خواتین کو دبا دیا جاتا ہے اور جنسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ خواتین کے ساتھ اوپر والے سلوک نے آج کے مذاہب میں خواتین کی مظلوم حیثیت کا بھی مرحلہ طے کیا، جہاں انہیں اکثر فطری طور پر گناہگار سمجھا جاتا ہے۔

موسیٰ کی موت کے بعد، عبرانی قیادت یشوع کے پاس چلی گئی، جسے زمین موعود میں عبرانی قبیلے کی قیادت کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے کیا. پڑوسی ممالک

کے ساتھ جھگڑوں اور جنگوں کی ایک طویل تاریخ بائبل میں درج ہے - ایک ایسی تاریخ جو خون اور مصیبت میں ڈوبی ہوئی ہے، جیسا کہ عبرانیوں نے اپنے ارد گرد کے تمام لوگوں کو قتل کیا اور لوٹ لیا، یا دوسروں کے ہاتھوں قتل اور لوٹ مار ہوئی۔

دیگر چیزوں کے علاوہ، بائبل میں ایک واقعہ درج ہے جس میں بنی اسرائیل نے ایک گاؤں کو فتح کرنے کے بعد، تمام زندہ بچ جانے والوں کو ایک رسی کے ساتھ قطار میں کھڑا کر دیا۔ پھر انہوں نے نتیجے میں آنے والے تین گروہوں میں سے دو کو مار ڈالا، تیسرے کو غلاموں کے طور پر کام کرنے کے لیے زندہ رہنے دیا۔ ایک اور جنگ میں، اسرائیل کی طرف سے لڑنے والے عبرانی سرداروں میں سے ایک (یفتاح) نے خدا سے وعدہ کیا کہ اگر وہ جنگ جیت گیا تو وہ گھر واپسی پر پہلے ملنے والے شخص کو قربان کر کے خدا کو دے گا۔ ججز 11 میں: 31 تب ایسا ہو گا کہ جب میں عمون کے بچوں سے امن کے ساتھ واپس آؤں گا تو میرے گھر کے دروازوں سے جو کچھ بھی مجھ سے ملنے کے لیے نکلے گا وہ خداوند کا ہو گا، اور میں اسے سوختنی قربانی کے لیے پیش کروں گا۔ یفتاح جنگ جیت گیا اور پتہ چلا کہ اس کی پیاری بیٹی اس کی واپسی پر اس سے ملی۔ لیکن ایک وعدہ ایک وعدہ ہے: یفتاح کی بیٹی کو قربان کر کے جلا دیا گیا۔ اس کا واحد گناہ جنگ سے واپسی کے بعد اپنے باپ سے ملنا تھا۔ موسیٰ کے خدا نے اپنے نام پر ظلم اور وحشت کی دنیا پیدا کی۔

عبرانی قبیلہ کچھ کامیابی کے ساتھ لیونت میں دوبارہ آباد ہو جائے گا، حالانکہ وسائل اور زمین کے لیے جدوجہد کبھی ختم نہیں ہوئی۔ جنگ کے بعد جنگ ہوئی۔ اور اگرچہ موسیٰ اور اس کے پیروکاروں نے اس پورے عرصے میں ایک ہی خدا کی وکالت کی، لیکن اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ عبرانی لوگ تب بھی بہت سے خدا رکھتے تھے۔ بعد میں، جیسے جیسے ان کی دولت اور بہترین کاریگری کی شہرت میں اضافہ ہوا، انہوں نے فارس کے بادشاہ نبوکد نضر کی توجہ مبذول کرائی، جس نے عبرانی قبیلے پر

حملہ کر کے انہیں غلام بنانے اور بابل لے جانے کے لیے حملہ کیا۔ یہودی قوم اور اس کی ہیکل کو تباہ کر دیا گیا۔ کئی نسلوں بعد، ایک نئے بادشاہ نے انہیں رہا کیا اور انہیں یروشلم واپس جانے کی اجازت دی، جہاں انہوں نے اپنے عقیدے کو ترقی دینا جاری رکھا، اور ایک نئی ہیکل تعمیر کی۔

عبرانی خدا کیسا دکھتا تھا؟

بابل میں عبرانی جلاوطنی کے دوران عبرانی خدا کا تصور اور تصویر مزید ارتقا پذیر ہوئی۔ لیکن اس خدا کی خصوصیات کیا تھیں جسے موسیٰ نے تخلیق کیا تھا، یا تو مصری خداؤں میں سے کسی ایک کو اپنا کر یا پچھلے عبرانی خدا کو؟ بائبل کی پرانی عہد نامہ ہمیں عبرانی خدا کے بارے میں یہ بتاتی ہے:

1. وہ ثواب اور سزا کا خدا تھا۔ اگر آپ نے موسیٰ کے احکامات اور ہدایات پر عمل کیا تو آپ کو انعام دیا گیا۔ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا، یا اس کے خدا کے خلاف ہو گئے، تو آپ کو سخت سزا دی گئی۔
2. وہ ایک ایسا خدا تھا جسے خوش کرنے کے لیے قربانیوں کی ضرورت تھی۔
3. وہ صرف عبرانی قوم کے لیے خدا تھا۔ وہ عبرانیوں کی حفاظت کرے گا اور انہیں فتح کی طرف لے جائے گا۔
4. وہ واحد خدا تھا۔ کسی اور خدا کی اجازت نہیں تھی۔ 5. صرف مردوں کو ہیکل میں خدا کو دیکھنے یا اس کی خدمت کرنے کی اجازت تھی۔
5. وہ ایک نیا خدا تھا جس کی نمائندگی کسی تصویر یا بت سے نہیں کی جا سکتی تھی۔
6. وہ ہر جگہ موجود اور قادر مطلق تھا۔
7. وہ کسی بھی چیز کو تبدیل یا واقع کر سکتا تھا۔

دوسری ہیکل کی تباہی کے بعد، عبرانی قوم کبھی نہیں سنبھلی۔ زیادہ تر عبرانی دوسرے ممالک میں ہجرت کر گئے، یا دوسری ثقافتوں میں جذب ہو گئے۔ تاہم، ان کے مضبوط مذہبی ضابطہ اور عقائد کا مطلب ان بکھرے ہوئے برادریوں میں یہودی عقیدہ نظام کا زندہ رہنا تھا۔ خدا کی منتخب قوم کا خواب اور خدا کی آنے والی نجات آج بھی زندہ ہے۔ یہودی لوگوں کے خلاف صدیوں سے ہونے والے قابل مذمت حملے کے باوجود، جس میں انہیں بہت کم یا بغیر کسی سزا کے ستایا اور قتل کیا گیا، یہودی مذہب زندہ رہا۔ تاہم، اس کی سب سے بڑی میراث بلاشبہ دوسرے مذاہب ہیں جو اس سے پیدا ہوئے — جو اس کے سب سے بڑے الہیاتی حریف بن گئے، اور جدید دنیا میں کچھ سب سے زیادہ پھیلے ہوئے عقیدہ نظام ہیں۔

آج کی یہودیت:

یہودیت اب بھی بہت زیادہ زندہ ہے، اب بھی ان عقائد میں ڈوبی ہوئی ہے جو موسیٰ اور اس کے جانشینوں نے ہزاروں سال پہلے تیار اور پھیلائے تھے۔ جدید عبادت گاہیں قدیم عبادت گاہوں سے کافی ملتی جلتی ہیں جو خانہ بدوش عبرانیوں کے ساتھ سفر کرتی تھیں، حالانکہ یقینی طور پر وہ آج مقرر ہیں۔ موسیٰ کی قدیم تعلیمات پر اب بھی عمل کیا جاتا ہے، بشمول بہت سی قدیم رسومات۔ بالآخر، یہ پرانی مصری رسومات ہیں جنہیں موسیٰ نے اپنی ضروریات کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

یہودی مذہب کے مقدس صحیفے تورات (عرف عبرانی بائبل) میں موجود ہیں۔ تورات دو حصوں پر مشتمل ہے، یعنی تحریری تورات اور زبانی تورات، تحریری تورات تین حصوں پر مشتمل ہے:

1. پینٹاٹیچ، تحریری تورات کی پانچ کتابیں تقریباً 3,500 سال پہلے خدا کی

طرف سے کوہ سینا پر موسیٰ کو املا کی گئیں۔

2. انبیاء، خدا کے اپنے بعد کے انبیاء سے براہ راست کلام کی تاریخ۔

3. تحریریں، خدا کی رہنمائی میں انبیاء کی لکھی ہوئی کتابیں۔

آج، ہمارے پاس اس بات کے مضبوط شواہد ہیں کہ تحریری تورات 539-334 قبل مسیح سے پہلے مکمل نہیں ہوئی تھی (مذہبی تصور کے برعکس کہ موسیٰ پر تورات کا نزول 1,380 قبل مسیح میں ہوا تھا، جیسا کہ مقدس متن کے مطابق حساب کیا گیا ہے)۔ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ، عیسائی بائبل کی طرح، تورات غالباً اصل میں آزاد ذرائع کی ایک چھوٹی سی تعداد سے دستاویزات کا ایک مجموعہ ہے، صدیوں کے دوران بہت سے مصنفین اور ذہنوں کی پیداوار۔ یہ 6ویں اور 5ویں صدی قبل مسیح کے آس پاس اپنی حتمی قبول شدہ تشکیل تک پہنچ گیا۔ اب جو یہودی مذہب رائج ہے وہ بہت سے مصنفین کی ایجادات پر مشتمل دکھائی دیتا ہے، جن میں سے ہر ایک نے اصل کہانی میں اپنی کہانی اور قناعات کو شامل کیا۔

زبانی تورات تحریری تورات کی وضاحتوں پر مشتمل ہے جو نسل در نسل زبانی طور پر منتقل ہوتی رہی ہیں۔ یروشلم میں ہیکل کی تباہی کے بعد، اور زیادہ تر عبرانی قوم کے بکھر جانے کے ساتھ، زبانی تورات کو لکھ دیا گیا تاکہ اسے فراموش نہ کیا جائے۔

یہودی مذہب کے بہت سے مختلف قسم آج موجود ہیں، جو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ یہودی گروہوں نے ظلم و ستم سے فرار ہونے کے بعد اپنی الگ تھلگ برادریوں میں مختلف عقائد اور تشریحات تیار کیں۔ اس طرح یہودیت کی پانچ اہم شاخیں تیار ہوئیں:

1. آرتھوڈوکس یہودیت

2. قدامت پسند یہودیت

3. اصلاحی یہودیت
4. تعمیر نو یہودیت
5. انسانیت پسند یہودیت

زیادہ تر یہودی اب بھی مسیحا کا انتظار کر رہے ہیں، جو دنیا کو عبرانی خدا کے ساتھ امن کی طرف لے جائے گا کیونکہ وہ واحد خدا ہے۔ عیسائیت اور اسلام کو درست نہیں مانا جاتا۔ نہ ہی یسوع کو مسیحا سمجھا جاتا ہے، اور نہ ہی محمد ﷺ کو خدا کا نبی۔

قدیم مصری سورج دیوتا، را کی طرح، عبرانی خدا اب خاموش ہو گیا ہے۔ لیکن عبرانی عقائد سے دو بااثر مذاہب پیدا ہوئے: مذکورہ بالا عیسائیت اور اسلام۔ اگلا ہم عیسائی خدا پر ایک نظر ڈالیں گے، جو تقریباً 2,000 سال پہلے ایک خانہ بدوش مبلغ کی تعلیمات کے ذریعے عبرانی خدا سے تیار ہوا تھا۔

یسوع اور اس کا خدا:

اب ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح ایک یہودی قبیلے کے ایک قدیم خدا (یا ممکنہ طور پر ایک مستعار مصری خدا) کو موسیٰ نے یہودیوں کے خدا میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہی خدا ایک بار پھر تبدیل ہونا تھا تاکہ وہ غیر یہودیوں (غیر عقیدت مندوں) کے لیے ایک خدا بن جائے جو فلسطین میں یہودی قبائل کے درمیان رہتے تھے۔ آج، خدا کے اس ورژن کے 1.5 سے 2 بلین پیروکار ہیں۔ وہ ایک تثلیث میں بھی تقسیم ہو گیا جس میں خدا، اس کا انسانی بیٹا، اور کم واضح طور پر بیان کردہ روح القدس شامل ہیں۔

اس نئے مذہب کے اہم معمار ایک نوجوان مبلغ، ناصرت میں پیدا ہونے والا ایک معالج، ایک رسول جو اس کے بعد آیا، اور رومن چرچ ہوں گے۔ نیا خدا اور اس کا مذہب اگلے دو ہزار سالوں میں مزید واضح اور تشکیل دیا جائے گا۔

وہ جو عیسائی خدا کے نام سے جانا جاتا ہے اس کی تخلیق یہودیہ (اسرائیل) پر رومی قبضے کے دوران یہودی مبلغین کے ظہور کے ساتھ شروع ہوئی۔ جیسا کہ موسیٰ کی تبدیلیوں کے ساتھ، عیسائی خدا نیا نہیں تھا۔ درحقیقت، وہ براہ راست یہودی خدا سے ماخوذ تھا۔

ان نئے یہودی مبلغین میں سے ایک کا نام یسوع تھا۔

ایک یہودی مبلغ، اور عبرانی خدا کی تبدیلی ایک علیحدگی پسند یہودی فرقے کی عیسائیت میں تبدیلی کو سمجھنے کے لیے، ہمیں سب سے پہلے اس سیاسی اور مذہبی منظر نامے کا جائزہ لینا چاہیے جس میں یسوع (جسے بعد میں مسیح کہا جاتا ہے، ایک یونانی اصطلاح جس کا مطلب ہے مسح کیا ہوا) پیدا ہوا تھا۔ 3 قبل مسیح میں، یہودیہ رومی قبضے میں تھا، رومی سلطنت کے مفادات کو یقینی بنانے کے لیے فوجیوں کا ایک تربیت یافتہ لشکر موجود تھا۔ ہیروڈ اعظم، جسے رومیوں نے یہودیوں کا بادشاہ مقرر کیا تھا، برائے نام یہودیہ پر حکومت کرتا تھا۔ بدلے میں پونٹیوس پیلاطس یسوع کے تبلیغی کیریئر کے دوران مقرر کردہ رومن پریفیکٹ (ایڈمنسٹریٹر) تھا۔ رومی نظام کے تحت، زیادہ تر سیاسی کنٹرول مقامی آبادیوں پر چھوڑ دیا جاتا تھا، جب تک کہ ان کے رہنما رومی حکومت کا احترام کرتے اور باقاعدگی سے خراج تحسین پیش کرتے۔ زیادہ تر سیاسی طاقت یہودی اعلیٰ کاہنوں کے ہاتھ میں تھی۔

مقامی مذہبی آبادی اس وقت یہودیوں اور غیر یہودیوں دونوں پر مشتمل تھی۔ یہودی موسیٰ کے خدا پر یقین رکھتے تھے، جبکہ غیر یہودی مختلف قسم کے بت پرست خداؤں (یونان اور روم کے خداؤں سمیت)، جادو اور توہم پرستی پر یقین رکھتے تھے۔ یہودی مذہب ایک ہیکل کے گرد مرکوز تھا، جس میں کاہن یہوواہ (خدا) کو قربانیاں دیتے تھے۔ پرانے عہد نامہ میں خدا کے حکم کے مطابق کاہن، لاوی قبیلے کے

ہارون کی اولاد تھے۔ اس وقت، یہودی مذہب کو یونانی-رومی (ہیلینسٹک) مذہبی عقائد اور خداؤں کے ادغام کا خطرہ تھا۔ یہودی اپنے خدا کی منتخب نسل تھے، لیکن حال ہی میں، ایسا لگ رہا تھا کہ خدا انہیں چھوڑ رہا ہے۔ سیاسی اور مذہبی طور پر، یہودی ہیلینسٹک ثقافت اور مذہب کے حملے کی زد میں تھے۔

یہودی مذہب کو مزید کمزور کرنے والے مختلف عقیدہ نظام تھے جو خود یہودیت کے اندر تیار ہوئے تھے۔ یہودیت تین بنیادی گروہوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ صدوقی پارٹی ان کاہنوں پر مشتمل تھی جو ہیکل کو کنٹرول کرتے تھے، جن میں سے بہت سے ایک مراعات یافتہ زندگی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ایسینز ایک صوفیانہ مذہبی تحریک تھی جس کی یہودی عقیدے کی اپنی تشریح تھی۔ فریسی ایک اور تھے، اور وہ خاص طور پر یہودیت کو تبدیل کرنے میں نمایاں پیش رفت کر رہے تھے۔ عیسائیت کے عروج کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ فریسیوں نے موت کے بعد جی اٹھنے کا عقیدہ متعارف کرایا، جو پہلے یہودیت کے لیے ایک غیر ملکی تصور تھا۔

یہودی مذہبی گروہوں اور ان کے قابضین کے درمیان کشیدگی ہر وقت بلند تھی۔ کسی بھی اختلاف رائے یا بغاوت کی علامت کو رومیوں نے فوراً دبا دیا۔ یہودیوں کے دباؤ نے ایک مسیحا کے قدیم یہودی خواب کو دوبارہ جگا دیا، خدا کی طرف سے بھیجا گیا، تاکہ انہیں آزاد کیا جا سکے اور انہیں ان کا سیاسی عزم واپس دیا جا سکے۔ ان ہنگاموں اور غیر یقینی صورتحال کے وقت میں، ناصرت کا یسوع پیدا ہوا تھا۔

یسوع کی پیدائش:

بائبل کے مطابق، یسوع ایک اصطبل میں پیدا ہوا تھا جب اس کے والدین سفر کر رہے تھے۔ دسمبر کے آخر میں ہونے کے بجائے، ایسا لگتا ہے کہ یہ واقعہ دراصل

ستمبر میں بیت اللحم کے سالانہ زیارت کے دوران پیش آیا تھا۔ ایک معمولی آغاز میں یہ عقیدہ ایک نئی نظریاتی سوچ کا لہجہ طے کرتا ہے، جس میں (مثالی طور پر) غربت اور طبقے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ صرف روحانی دولت اہمیت رکھتی تھی۔

بے شک، یسوع کی پیدائش جلد ہی افسانوں میں گھری ہوئی تھی۔ جہاں تک ہم بتا سکتے ہیں، یسوع کی والدہ، مریم، یوسف سے منگنی کر چکی تھیں، لیکن شادی سے پہلے ہی حاملہ ہو گئیں۔ شادی سے پہلے حمل ایک عورت کو یہودی برادری میں موت یا جلاوطنی کا مستحق بناتا ہے۔ تاہم، بائبل کے مطابق، فرشتہ جبرائیل یوسف کے سامنے حاضر ہوا، اور اسے سمجھایا کہ یہ خدا کا بچہ ہے، اور اسے یسوع کہنا ہے۔

خدا اور انسان دونوں کا بیٹا ہونے کے ناطے، یسوع اس مذہب کا مرکز بن گیا جو اس کے ارد گرد پروان چڑھا۔ یہ عقیدہ پہلے کے مذہبی لوگوں کے لیے غیر معمولی نہیں تھا۔ نیم خدا — آدھا انسان، آدھا خدا — اکثر آسمانی اور انسانی دنیا کے درمیان پیغامبر اور نمائندے کے طور پر کام کرتے تھے۔ کئی قدیم لوک داستانوں اور عقائد میں ایک عورت کی کنواری پیدائش سے خدا کے بچے کی کہانی موجود ہے۔ مثال کے طور پر، یونانی افسانوں میں، Perseus ڈینی کا بچہ تھا، جسے زیوس نے حاملہ کیا تھا۔

نیم خداؤں میں عام طور پر خاص خوبیاں ہوتی ہیں، اور وہ زندوں اور مردوں کی دنیا کے درمیان حرکت کر سکتے ہیں۔ وہ بہت سے طریقوں سے عام لوگوں سے بھی برتر ہیں۔ زیادہ تر مصری فرعون بھی انسانی ماؤں اور خدائی باپوں کے ساتھ الٰہی نسل ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ہندو عقیدہ نظام میں، کنواری پیدائش بھی عام ہیں۔ کرن، قدیم ہندوستان کا عظیم جنگجو، کنتی عورت اور سوریا دیوتا کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں نے بھی اپنی کنوارگی برقرار رکھی۔

یسوع کے خدا کے بیٹے ہونے کے عقیدے کو 325 عیسوی میں اس کی زندگی

کے تقریباً 300 سال بعد مستحکم کیا گیا تھا۔ اس وقت، رومن چرچ کو رومن شہنشاہ قسطنطین اور اس کی کونسل کی طرف سے یہ فیصلہ کرنے کا حکم ملا کہ یسوع دراصل کنواری پیدائش میں خدا کے بیٹے کے طور پر تصور کیا گیا تھا۔

یسوع کی تشکیل:

یسوع کی پیدائش کے فوراً بعد سے لے کر اس کے تبلیغ شروع کرنے تک اس کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا تبلیغی کیریئر بھی مختصر تھا، صرف 1-2 سال تک جاری رہا۔ اس کی زندگی کے بارے میں ہمارے پاس صرف حقیقی معلومات بائبل میں میتھیو اور لوقا کی کتابوں میں ہیں، جو اس کی موت کے 40-100 سال بعد لکھی گئی تھیں۔ بد قسمتی سے، وہ متصادم ہیں۔ مثال کے طور پر، اگرچہ دونوں اس کی نسل کو عظیم یہودی بادشاہ، داؤد سے جوڑتے ہیں، لیکن رپورٹ کی گئی نسلیں مختلف ہیں۔

اس دور کی رومی اور دیگر دستاویزات میں یسوع کا کوئی حوالہ نہیں ہے، جس کے لیے ہمیں اس کے بچپن کے سالوں کے بارے میں نظریہ یا قیاس آرائی کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک معمولی لڑکا، جو مبینہ طور پر ایک اصطبل میں پیدا ہوا تھا، تاریخ کی سب سے بااثر شخصیات میں سے ایک کیسے بن جاتا ہے؟ اس سے منسوب تعلیمات آج بھی گرجا گھروں میں گونجتی ہیں، جن کے کچھ شمار کے مطابق 2 ارب سے زیادہ پیروکار ہیں۔ کیا وہ واقعی خدا کا بیٹا تھا، یا اس کے بعد آنے والوں نے اسے خدا کا بیٹا بنا دیا تھا؟ ہمارے پاس اس کے ذریعے لکھا ہوا ایک بھی لفظ نہیں ہے۔ اس کی موت کے کئی دہائیوں بعد صرف سنی سنائی باتیں ریکارڈ کی گئیں۔ ان تحریروں میں سے کچھ اتنی متنازعہ ہیں کہ انہیں کبھی بھی "سرکاری" عیسائی بائبل کے حصے کے طور پر قبول نہیں کیا

گیا۔ یہاں تک کہ رومن کیتھولک چرچ کی طرف سے قبول کی گئی تحریریں بھی بہت سے مختلف ذرائع سے نکلی ہیں، جن میں بہت سی داخلی تضادات ہیں۔ بائبل ایک ہی، متحد کام کے مقابلے میں ایک تالیف ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ یسوع کے بھائی اور بہنیں تھیں، اور یہ فرض کرنا آسان ہے کہ اس وقت کے لیے اس کا بچپن بہت عام رہا ہو گا: شیر خوار سے چھوٹے بچے تک کے ارتقائی مراحل سے گزرنا۔ اپنے بہن بھائیوں سے جھگڑنا۔ گھر اور باہر کھیلنا۔ ہم جانتے ہیں کہ یسوع ایک یہودی تھا، اور اس کے لوگ رومی حکومت کے تحت مظلوم تھے۔ اس کے لوگوں کی اذیت، ان کے خیالات اور ان کے مذہبی عقائد اس کے بچپن میں تشکیل دینے والے رہے ہوں گے۔ بائبل میں ہمارے پاس ایک حوالہ ہے جس میں، 12 سال کی عمر میں، یسوع نے اپنے والدین کو چھوڑ دیا۔ تین دن گزرنے کے بعد ہی انہوں نے اسے مقامی ہیکل میں اساتذہ کے ساتھ بیٹھے اور ان سے بحث کرتے ہوئے پایا۔ اس سے ایسا لگتا ہے کہ چھوٹی عمر سے ہی یسوع کو مذہب میں گہری دلچسپی تھی۔ وہ شاید غیر معمولی طور پر باصلاحیت تھا، اور اس نے اپنے مذہبی خیالات، فریم ورک اور جوابات کو جلد ہی تشکیل دیا ہو گا۔ کیا یسوع 12 سال کی عمر میں پہلے ہی پادری بننے پر غور کر رہا تھا؟

جو بھی ہو، جب یسوع نے اپنی وزارت شروع کی تو تبدیلی کا وقت پکا تھا۔ تقریباً اسی وقت بہت سے دوسرے یہودی مبلغین بھی ابھر رہے تھے، حالانکہ زیادہ تر قیامت کے مبلغ تھے، جو یہودی قوم کو آزاد کرنے کے لیے مسیحا کے آنے پر دنیا کے خاتمے کی پیش گوئی کر رہے تھے۔ ایمان کے معالج بھی عام تھے، خدا کے نام پر لوگوں کو "ٹھیک" کرتے تھے۔

یہودی مبلغین یسوع کے زمانے کے سب سے اہم مبلغین میں سے ایک

یوحنا پتسمہ دینے والا تھا۔ بائبل کے مطابق وہ ٹڈیوں اور جنگلی شہد پر جنگل میں رہتا تھا، اونٹ کے بالوں کا لباس پہنتا تھا اور کمر کے گرد چمڑے کی پٹی باندھتا تھا۔ اس نے دنیا کے خاتمے کا پیغام دیا جو اسرائیل اور خدا کو بحال کرے گا۔ اس کے پیغام میں زور دیا گیا تھا کہ ابھی توبہ کر لینی چاہیے، کیونکہ خدا کی بادشاہی آنے والی ہے۔ در حقیقت، وہ یہودیت کے قدیم خواب کی تبلیغ کر رہا تھا جو موسیٰ کے زمانے میں قائم ہوا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ یوحنا پتسمہ دینے والے نے بڑی تعداد میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا، اور پتسمہ —پانی میں علامتی طور پر ڈبونا— کو گناہ سے پاک کرنے اور اس طرح خدا کا فضل حاصل کرنے کی علامت کے طور پر استعمال کیا۔ یہ رسم آج بھی عیسائیت کا ایک اہم حصہ ہے، لیکن یہ عیسائیت سے شروع نہیں ہوئی۔ خود کو رسمی طور پر پاک کرنے کے لیے پانی کا استعمال جدید ہندومت سمیت بہت سے مذاہب میں ایک عام موضوع ہے۔

یوحنا نے سکھایا کہ نجات پانے اور خدا کا فضل پانے کے لیے، آپ کو پتسمہ لینے کی ضرورت ہے —چاہے آپ یہودی ہی کیوں نہ پیدا ہوئے ہوں۔ اس کی وزارت کا وحشیانہ خاتمہ ہوا۔ اسے قید کر دیا گیا اور بعد میں ہیروڈ نے اسے پھانسی دے دی، کیونکہ وہ یہودی بادشاہ کی حکومت کے لیے سیاسی خطرہ بن رہا تھا۔ تاہم، اس کی تبلیغ اور اثر آج بھی زندہ ہے، اور نہ صرف عیسائی چرچ میں۔ آج بھی عراق میں ایک گروہ، مانڈینز، موجود ہے جو یوحنا پتسمہ دینے والے کو آخری مسیحا مانتا ہے۔

اس زمانے کا ایک اور ممتاز مبلغ گلیل کا یہوداہ تھا۔ اس نے یہودیت کا چوتھا فرقہ شروع کیا، جس میں صرف خدا ہی یہودیہ کا حکمران تھا۔ اس کی بغاوت کو رومیوں نے وحشیانہ طریقے سے دبا دیا۔ ایک اور یہودی مبلغ، تھیوڈاس نے بھی یہودیت کے اندر اپنا فرقہ شروع کیا۔ فلاویس جوزیفس، جو یسوع کی موت کے چند سال بعد پیدا ہوا تھا، اپنی کتاب دی اینٹیکیوٹیز آف دی جیوز (1737 میں شائع ہوئی) میں تھیوڈاس کو

بیان کرتا ہے:

اب ایسا ہوا کہ جب فادوس یہودیہ کا حاکم تھا، تو ایک جادوگر، جس کا نام تھیوڈاس تھا، نے لوگوں کے ایک بڑے حصے کو قائل کیا کہ وہ اپنا سامان اپنے ساتھ لے کر اس کے پیچھے دریائے اردن تک چلیں۔ کیونکہ اس نے ان سے کہا کہ وہ ایک نبی ہے، اور وہ اپنے حکم سے دریا کو تقسیم کر دے گا، اور انہیں اس کے پار ایک آسان راستہ فراہم کرے گا۔ اور بہت سے لوگ اس کی باتوں سے دھوکہ کھا گئے۔ تاہم، فادوس نے انہیں اس کے جنگی اقدام کا کوئی فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی، لیکن ان کے خلاف سواروں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ جو اچانک ان پر گر پڑے، ان میں سے بہت سے مارے گئے، اور ان میں سے بہت سے زندہ پکڑ لیے۔ انہوں نے تھیوڈاس کو بھی زندہ پکڑ لیا، اور اس کا سر کاٹ دیا، اور اسے یروشلم لے گئے۔"

یسوع کا زمانہ واضح طور پر سیاسی آزادی کے لیے یہودی جدوجہد کا دور تھا۔ یہ وہ دور بھی تھا جس کے دوران یہودیت شدید دباؤ میں تھی، جب اصلاح کی ضرورت تھی۔ اس وقت کے سیاسی اور مذہبی دباؤ نے بہت سے یہودی انبیاء کے ظہور کو جنم دیا جنہوں نے رومی حکومت کی مخالفت کی، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ خدا انہیں فتح کی طرف لے جائے گا، کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے، اور یہ کہ خدا کی بادشاہی تیزی سے قریب آرہی ہے۔ یہودی قوم رومی حکومت سے آزاد کرنے کے لیے اپنے خدا کی طرف سے بھیجے گئے مسیحا—خاص طور پر ایک فوجی رہنما—کی تلاش میں بے چین تھی۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا یسوع یوحنا بپتسمہ دینے والے سے متاثر تھا۔ یقینی طور

پر وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے، اور بائبل ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ یوحنا نے یسوع کو بپتسمہ دیا تھا۔ یسوع شاید اس کا کزن تھا، اور شاید کچھ عرصے کے لیے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے زیر تعلیم رہا ہو۔ شروع میں، یسوع خود اپنے بہت سے ساتھیوں کی طرح دنیا کے خاتمے کی تبلیغ کرنے والا ایک قیامت کا نبی تھا۔ اس نے ان دنوں کے خاتمے کی پیشین گوئی کی جب تمام قومیں آپس میں ٹکرائیں گی، اور سورج تاریک ہو جائے گا— ایک ایسا وقت جب ابن آدم کی علامت آسمانوں پر ظاہر ہو گی، اور فرشتے منتخب لوگوں کو جمع کرنے کے لیے جمع ہوں گے۔

یہودیت کے اندر ایک نیا فرقہ:

یسوع کی تبلیغ صرف یہودیوں کے لیے تھی، اور بہت جلد اس نے ایک بڑی تعداد میں پیروکار بنانا شروع کر دیے۔ اس نے موجودہ یہودی پادریوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، جو یہودی معاشرے میں ایک مراعات یافتہ طبقہ بن گیا تھا جو مذہب کے مقدس مقامات پر بھی اپنی طاقت استعمال کرنے سے نہیں ہچکچاتا تھا۔ درحقیقت، یہودی مندر ایسی جگہیں بن گئے جہاں بہت سے لوگ اپنے کاروبار کرتے تھے، اور ان مندروں کو کنٹرول کرنے والے انہیں وسائل اور طاقت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ یسوع نے جلد ہی یہودی پادریوں کے درمیان بغاوت شروع کر دی۔

1. تب یسوع نے ہجوم اور اپنے شاگردوں سے کہا،
6. وہ دعوتوں میں سب سے اوپر (بہترین) کمرے اور عبادت گاہوں میں اہم نشستیں پسند کرتے ہیں،
7. اور بازاروں میں سلام اور مردوں کی طرف سے ربی، ربی کہلوانا پسند

کرتے ہیں۔

یسوع نے علماء اور فریسیوں کو منافق کہا، اور ان پر سفید قبروں کی طرح ہونے کا الزام لگایا: باہر سے خوبصورت نظر آتے ہیں، لیکن اندر مردہ آدمیوں کی ہڈیوں اور گندگی سے بھری ہوئی ہیں۔ یسوع یہودیت میں ایک نئے سماجی نظام اور اصلاح کی تبلیغ کر رہا تھا—ایک ایسا نظام جہاں غریب اور عام ہونا کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سکھایا کہ سب خدا کی نظر میں برابر ہیں۔ دولت کی کوئی اہمیت نہیں تھی، اور غریب ایک دن منتخب لوگوں میں اپنی جائز جگہ لے لیں گے۔ یسوع نے حقیر سمجھے جانے والوں، ٹیکس جمع کرنے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس نے سکھایا کہ نجات مکمل طور پر فرد کے بارے میں ہے، اس کے اعمال اور خیالات کے ذریعے۔ اس نے یہودی مذہبی رہنماؤں کی سخت طبقاتی تقسیم پر حملہ کیا، اور پوچھا، "ایک امیر آدمی کی حیثیت سے آپ کو ایک نیک دل اور اچھے دل والے غریب آدمی سے بہتر کیا بناتا ہے؟"

یسوع نے تبلیغ کی... 20 :مبارک ہو تم غریب: کیونکہ خدا کی بادشاہی تمہاری ہے۔ 21 مبارک ہو تم جو اب بھوکے ہو: کیونکہ تم سیر ہو جاؤ گے۔ مبارک ہو تم جو اب روتے ہو: کیونکہ تم ہنسو گے۔

یسوع اور/یا انبیاء کے گروہ جن سے وہ تعلق رکھتا تھا، نے درج ذیل نظریات کی وکالت کی:

1. یہ مادی دنیا نہیں بلکہ جنت ہے جو اہم ہے۔
2. ان لوگوں کو معاف کر دو جو تم سے نفرت کرتے ہیں اور دوسرا رخ موڑ دو۔
3. اگر تم ایمان لاؤ گے تو تمہیں موت سے جی اٹھایا جائے گا۔
4. دنیا کا خاتمہ قریب ہے، اس لیے ابھی اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔

5. خدا فیصلہ کرنے آئے گا، اور برائی کو ہمیشہ کے لیے اچھائی سے ختم کر دیا جائے گا۔
6. یہ دنیا عارضی ہے۔ آپ کی زندگی آخرت تک رسائی حاصل کرنے کے لیے گزاری جانی چاہیے۔
7. حیثیت اور دولت کوئی معنی نہیں رکھتی، لیکن آپ کا دل اور خدا کے لیے وفاداری معنی رکھتی ہے۔

یسوع کی تعلیمات میں موجودہ یہودی قوانین کی تبلیغ بھی شامل تھی — ایسی تعلیمات جو آج بھی بہت زیادہ حیرت اور الجھن کا باعث ہیں۔ یہ غیر یقینی ہے کہ آیا ان میں سے کچھ پابندیاں واقعی یسوع نے سکھائی تھیں، یا اس کی موت کے بعد پادریوں نے اس کے اصول میں شامل کی تھیں۔ مثال کے طور پر:

اور میں تم سے کہتا ہوں، جو کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے گا، سوائے زنا کے، اور دوسری سے شادی کرے گا، وہ زنا کرتا ہے: اور جو اس سے شادی کرتا ہے جسے چھوڑ دیا گیا ہے وہ بھی زنا کرتا ہے۔

یسوع ایک ایمان کا معالج بھی تھا، اور بائبل کے مطابق، واضح معجزات پیدا کیے۔ وہ بیماروں کو ٹھیک کرنے کے قابل تھا، بشمول لوگوں کو موت سے اٹھانا۔ کسی شخص سے شیاطین کو نکالنا۔ اور فطرت پر حکمرانی کرو۔ نئے عہد نامہ میں یسوع سے منسوب معجزاتی شفایابی کے کئی واقعات ہیں۔

1. اور وہ کشتی میں سوار ہوا، اور پار گیا، اور اپنے شہر میں آیا۔
2. اور دیکھو، وہ اس کے پاس ایک فالج زدہ آدمی کو لائے، جو بستر پر پڑا تھا: اور یسوع نے ان کا ایمان دیکھ کر فالج زدہ سے کہا۔ بیٹا، خوش ہو جاؤ۔ تیرے گناہ معاف ہو گئے۔

3. اور دیکھو، کچھ علماء نے اپنے دل میں کہا، یہ آدمی کفر بکتا ہے۔
4. اور یسوع نے ان کے خیالات جان کر کہا، تم اپنے دلوں میں برائی کیوں سوچتے ہو؟
5. کیونکہ کہنا آسان ہے، تیرے گناہ معاف ہو گئے۔ یا کہو، اٹھو اور چلو؟
6. لیکن تاکہ تم جان لو کہ ابن آدم کو زمین پر گناہ معاف کرنے کی طاقت ہے، (تب وہ فالج زدہ سے کہتا ہے،) اٹھو، اپنا بستر اٹھاؤ، اور اپنے گھر چلے جاؤ۔
7. اور وہ اٹھا، اور اپنے گھر چلا گیا۔
8. لیکن جب لوگوں نے یہ دیکھا تو وہ حیران ہوئے، اور خدا کی تمجید کی، جس نے انسانوں کو اتنی طاقت دی تھی۔

یہاں یسوع کے ایک شیطان کو نکالنے کی ایک مثال ہے:

- [26]اور اس نے ان سے کہا، تم کیوں ڈرتے ہو، اے کم ایمان والو؟ پھر وہ اٹھا، اور ہواؤں اور سمندر کو ڈانٹا۔ اور ایک عظیم سکون ہو گیا۔
- [27]لیکن آدمی حیران ہوئے اور کہنے لگے، یہ کیسا آدمی ہے کہ ہوائیں اور سمندر بھی اس کی اطاعت کرتے ہیں!
- [28]اور جب وہ دوسری طرفGergesenes کے ملک میں آیا تو اس سے دو شیاطین زدہ ملے، جو قبرستان سے نکلے، بہت خوفناک، تاکہ کوئی آدمی اس راستے سے نہ گزر سکے۔
- [29] اور دیکھو، وہ چلا کر کہنے لگے، اے یسوع، خدا کے بیٹے، ہمیں تم سے کیا لینا دینا؟ کیا تم وقت سے پہلے ہمیں عذاب دینے یہاں آئے ہو؟
- [30] اور ان سے کچھ دور بہت سے خنزیر کا ایک ریوڑ چر رہا تھا۔
- [31] تو شیاطین نے اس سے التجا کی اور کہا، اگر تم ہمیں نکال دو تو ہمیں خنزیر

کے ریوڑ میں جانے دو۔

- [32] اور اس نے ان سے کہا، جاؤ۔ اور جب وہ باہر آئے تو خنزیر کے ریوڑ میں چلے گئے: اور دیکھو، خنزیر کا سارا ریوڑ تیزی سے ایک ڈھلوان جگہ سے سمندر میں گر گیا، اور پانیوں میں ہلاک ہو گیا۔

یسوع نہ صرف ایک مبلغ تھا، بلکہ ایک معالج بھی تھا۔ کیا یہ طاقت خدا کی طرف سے آئی تھی، یا یسوع اپنے سامعین کو اپنی شفایابی پر یقین دلانے کے لیے دھوکہ دینے کے قابل تھا؟ اس کے زمانے میں، معجزہ کرنے والے عام تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ یسوع نے کہا تھا کہ وہ اپنے آبائی شہر ناصرت میں معجزات کرنے سے قاصر ہے، کیونکہ وہاں لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ان قدیم دنوں میں، مظاہر کو ثابت یا غلط ثابت کرنے کے لیے سائنسی طریقہ کا استعمال موجود نہیں تھا۔ سچ یہ ہے کہ، آج بھی ایمان کے معالج غیر معمولی نہیں ہیں، خاص طور پر 'قدیم' قبائل میں۔ مثال کے طور پر، جنوبی افریقہ کی روایتی زولو ثقافت میں ہزاروں لوگ ایک سنگوما کی شفایابی کی صلاحیتوں کی خوشی سے قسم کھائیں گے۔ زیادہ تر قدیم قبائل کے اپنے ایمان کے معالج تھے۔

یسوع کے دور میں، مافوق الفطرت علاج میں ایک مضبوط عقیدہ تھا۔ مثال کے طور پر، بیتھیسڈا کے تالاب کو ایک ایسی جگہ کے طور پر دیکھا جاتا تھا جہاں بیماروں کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ تالاب میں موجود لوگ ایک فرشتے کے پانی کو ہلانے کا انتظار کریں گے تا کہ وہ انہیں شفا دے۔ حملہ آور روحوں کا جلاوطنی بھی عام تھا، اور آج بھی رائج ہے، کچھ گرجا گھر سرکاری جلاوطنوں کو ملازمت دیتے ہیں۔ درحقیقت، جلاوطنی انسان کے مذہبی سفر میں وافر ہے۔ ہم مقامی امریکی قبائل میں بھی جلاوطنی پاتے ہیں، جہاں دوائی والے اکثر مریض کو ٹھیک کرنے کے لیے حملہ آور روحوں کو نکال دیتے

ہیں۔ مصری کاہن بھی اکثر بری روحوں کو نکال دیتے ہیں۔

بالکل درست !جدید سائنس کی آمد کے ساتھ، اب ہم جانتے ہیں کہ زیادہ تر (اگر تمام نہیں) نام نہاد "قبضہ " کے مظاہر ذہنی بیماریوں یا دماغ کے دیگر خرابیوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں مرگی، شیزوفرینیا، ڈس ایسوسی ایٹو شناختی عارضہ، اور دیگر بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ ان کی ابتدا فرد کی نفسیات، اور ان کے دماغ میں کام اور کیمیائی توازن میں ہوتی ہے۔

آج ہمارے پاس ان عوارض کی تشخیص اور علاج کے لیے ضروری علم موجود ہے۔ تاہم، بائبل کے دور میں مرگی کا دورہ پڑنے والے بچے، یا شیزوفرینیا کے شکار شخص کو شیاطین یا بری روحوں کا شکار سمجھا جاتا تھا۔ ان غریب جانوں میں سے اکثر کو شاید اس کے نتیجے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ جب کہ ہم میں سے کچھ زیادہ مذہبی اب بھی قبضے پر یقین رکھتے ہیں، جدید سائنس نے ابھی تک شیطانی قبضے کا ایک بھی بنیادی کیس ریکارڈ نہیں کیا ہے۔ لہذا یہ ہچکچاہٹ کے بغیر ہے کہ ہم یسوع کی طرف سے کیے گئے جلاوطنی کو مسترد کر سکتے ہیں۔ یسوع کی طرف سے "جلاوطن" کیے گئے افراد ذہنی بیماریوں میں مبتلا تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ، کوئی یہ قبول کر سکتا ہے کہ شاید متاثرہ شخص یسوع کی شفایابی کی طاقتوں پر اتنا یقین رکھتا ہو کہ اس کے "جلاوطن" کرنے کے بعد ذہنی بیماری کی علامات ایک طرح کے پلیسبو اثر میں غائب ہو گئیں۔ لیکن اس طرح کے معاملات میں، ذہنی بیماری صرف عارضی طور پر دب جاتی ہے۔

یہودی برادری نے اس وقت اور آج کبھی بھی یسوع کے معجزات کو اس طرح قبول نہیں کیا ہے۔ ایک قیامت کے نبی کی حیثیت سے، یسوع نے قائم شدہ یہودی پادریوں کے خلاف بغاوت شروع کر دی، جسے وہ ایک بہتر سماجی نظام سمجھتا تھا۔

متعارف کرایا۔ اس نے یہودیہ کا سفر کیا اور تقریریں کیں، اور ممکنہ طور پر یوحنا بپتسمہ دینے والے کی تعلیم کے مطابق لوگوں کو بپتسمہ دیا۔ وہ ایک ایمان کا معالج اور جلاوطن کرنے والا تھا۔ لیکن یہ یہودی مذہبی قیادت کے خلاف اس کی مزاحمت اور حملہ تھا جو اس کی موت کا باعث بنا۔ انہیں اپنی طاقت برقرار رکھنے کے لیے اسے مارنا پڑا، اور یسوع کوئی بے وقوف نہیں تھا۔ وہ یہ ضرور جانتا ہوگا۔

یسوع کی موت:

یسوع اپنی تعلیمات اور یہودی مذہب میں اصلاح کی ضرورت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ قائل ہوتا گیا ہوگا۔ اس کی بغاوت اور مزاحمت عید فسح کے دوران عروج پر پہنچ گئی جس میں زیادہ تر یہودی ہر سال یروشلم میں شرکت کرتے تھے — ایک ایسا واقعہ جس کی رومیوں نے قریب سے نگرانی کی، کیونکہ اس تہوار نے ہزاروں یہودیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور مزاحمت کی تاریخ رہی ہے۔ یسوع اپنے پیروکاروں کی حمایت سے گدھے پر سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوا، جنہوں نے راستے میں کپڑے اور شاخیں بچھائیں: عوام اور غریبوں کے لیے مصلح اور مبلغ، یہودی مذہبی قیادت کے مرکز اور مرکز میں داخل ہو رہا ہے۔

یسوع کا ارادہ یہودیت کے بالکل مرکز پر حملہ کرنے کا تھا۔ وہ فوراً یہودی ہیکل میں گیا، وہاں قائم صرافوں اور تاجروں کی میزوں کو الٹ دیا، اور اپنی باتوں کی تبلیغ شروع کر دی: یہودی کاہنوں کے لیے ایک براہ راست چیلنج۔ قائم شدہ پادری اس کے تصادم سے خطرے میں تھے، لیکن اس کے بڑے پیروکاروں کو دیکھتے ہوئے اسے بے دخل کرنے یا مارنے کی کوشش کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ انہوں نے اسے ہر طرح کے سوالات سے للکارا، اسے گرفتار کرنے کی وجہ تلاش کرنے کی امید میں، لیکن

یسوع نے مہارت سے ان اور ان کے مزید الزامات کے جوابات فراہم کیے۔

کاہنوں کی کونسل نے آخر کار یسوع کو کفر کے الزام میں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ ان کے پاس رومی حکومت کے تحت پھانسی دینے کا اختیار نہیں تھا، اس لیے وہ اسے رومی پریفیکٹ پونٹیوس پیلاطس کے پاس لے گئے، جہاں انہوں نے یسوع پر عوامی امن میں خلل ڈالنے اور ٹیکس ادا کرنے کی مخالفت کرنے کا الزام لگایا۔ پیلاطس نے فوراً اسے ایک یہودی معاملہ کے طور پر پہچانا، جو یسوع کو خاموش کرنے کے لیے رائج کاہنوں اور مذہبی قیادت کی ایک سیاسی چال تھی۔

لیکن پیلاطس عوام کو قابو میں رکھنے کا بھی ذمہ دار تھا۔ یسوع کو معافی دینے کی بیکار کوشش کرنے کے بعد، اس نے یہودی کاہنوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور یسوع کو سولی پر چڑھانے کا حکم دیا۔ یسوع کی سولی پر چڑھانا عیسائیت کے بانی واقعہ کے طور پر امر ہو گیا۔ انقلابی، مصلح، وہ جو سماجی نظام کو تبدیل کرنا چاہتا تھا، اسے ممکنہ حد تک غیر انسانی طریقے سے مارا جانا تھا۔ ذلیل ہو کر، اسے جیل لے جایا گیا اور اسے پھانسی دینے کی جگہ لے جانے سے پہلے طعنہ دیا گیا، اس کی اپنی موت کا ذریعہ —ایک خام لکڑی کا صلیب— اپنے پیچھے گھسیٹتے ہوئے۔ صلیب پر چڑھا کر، اسے ایک سست اور تکلیف دہ موت مرنے کے لیے اٹھایا گیا تھا۔ اس کی تکلیف اور اذیت ناقابل برداشت رہی ہو گی۔

یسوع کی موت نے اس کے پیروکاروں اور شاگردوں کو سوگوار اور رہنما کے بغیر چھوڑ دیا۔ عید فسح کے دوران اس کی بغاوت اور پھانسی، ہزاروں یہودیوں کا وہ اجتماع، یہودیہ میں گونج اٹھا ہو گا۔ اور یہ یقینی طور پر تاریخ میں گونجتا رہا ہے۔ یہودی کاہنوں کے حسد انگیز رد عمل نے، جنہوں نے اس کی تباہی کا حکم دیا، اُس کے خیالات کو اس کے پیروکاروں کے ذہنوں میں اور بھی مضبوطی سے بیج دیا، اور اس کے مزید

پیروکاروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ انقلاب شروع ہو چکا تھا۔ اس کی شہادت نے ایک بالکل نیا مذہب اور عالمی نظام کو جنم دیا—اس حقیقت کے باوجود کہ اس کی زیادہ تر تعلیمات زبانی طور پر منتقل ہوئیں اور کئی دہائیوں تک غیر ریکارڈ شدہ رہیں، یہاں تک کہ پہلی بار تقریباً 40 سال بعد لکھی گئیں۔

ان تحریروں میں سے بہت سی کو کبھی بھی مستند تسلیم نہیں کیا گیا، جبکہ دیگر کئی زبانوں کے تراجم سے گزری ہیں اور ان میں بہت زیادہ ترمیم کی گئی ہے۔ ہم شاید کبھی بھی یسوع کی اصل تعلیمات کو نہیں جان پائیں گے، یا آج ہم جن قبول شدہ انجیلوں کو جانتے ہیں وہ کتنی درست ہیں۔ جو لوگ اس کے بعد آئے، خاص طور پر پولس اور رومن چرچ، اس کی تعلیمات کو اس کے لیے بیان کریں گے، یہودیت سے ایک بالکل نیا مذہب بنائیں گے۔ یہ نیا مذہب، عیسائیت، یہودیوں کے لیے نہیں، بلکہ مسیحا، مسیح کے طور پر یسوع کے مخصوص پیروکاروں کے لیے ایک مذہب تھا۔

آج بھی، یہودیت یسوع یا اس کی الوہیت کو تسلیم نہیں کرتی ہے۔

یسوع کی موت تصوف میں گھری ہوئی تھی۔ ایک نیا افسانہ پیدا ہوا: اس کی موت کے بعد یسوع کے جی اٹھنے کا افسانہ، جو عیسائیت کا ایک اور سنگ بنیاد بن گیا۔ یسوع کی موت کے ساتھ اس کے زیادہ تر شاگرد اپنی جانوں کے خوف سے بھاگ گئے۔ لیکن ایک عورت، اتنی بہادر تھی کہ اس کے ساتھ رہی: ماریہ میگڈیلین۔ غم سے نڈھال، اس نے اس کی سولی پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ تین دن بعد جب اس کی لاش کو قبر میں رکھا گیا اور ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا گیا تو ماریہ میگڈیلین اس کی قبر پر حاضری دینے گئی۔

آمد پر اس نے وہ پتھر لڑھکا ہوا پایا۔ اندر صرف اس کے کپڑوں کے باقیات تھے۔ کیا رومی سپاہیوں یا یہودی کاہنوں نے یسوع کی لاش کو ہٹا دیا تاکہ یہ یقینی بنایا جا

سکے کہ یسوع شہید نہ بن جائے، یا اس کے کچھ پیروکاروں نے ایسا اس لیے کیا تا کہ اسے کسی اور جگہ مناسب تدفین دی جا سکے؟ جو بھی معاملہ ہو، اس واقعے نے یقینی بنایا کہ اسے فراموش نہیں کیا جائے گا، اس کی شہادت کو نئے مذہب کے مرکزی عقیدے کے طور پر مضبوط کیا جائے گا۔

ماریہ میگڈلین کا غم ناقابل برداشت تھا، اور اپنی پریشانی میں اس نے ایک فرشتے کو قبر پر بیٹھا "دیکھا"۔ یسوع اپنے کچھ شاگردوں کو بھی دکھائی دیا، جنہوں نے پہلے تو اسے نہیں پہچانا۔ بعد میں انہیں احساس ہوا کہ یہ یسوع ہے۔ ہم شاید کبھی بھی اس سچائی کو نہیں جان پائیں گے کہ یسوع کی موت کے بعد اس کے جسم کا کیا ہوا، لیکن جو کچھ بھی ہوا، یہ فرض کیا گیا کہ یسوع کو دوبارہ زندہ کیا گیا اس سے پہلے کہ وہ خدا کے ساتھ اپنی جائز جگہ لینے کے لیے جنت میں چلا گیا۔ جی اٹھنا، اس لیے، عیسائی عقیدے کی بنیاد ہے۔

.دوبارہ پیدائش پر ایک گہری نظر:

یسوع کی وزارت سے بہت پہلے جی اٹھنے کا تصور موجود تھا، کچھ یہودی فرقے پرانے مذاہب سے نیا عقیدہ لیتے تھے۔ جیمز ایچ چارلس ورتھ (2008) بتاتے ہیں کہ یہودی جی اٹھنے کے عقائد کے دو سب سے زیادہ امکان والے ذرائع یوگاریٹ اور ایران میں زرتشتی تحریک ہیں۔ شام میں یوگاریٹ (آج راس شمرہ) ایک قدیم بندرگاہی شہر تھا جو غالباً 6,000 قبل مسیح میں وجود میں آیا اور 1,450–1,200 قبل مسیح تک اپنی سیاسی بلندی پر پہنچ گیا۔

یہ شہر طویل عرصے سے کھو گیا تھا، لیکن 1928 عیسوی میں، ایک کسان نے اتفاقی طور پر ایک پرانی قبر کو ٹکر مار دی جب وہ کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ بعد کی

کھدائیوں سے ایک بڑا، اہم شہر سامنے آیا جس میں ایک اچھی طرح سے ترقی یافتہ بنیادی ڈھانچہ تھا، بشمول دو لائبریریاں۔ وہاں سینکڑوں مٹی کی گولیاں ملی ہیں، جن میں ان لوگوں کے افسانوں اور عقائد کی دستاویزات ہیں۔ یوگاریوں کے مذہب کا مطالعہ کرتے ہوئے، ہم امر ہونے اور جی اٹھنے دونوں پر یقین پاتے ہیں۔ یہ ہمیں یہودی قبائل کے اسی خطے میں آباد ہونے سے پہلے کنعانی عقائد کے بارے میں مفید بصیرت اور تفصیلی وضاحت بھی دیتا ہے۔ یہ تقریباً یقینی ہے کہ ان عقائد کا ترقی پذیر یہودی مذہب پر ایک بڑا اثر تھا، جس نے کچھ مرکزی یوگاریٹ اصولوں کو اپنایا۔

زرتشتی تحریک سے اور بھی زیادہ زبردست شواہد ملتے ہیں، جو 800 قبل مسیح میں شروع ہوئی اور 8ویں صدی عیسوی تک مشرق وسطیٰ کے سب سے بڑے مذاہب میں سے ایک کے طور پر قائم رہی۔ دنیا بھر میں اس کے اب بھی تقریباً 145,000 سے 210,000 پیروکار ہیں۔ یہ مذہب اور اس کے رہنما فلسفے تقریباً 800 قبل مسیح میں رہنے والے نبی زرتشت نے قائم کیے تھے۔ یہ احورامزدا کی عبادت پر مبنی ہے، جو ایک اعلیٰ خدا اور سب کا خالق ہے، یہودی خدا کی طرح۔ یہ کہا گیا ہے کہ اس مذہب کا انسانیت پر براہ راست یا بالواسطہ طور پر کسی بھی دوسرے عقیدے سے زیادہ اثر رہا ہے (بوئس، 2001)۔ زرتشتیت کے مرکزی اصول یہ ہیں:

1. ایک عالمگیر خدا ہے، احورامزدا، اس دنیا میں اور اس سے آگے بھی۔
2. یہ خدا انتشار اور برائی کا مخالف ہے، اور ایک عالمگیر تنازعہ میں ملوث ہے جس میں انسانیت کا فعال کردار اور شرکت ہے۔
3. خوشی کو برقرار رکھنے اور برائی کو دور رکھنے کے لیے اچھے اعمال، الفاظ اور کاموں کی ضرورت ہے۔ فعال شرکت کی ضرورت ہے۔
4. وقت کے اختتام پر، ایک نجات دہندہ آخری انقلاب لانے کے لیے ظاہر

ہو گا۔

5. بالآخر، نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان جنگ کے ذریعے برائی کا خاتمہ ہو گا۔
6. احورامزدا بالآخر برائی پر غالب آئے گا، اور دنیا اس مقام پر ختم ہو جائے گی۔
7. آخر میں ہر کوئی، بشمول مردہ، زندگی میں دوبارہ مل جائے گا۔

نیکی کی فتح کے بعد، ہر وہ شخص جو کبھی زندہ رہا ہے وہ روحانی جسم اور روح میں دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔ تمام عمر کے بیمار اور دکھی صحت مند بالغوں کے طور پر واپس آئیں گے۔ ان کے روحانی جسموں کو خوراک کی ضرورت نہیں ہو گی، اور تنازعہ اور برائی کا وجود نہیں ہو گا۔ اور نہ ہی یہ اجسام کوئی سایہ ڈالیں گے۔ تمام انسانوں کی ایک زبان ہو گی، بغیر کسی ثقافتی حدود کے۔ ہم سب ایک ہوں گے، ہم سب امر، خوش، اور احورامزدا کی شان سے اس کی سرپرستی میں لطف اندوز ہوں گے۔

یہ تقریباً یقینی ہے کہ یہودیوں نے جی اٹھنے کا یہ عقیدہ زرتشتیوں سے مستعار لیا تھا، کیونکہ جی اٹھنا یہودیت میں اس وقت تک موجود نہیں تھا جب تک کہ ان کا فارسی ثقافت اور عقائد کے نظاموں سے رابطہ نہیں ہوا۔ عبرانی بائبل میں بھی جی اٹھنے کی طرف بہت کم اشارہ ہے۔

یسوع کے زمانے تک، جی اٹھنا یہودی مذہب میں جڑ پکڑ چکا تھا اور پروان چڑھ چکا تھا۔ اس نے یہودیت کے تین اہم "دھاروں" میں سے ایک، فریسیوں کو پہلے ہی متاثر کر لیا تھا۔ یسوع خود ایک فریسی تھا، اور اس طرح دنیا کے خاتمے کے بعد عالمگیر جی اٹھنے کا وعدہ کیا، جب برائی کو آخرکار تباہ کر دیا جائے گا۔ یسوع کے زمانے میں جی اٹھنے کے تصور کو بہت زیادہ قبولیت حاصل ہو رہی تھی، کیونکہ یہ ناانصافی، دباؤ اور ظلم سے فرار یا حل فراہم کرتا تھا جو یہودیوں نے اس وقت رومیوں اور دوسروں کے تحت

برداشت کیا تھا۔ اگر وہ اس زندگی میں سکون اور خوشی کا تجربہ نہیں کر سکتے تھے، تو وہ کم از کم اس وقت کا منتظر رہ سکتے تھے جب نیک لوگوں کو ابدی زندگی اور انصاف سے نوازا جائے گا، اور برے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔ اس وعدے کے مطابق، خدا قیامت کے بعد دنیا پر حکمرانی کرے گا، اور یہودیوں کی اپنی سیاسی بادشاہی واپس آجائے گی۔

جی اٹھنے کا تصور اس کے بعد مزید ارتقا پذیر ہوا، اس طرح کہ صرف وہی لوگ جو کسی مخصوص مذہب یا خدا پر یقین رکھتے ہیں وہ اس آخرت میں داخل ہو سکیں گے۔ یہ شاید رومیوں اور غیر یہودیوں کو آخرت سے خارج کرنے کے طریقے کے طور پر متعارف کرایا گیا تھا۔ جی اٹھنے کا یہی تصور اسلام میں بھی پایا جاتا ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعارف کرایا تھا، شاید یہودی اور عیسائی عقائد کے ساتھ ان کے رابطے سے اخذ کیا گیا تھا۔ آج کل جی اٹھنا خصوصی ہو گیا ہے — ایک افسوسناک پیش رفت، کیونکہ عیسائیت اور اسلام دونوں ہی دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف وہی لوگ جو ان کے مخصوص خداؤں پر یقین رکھتے ہیں انہیں آخرت کا کوئی حق ہے۔

تو یسوع دراصل کون تھا؟ تمام روایات کے مطابق وہ ایک یہودی نبی تھا جس نے یہودیت میں اصلاحات کی تبلیغ کی۔ اس نے ایک ایسے بے طبقہ معاشرے کی تبلیغ کی جہاں فرد (اس کی حیثیت نہیں) خدا کی طرف سے اس کی قدر اور قبولیت کا تعین کرے گا۔ اس نے یہودیت میں ایک نیا عقیدہ نظام متعارف کرایا، جو قائم شدہ یہودی سوچ کی مخالفت کرتا تھا۔ اپنی تبلیغ اور ظاہری طور پر شفایابی کے ذریعے اس نے یہودیہ میں بہت زیادہ پیروکار بنائے۔ آخر کار، اسے اپنی مزاحمت اور اصلاحات کی وجہ سے ایک ظالمانہ موت کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ایک نبی تھا جو شاید زیادہ تر نامعلوم ہی رہتا اگر اسے اس کے دشمنوں نے اتنے سنگین انداز میں شہید نہ کیا ہوتا کہ اس کے پیروکاروں

نے اس کے گرد ایک مکمل عقیدہ نظام تشکیل دے دیا۔

عیسائیت، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، اتنی زیادہ یسوع کی پیداوار نہیں تھی بلکہ ان لوگوں کی پیداوار تھی جو اس کے بعد آئے اور اس کے نام پر تبلیغ کرتے رہے۔ یسوع کے بعد ابتدائی عیسائیت کے اہم معمار رسول پولس اور رومن کیتھولک چرچ تھے۔

مسیحیت کے معمار، پولوس:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد، ان کے شاگرد منتشر ہو گئے، بہت سے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ گئے یا اپنی سابقہ زندگیوں میں واپس چلے گئے۔ ان کا مسیحا اور رہنما فوت ہو چکا تھا۔ ان کی قیادت کے بغیر، نئی تحریک کے ختم ہونے اور غائب ہونے کا خطرہ تھا۔ صرف دو شاگرد، یعنی پیٹر اور جیمز، نے ان کی تبلیغ اور تعلیمات جاری رکھیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ بھی نہیں لکھا تھا، اس لیے ان کی تعلیمات کو انہوں نے نئے نظریے کے طور پر منتقل کیا ہو گا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گزرے ہوئے سالوں اور ان کے ذریعہ ان تک پہنچائے گئے خیالات سے تشکیل پایا تھا۔ وہ زبانی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ ان کی پیشکش اصل سے کتنی قریب تھی، یہ بتانا ناممکن ہے۔

بالآخر، ایک اور شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خیالات کو نئے مذہب میں ڈھال دیا جو مسیحیت بن گیا۔ اس کے بعد بہت سے مصنفین نے اس نظریے میں اضافہ کیا، جسے بعد میں منظم رومن کیتھولک چرچ نے مزید ترقی دی یہاں تک کہ یہ آج کی مسیحیت میں تبدیل ہو گیا۔ اس شخص نے کبھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہیں کی۔ درحقیقت، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے تقریباً 35

سال بعد تک تبلیغ شروع نہیں کی۔ باقاعدہ تعلیم یافتہ ہونے اور رومن شہریت رکھنے کی وجہ سے، اس بااثر فرد نے جدید مسیحیت کی مضبوط بنیاد رکھی اور اس کے مرکزی اصولوں اور عقائد کو باقاعدہ طور پر دستاویزی شکل دی۔

سچ پوچھیں تو، یہ ممکن ہے کہ ایک سے زیادہ افراد نے اس نئے یسوع۔مرکزیت والے مذہب کو ان کی صلیب پر چڑھنے، قیامت کے دعوے، اور انہیں خدا کے بیٹے کے طور پر امر کرکے تشکیل دیا ہو۔ لیکن پولوس رسول سے زیادہ کسی نے بھی ابتدائی مسیحیت کو تشکیل دینے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اس نے یہودیوں اور غیر یہودیوں دونوں کو تبلیغ کی، غیر یہودیوں کے لیے اس نئے مذہب کو تبدیل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود صرف یہودیوں کو تبلیغ کی۔ نئے عہد نامہ کی 27 کتابوں میں سے تیرہ کا سہرا پولوس کے سر ہے، اور ایک اور کتاب (اعمال) پولوس کے بارے میں ایک ساتھی نے لکھی ہے۔ یہ 14 کتابیں نئے عہد نامہ کے نصف سے زیادہ ہیں۔

غیر یہودیوں کے لیے یہودیت:

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی نئی تحریک نے قدیم یہودی مذہب کو خطرہ لاحق کر دیا تھا، اور فریسی اور صدوقی یہودیوں نے اسے توہین آمیز سمجھا تھا۔ یہ تحریک قدیم عقائد اور طریقوں میں اصلاح کی کوششوں میں انقلابی تھی، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پرانا اور بہت سے معاملات میں یہودی لوگوں کے لیے فاسد اور / یا نقصان دہ سمجھا تھا۔ ان کی موت نے عارضی طور پر خطرہ ختم کر دیا، لیکن ان کی شہادت نے یقینی بنایا کہ ان کے کچھ پیروکار اب بھی ان کا پیغام پھیلائیں گے -اور ان کے کچھ پیروکار بعد میں بھی اس مشن کو جاری رکھیں گے۔

پولوس سے زیادہ کسی نے اس شعلے کو نہیں بھڑکایا- کم و بیش ایک، ہیلینسٹک

یہودی، جس نے پہلے ہی یونانی ثقافت سے بہت کچھ اپنے عقیدے کے نظام میں جذب کر لیا تھا، جو کہ زیادہ قدامت پسند یہودیوں کے برعکس تھا۔ پولوس طرسس شہر سے آیا تھا، جو اس وقت ایک علمی مرکز تھا۔ بنیادی طور پر، ہمارے پاس ایک ایسا شخص ہے جو پہلے ہی راسخ العقیدہ یہودیت پر شک کرتا تھا، یونانی ثقافت سے بہت زیادہ متاثر تھا، اور ایک ایسے علمی ماحول سے روشناس تھا جو عام اور قبول شدہ چیزوں کو چیلنج کرتا تھا۔

شروع میں، پولوس یہودیت کے فریسی فرقے کا ایک پرجوش پیروکار تھا۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یروشلم اور اس کے آس پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کو ہراساں اور ستایا کرتا تھا۔ لیکن ایک واقعہ (یا مبینہ واقعہ) کا پولوس پر گہرا اثر پڑنا تھا۔ جیسا کہ نئے عہد نامہ میں بتایا گیا ہے، پولوس کو دمشق جاتے ہوئے ایک روحانی تجلی ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود پولوس کے سامنے نمودار ہوئے، ایک تیز روشنی کے ساتھ جس نے پولوس کو تین دن تک جزوی طور پر اندھا کر دیا، اور جاننا چاہا کہ وہ مسیحیوں کو کیوں ستا رہا ہے۔

اس تجربے کے بعد، پولوس نے اپنے پچھلے عقائد کو مسترد کر دیا اور نئی مسیحی تحریک کی اصلاحات کو اپنا لیا۔

یہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا، کیونکہ پولوس جلد ہی ابتدائی مسیحی نظریہ کو تیار کرنے اور مرتب کرنے کے لیے نکل پڑے گا۔ لیکن یہ وحی اور اندھی کرنے والی روشنی کیا تھی جس نے اس کے عقائد بدل دیے؟ یہ کہنا مشکل ہے، لیکن پولوس کا نئی تحریک کے پیروکاروں سے اس وقت بڑھتا ہوا رابطہ ہوا ہوگا جب وہ انہیں ستا رہا تھا۔ نئے نظریے سے روشناس ہونے کے ساتھ، اس نے اپنے عقیدے کے نظام پر سوال اٹھانا شروع کر دیا ہوگا۔ وہ رومن استدلال اور قانون کی رومن ترقی سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔

یہ بہت ممکن ہے کہ پولوس نے اپنے اصل عقائد اور یقین اور نئی یسوع تحریک کے اصولوں کے درمیان ایک اندرونی جدوجہد کا تجربہ کیا ہو۔ اپنی پریشانی اور شک میں، وہ آخر کار اپنی ہی استدلال کا شکار ہو گیا اور نئے عقیدے کے نظام کو قبول کر لیا، اپنے پچھلے عقیدے کے نظام کو نئے سے بدل دیا۔ اس نے جس شدید جذباتی عروج کا تجربہ کیا وہ ایک شاندار روشنی کی طرح تھا جس نے اسے حیرت میں ڈال دیا۔ اس عرصے کے دوران، پولوس نے نئے یہودی انبیاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی بنیاد پر اپنے نئے عقیدے کی تعمیر شروع کر دی - ایک نیا عقیدہ جو بالآخر میسحیت میں تبدیل ہوجائے گا، نئے عہد نامہ کی بنیاد بنانے کے لیے، جو جب قدیم یہودی تورات کے ساتھ شامل ہو جائے گا، تو اس کا نتیجہ پاک بائبل کی صورت میں نکلے گا۔

پولوس کا سب سے اہم کارنامہ نئے مذہب کو غیر یہودیوں تک پہنچانے کا فیصلہ تھا۔ کیونکہ اس وقت تک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اب بھی یہودیوں کے لیے مخصوص تھیں، جس نے ان کی وسیع تر قبولیت کو محدود کر دیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عقائد کو اپنانے کے لیے، کسی کو یہودیت میں تبدیل ہونا پڑتا تھا۔ اور اس وقت، یہودی نسل کا رکن نہ ہونا اسے بہت مشکل بنا دیتا تھا۔ پولوس، جو خود ایک یہودی تھا، نے یہ استدلال کیا ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا دوسروں کے لیے بھی درست ہے۔ پولوس نے پیٹر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے براہ راست شاگردوں میں سے ایک تھا، کہ پیٹر یہودیوں کے لیے تبلیغ جاری رکھے گا جبکہ پولوس غیر یہودیوں کو نشانہ بنائے گا۔

اس مرحلے پر اب بھی کچھ شرائط تھیں جنہیں ایک غیر یہودی کو نئی تحریک کا حصہ بننے کی اجازت دینے سے پہلے پورا کرنا پڑتا تھا، بشمول یہ کہ مردوں کا ختنہ کیا

جاناچاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ پولوس نے ان پابندیوں کو بھی ختم کر دیا، تاکہ وہ نئے مذہب کو عوام تک پہنچا سکے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ کی تعلیم دینے سے زیادہ، پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید بنانے میں بھی مدد کی اور انہیں خدا کے بیٹے کے طور پر فروغ دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کبھی بھی خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ پولوس اور اس کے بعد آنے والوں نے مسیحیت کی تعمیر کی کوشش کے حصے کے طور پر اس دعوے کو ایجاد کیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرکزی شخصیت تھے۔

مسیحیت کو قبول کرنے کے لیے، کسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت، تمام انسانوں کے گناہوں کے لیے قربانی کے طور پر ان کی صلیب پر چڑھنے اور انہیں اپنے نجات دہندہ کے طور پر قبول کرنا ہوگا۔ مجھے دوبارہ زور دینے دیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی ان عقائد کی تبلیغ نہیں کی۔ جو لوگ ان کے بعد آئے انہوں نے مسیحیت کی تعمیر کی۔

اس نئے مذہب میں آنے والے قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شمولیت، اور خدا پر ایمان رکھنے والوں کی قیامت بھی غالب تھی۔ پولوس کے مذہب نے، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرکزی شخصیت تھے، مندرجہ ذیل کی تبلیغ کی:

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنت میں رہتے ہیں اور مسیحا تھے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلد ہی واپس آئیں گے، تمام تاریک قوتوں کو شکست دیں گے، اور دنیا کو ہمیشہ کے لیے گناہ اور برائی سے آزاد کر دیں گے۔
- جو غیر یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہودی خدا پر ایمان لاتے ہیں وہ بھی نجات پائیں گے۔

- موت اختتام نہیں ہے، بلکہ ایمان والوں کے لیے ابدی زندگی کا آغاز ہے۔
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کے لیے مرے، اور اس طرح ایمان والوں کو گناہ اور جرم سے آزاد کر دیا۔

ایک نیا مذہب تشکیل پاتا ہے:

ہم مسیحیت کی ترقی کو مندرجہ ذیل طور پر بیان کر سکتے ہیں:

1. یہودیت میں ایک نئی اصلاحی تحریک پیدا ہوئی، جس کی قیادت یوحنا بپتسمہ دینے والے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے انبیاء نے کی، جس میں قیامت اور معاد مرکزی موضوعات تھے۔
2. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت، جس نے انہیں شہید بنا دیا۔
3. پولوس اور اس کے بعد آنے والوں نے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا جیسی خوبیوں والی شخصیت کے طور پر بلند کیا۔
4. یہودی عقائد کے نظاموں کے ساتھ ملا کر ایک نیا مذہب تیار ہوا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کے طور پر مرکزی موضوع تھے۔

ایک رومی شہری ہونے کے ناطے، پولوس رسول نے پوری رومی دنیا کا سفر کیا، آگے بڑھنے سے پہلے چند دنوں کے لیے عبادت گاہوں کا دورہ کیا۔ اس نے غیر یہودیوں (غیر قوموں) کو بازاروں میں اور جہاں کہیں بھی اسے ہمدرد سامعین مل سکتے تھے، تبلیغ کی۔ اس کی تبلیغ تنازعہ سے خالی نہیں تھی، اور یہودیت اور نئی یسوع تحریک کے درمیان تنازعہ جاری رہا۔

- [42] اور جب یہودی عبادت گاہ سے نکل گئے، تو غیر یہودیوں نے التجا کی کہ ان الفاظ کی تبلیغ اگلے سبت کو ان سے کی جائے۔

- [43]اب جب جماعت ٹوٹ گئی، تو بہت سے یہودی اور مذہبی لوگ پولوس اور برنباس کے پیچھے ہو لیے: جنہوں نے ان سے بات کی، اور انہیں خدا کے فضل میں قائم رہنے پر قائل کیا۔
- [44]اور اگلے سبت کے دن تقریباً پورا شہر خدا کا کلام سننے کے لیے اکٹھا ہوا۔
- [45]لیکن جب یہودیوں نے ان جم غفیر کو دیکھا، تو وہ حسد سے بھر گئے، اور ان باتوں کے خلاف بولے جو پولوس نے کہی تھیں، اور اس کی مخالفت اور توہین کی۔
- [46]تب پولوس اور برنباس نے جرأت کی، اور کہا، "ضروری تھا کہ خدا کا کلام پہلے تم سے کہا جائے: لیکن چونکہ تم اسے اپنے سے دور کرتے ہو، اور اپنے آپ کو ابدی زندگی کے لائق نہیں سمجھتے، دیکھو، ہم غیر یہودیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"
- [47]کیونکہ خداوند نے ہمیں یہ کہتے ہوئے حکم دیا تھا، "میں نے تمہیں غیر یہودیوں کی روشنی مقرر کیا ہے، تاکہ تم زمین کے کناروں تک نجات کے لیے ہو۔"
- [48]اور جب غیر یہودیوں نے یہ سنا، تو وہ خوش ہوئے، اور خداوند کے کلام کی تمجید کی: اور جتنے لوگ ابدی زندگی کے لیے مقرر کیے گئے تھے انہوں نے ایمان لایا۔
- [49]اور خداوند کا کلام پورے علاقے میں شائع ہوا۔

جن مقامات کا پولوس نے دورہ کیا، وہاں وہ تبلیغ کرتا اور پھر اپنے عقائد کی وکالت جاری رکھنے کے لیے ایک چھوٹا گروہ (فرقے کا مرکز) بھی قائم کرتا۔ وہ وقت

ایک نئے پیغام کے لیے ساز گار تھا۔ نئے یہودی انبیاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی تبدیلیاں پہلے ہی عام آبادی اور یہودی برادری میں سرایت کر چکی تھیں۔ پولوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شروع کردہ تحریک کو منظم اور آگے بڑھایا۔ وہ جن مرکزی گروہوں کو چھوڑ کر جاتا تھا وہ مزید لوگوں کو بھرتی کرتے رہتے یہاں تک کہ وہ اتنے بڑے ہو جاتے کہ گرجاگھر بن جاتے، اکثر وہ عبادت کے لیے ایک عمارت بھی تعمیر کرتے یا اسے تبدیل کرتے۔

قائم شدہ یہودی پادریوں نے یقیناً خوف کے مارے دیکھا ہو گا جب یہ نیا فرقہ جڑ پکڑنے لگا۔

پولوس کے زمانے میں سفر دشوار اور سست تھا، اور وہ ان فرقوں کا دورہ زیادہ سے زیادہ ہر چند سالوں میں ایک بار کر سکتا تھا جنہیں وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اور کبھی کبھی وہ دوبارہ کبھی نہیں لوٹتا تھا۔ وہ اپنے کچھ معاونین، جیسے تیموتی اور ططس، کو استعمال کرتا تھا تاکہ وہ کبھی کبھار ان ابتدائی گرجاگھروں میں واپس جائیں تاکہ انہیں مضبوط کریں اور پیغام کی مزید تبلیغ کریں۔ دوسروں نے بھی نئے پیغام کی تبلیغ اور اشاعت شروع کر دی۔ نئی تحریک آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی جارہی تھی۔

تاہم، پولوس کی سب سے بڑی میراث وہ خطوط تھے جو اس نے ان ابتدائی گرجاگھروں کو لکھے تھے، جس میں نئی تحریک کے عقائد کو مرتب کیا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ گرجاگھروں یا فرقوں کے گروہوں نے اپنے نظریات کو پھیلانا شروع کر دیا تھا یا پرانے عقائد کی طرف لوٹ رہے تھے۔ پولوس پھر انہیں اپنا پیغام سمجھانے کے لیے ایک طویل خط لکھتا۔ یہ وہ خطوط ہیں جو اب نئے عہد نامہ کا بیشتر حصہ بنتے ہیں -انسانی خطوط جن میں پولوس کے اپنے خیالات اور تصورات ہیں جن کے بارے میں اب یہ مانا جاتا ہے کہ وہ خدا کا کلام ہیں اور اس طرح، دنیا بھر میں 2 بلین مسیحی ان کی پیروی

کرتے ہیں۔ یہ خطوط پولوس کی قدامت پسندی کو بھی ظاہر کرتے ہیں، جو آج بھی ہماری جدید دنیا کو متاثر کر رہی ہے۔ چونکہ اس وقت خواتین کا معاشرے میں کمتر مقام تھا، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ پولوس کے خطوط میں خواتین کے بارے میں بہت سے حوالہ جات موجود ہیں:

- [2] کیونکہ جس عورت کا شوہر ہے وہ قانون کے ذریعہ اپنے شوہر سے اس وقت تک بندھی ہوئی ہے جب تک وہ زندہ رہتا ہے۔ لیکن اگر شوہر مر جائے تو وہ شوہر کے قانون سے آزاد ہو جاتی ہے۔
- [3] تو پھر اگر، جب اس کا شوہر زندہ ہے، تو اس کی شادی کسی دوسرے مرد سے ہو جائے، تو اسے زانیہ کہا جائے گا: لیکن اگر اس کا شوہر مر جائے تو وہ اس قانون سے آزاد ہے، تاکہ وہ زانیہ نہ ہو، اگرچہ اس کی شادی کسی دوسرے مرد سے ہو جائے۔
- کرنتھیوں سے (یونان کے کرنتھ میں مسیحیوں کو ایک خط)، پولوس نے کہا:
- [11.9] نہ تو مرد عورت کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ بلکہ عورت مرد کے لیے۔
- [14.34] تمہاری عورتیں گرجا گھروں میں خاموش رہیں: کیونکہ ان کے لیے بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ فرمانبردار رہیں جیسا کہ قانون نے بھی کہا ہے۔
- [14.35] اور اگر وہ کچھ سیکھنا چاہیں تو اپنے شوہروں سے گھر پر پوچھیں: کیونکہ عورتوں کا گرجا گھر میں بولنا شرم کی بات ہے۔

پولوس نے جنسی تعلقات کے لیے ایک قدامت پسندانہ نقطہ نظر کی بھی وکالت کی، جس کا امکان زیادہ تر یہودیت میں اس کی قدامت پسند پرورش سے پیدا ہوا ہے۔ یہودیت نے اس وقت ایک متوقع جنسی رویے کی وضاحت کی تھی، جس میں

جنسی طریقوں پر بہت سی پابندیاں تھیں۔ ان میں ہم جنس پرستی، شادی سے پہلے جنسی سرگرمی، جنسی بے راہ روی، اور بہت کچھ شامل تھا۔ پولوس کے جنسی نقطہ نظر کا آج کی دنیا پر بھی گہرا اثر ہے۔ اس کی تعلیمات نے خواتین کو صدیوں تک اپنے جسم کے بیشتر حصے کو ڈھانپنے والے گرم، لمبے کپڑے پہننے پر مجبور کیا، اور جنسی تعلقات کو ضروری لیکن ناگوار سمجھا جاتا تھا، ایک شرمناک عمل جس کا کبھی بھی عوامی طور پر ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ ریاستہائے متحدہ میں زیادہ تر ریاستی اور مقامی حکومتیں اب بھی ہم جنس پرستی کو جرم سمجھتی ہیں۔ پولوس نے اپنے خطوط میں لکھا:

- [27] اور اسی طرح مرد بھی، عورت کے فطری استعمال کو چھوڑ کر، ایک دوسرے کی طرف اپنی ہوس میں جل گئے۔ مردوں کے ساتھ مرد وہ کام کر رہے ہیں جو نازیبا ہے، اور اپنے آپ میں غلطی وصول کر رہے ہیں۔

مسیحی دنیا پر پولوس کا ایک اور اثر تجرد کے لیے اس کی اعلیٰ عزت تھی۔

- [1] اب ان چیزوں کے بارے میں جن کے بارے میں تم نے مجھے لکھا ہے: مرد کے لیے یہ اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے۔

پولوس کا ماننا تھا کہ تجرد کی پیروی کر کے، کوئی اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے لیے وقف کر سکتا ہے۔ اس طرح، آج ہمارے پاس راہبائیں اور پادری ہیں جنہیں جنسی تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں ہے، اور انہیں اعلیٰ اخلاقیات کا حامل سمجھا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے خدا کی عبادت پر توجہ مرکوز کرنے کے لیے اپنی جنسی خواہشات پر قابو پا لیا ہے۔ شادی شدہ مسیحی ایک سطح نیچے پڑے ہیں، کیونکہ وہ جنسی تعلقات کا شکار ہو چکے ہیں۔ پولوس کی طرف سے یہ خیال اس کی اپنی جنسی خواہش کی کمی یا جنسی تعلقات کے بارے میں مضبوط ذاتی یقین سے پیدا ہوا ہو گا - اور یہ آنے والے ہزاروں سالوں تک مسیحیت کو ڈھالنا تھا۔

پولوس نے یہ بھی لکھا کہ کسی کو اختیار کی عزت کرنی چاہیے اور اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔

- [1]ہر جان اعلیٰ طاقتوں کے تابع رہے۔ کیونکہ خدا کے سوا کوئی طاقت نہیں ہے۔ جو طاقتیں ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں۔
- [2]اس لیے جو کوئی اقتدار کی مزاحمت کرتا ہے وہ خدا کے حکم کی مزاحمت کرتا ہے۔ اور جو مزاحمت کرتے ہیں وہ اپنے لیے سزا پائیں گے۔

اس بیان کو چرچ کے الٰہی اختیار کو درست ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا گیا، قطع نظر اس کے کہ اس کے فیصلے یا اعمال غلط یا غیر منصفانہ تھے یا نہیں۔ بعد میں مسیحی گرجاگھروں نے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے دنیا کو صدیوں کے اندھیرے میں ڈبو دیا، جس میں بہت کم ترقی یا تخلیقی صلاحیت تھی۔ مسیحیت میں، آپ کو الٰہی طاقت رکھنے والوں کی مزاحمت کرنے یا ان پر سوال اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔

مسیحیت کو آگے بڑھانے کے لیے گناہ کا استعمال:

پولوس یا اور اس کے بعد آنے والوں نے انسانیت کے گناہ کا تصور بھی متعارف کرایا، جو آدم اور حوا کے یہودی افسانے سے شروع ہوا۔ انہوں نے سکھایا کہ تمام انسان گناہگار ہیں، یہاں تک کہ پیدائش سے ہی۔ اور یہ اصلی گناہ خدا کو للکارنے میں آدم اور حوا کی غلطی سے ماخوذ ہے۔ اس طرح، خدا نے نہ صرف انہیں بلکہ ان کی اولاد کو بھی سزا دی۔ یعنی، تمام انسانیت، بلند ترین سے لے کر پست ترین تک۔ مسیحیت سکھاتی ہے کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیر مشروط طور پر اپنا نجات دہندہ بنا کر ہی آپ اپنے آپ کو گناہ سے آزاد کر سکتے ہیں، اور تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ آپ کو سچ میں یقین کرنا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے گناہ کو اپنے اوپر لینے کے لیے

خود کو قربان کرنے کی اجازت دی، تاکہ آپ کو خدا کی نظر میں معاف کیا جاسکے۔

پولوس کا نظریہ آج بھی پوری دنیا میں بے پناہ اذیت کا باعث ہے، کیونکہ جو لوگ مسیحی عقائد میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ گناہ نہ کرنے کے لیے روزانہ کی کشمکش میں ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رحم اور معافی مانگتے رہتے ہیں۔ یہ تصور چھوٹے بچوں میں تقریباً پیدائش سے ہی ڈال دیا جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح، پولوس نے اپنی تعلیمات سے یہودی قیادت کو مسلسل پریشان کیا۔ ایک خاص واقعے میں، اس نے یہودی برادری میں اتنا غصہ پیدا کیا کہ انہوں نے اسے ایک عبادت گاہ سے باہر نکالا اور اسے ایک رومی کپتان کے حوالے کر دیا تاکہ اسے پھانسی دے دی جائے۔ تاہم، ایک رومی شہری ہونے اور اس طرح رومی قانون کے ذریعہ محفوظ ہونے کی وجہ سے، پولوس منصفانہ مقدمے کی درخواست کر کے ہجوم کے غضب سے بچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے روم میں مقدمے کی سماعت کے لیے براہ راست قیصر سے اپیل کی۔ اور اس طرح، اسے وہاں لے جایا گیا، ایک بہت طویل سفر۔

ہمارے پاس اس بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں کہ روم پہنچنے کے بعد پولوس کا کیا ہوا۔ یا تو اسے رومیوں نے پھانسی دے دی، یا وہ گمنامی میں غائب ہو گیا۔ کسی بھی صورت میں، آج کے سب سے بڑے، سب سے زیادہ بااثر مذاہب میں سے ایک کا معمار بنیادی طور پر مر چکا تھا۔ تاہم، اس کا پیغام اور خیالات ان فرقوں میں زندہ رہیں گے جو اس نے چھوڑے تھے، جنہوں نے اس کے غائب ہونے کے بعد کے سالوں میں رفتار حاصل کی۔ ان ابتدائی گرجا گھروں کو اس کے خطوط مسیحیت کی بنیاد بن گئے۔ پولوس مسیحیت کا سب سے بڑا معمار تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ۔

مسیحیت کے دیگر معمار:

لیکن پولوس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیت میں نئی تحریک کے واحد معمار نہیں تھے۔ اس کی ابتدا یوحنا بپتسمہ دینے والے اور دیگر انقلابی یہودی مبلغین سے ہوئی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور ان کے ہم عصر تھے۔ نئی تحریک کو تشکیل دینے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگردوں کا بھی بڑا اثر تھا، جن میں پیٹر اور جیمز نے ان کی تعلیمات جاری رکھیں۔ اگلے چند صدیوں میں بے شمار لوگ نئے نظریے میں اپنے خیالات اور افکار شامل کریں گے۔ سب سے زیادہ اثر ورسوخ رکھنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے بعد کے سالوں میں نئے عقیدے کے نظام کو دستاویزی شکل دی۔ ایسی تحریریں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ اصل عقائد شامل تھے جو مختلف مصنفین کی تشریح اور فہم کے ساتھ مل گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کی پہلی چند صدیوں میں بہت سی تحریریں سامنے آئیں، جن میں بہت سی "صحیفے" ایک دوسرے سے بیان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان کی سمجھ کے لحاظ سے بہت دور تھیں۔ بعد میں ہی رومن چرچ نے مخصوص صحیفوں کو درست قرار دیا، جنہیں پھر بائبل میں خدا کے تصدیق شدہ کلام کے طور پر جمع کیا گیا۔

تاہم، یہ فرض کرنا غلط ہوگا کہ مسیحیت یک سنگی ہو گئی ہے۔ مسیحیت درحقیقت، بہت پیچیدہ ہو گئی ہے، جس میں ہزاروں مختلف گرجا گھر، بہت سے فرقے، اور بہت سے مسیحی فرقوں کی طرف سے پیش کی جانے والی مختلف تعلیمات اور عقائد ہیں۔ یہ مذہب اب بھی بہت زیادہ تغیر پذیر اور ترقی پذیر ہے۔

یقینی طور پر، رومن کیتھولک چرچ نے بھی جدید مسیحیت کو تشکیل دینے میں بہت بڑا کردار ادا کیا۔ تو آیئے کیتھولک چرچ پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور یہ دیکھتے ہیں کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مسیحیت کیسے ترقی کرتی ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور ان کے دیگر ہم عصر اور جاننے والے انتقال کر گئے، تو انہوں نے ایک قسم کا اقتدار کا خلا چھوڑ دیا، جس میں کوئی مرکزی اتھارٹی یا پالیسی ساز ادارہ ان کے نئے عقیدے کے نظام کو تشکیل دینے اور اس کی نگرانی کرنے کے لیے نہیں بچا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعمال اور اقوال کو منتقل کرنے کے لیے زبانی روایت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کے دوسرے ہیکل کی تباہی کے بعد ہی نئے عہد نامہ کے پہلے ابواب لکھے گئے، اور تیسری صدی عیسوی تک مزید تحریریں کینن میں شامل کی گئیں۔

ابتدائی مسیحیوں کے عقائد روم کی حکومت اور اس کے سرکاری بت پرست مذہب کی مکمل مخالفت میں تھے، اس لیے مسیحیت نے رومی سلطنت کے خلاف ایک مزاحمتی تحریک کے طور پر بھی کام کیا، جس نے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ مسیحیوں کا ماننا تھا کہ ان کا خدا سب سے بڑا خدا ہے، جس کا اختیار رومی شہنشاہ سے زیادہ ہے۔ شروع میں مسیحیوں پر ظلم عام تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے بہت سے لوگ خفیہ زندگی گزار رہے تھے۔ 64 عیسوی کی عظیم آگ کے بعد، جب روم کا بیشتر حصہ تباہ ہو گیا، تو رومی شہنشاہ نیرو نے مسیحیوں پر آگ لگانے کا الزام لگایا۔ نتیجے کے طور پر، ان پر مزید ظلم کیا گیا۔ مسیحیت صدیوں تک ایک زیرِ زمین مذہب بنی رہی، روم کے اندر بھی رومی حکومت کے اختیار کی مزاحمت کرتی رہی۔ بہترین سڑک کے بنیادی ڈھانچے اور امن رومانہ کے ذریعے اس نے مسافروں کے لیے جو نسبتاً تحفظ فراہم کیا، اس نے مسیحی پیغام کو پوری رومی سلطنت میں پھیلانے میں مدد کی۔

313ء میں، رومی شہنشاہ کانسٹینٹائن کی طرف سے مسیحیت کو اپنانے نے

مسیحیت کی قسمت کو مکمل طور پر بدل دیا۔ کانسٹینٹائن ایک فوجی افسر اور اس کی کم تر بیوی یا داشتہ ہیلینا کا بیٹا تھا۔ اس کے والد نائب شہنشاہ کے عہدے تک پہنچے، اور سیاسی وجوہات کی بنا پر جلد ہی ہیلینا اور اپنے بیٹے کو چھوڑ کر ایک اور عورت سے شادی کر لی۔ کچھ شواہد موجود ہیں کہ ہیلینا ایک مسیحی تھی، اور اس نے کانسٹینٹائن کو مسیحی مذہب سے روشناس کرایا۔ اس کی والدہ کو اپنے بیٹے کے لیے بہت امنگیں رہی ہوں گی۔ اور اسی طرح کے حالات میں بہت سی ماؤں کی طرح، اس نے اپنے بیٹے کے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے کے خیال اور امید کو فروغ دیا۔

بالآخر، کانسٹینٹائن طاقتور رومی سلطنت کا رہنما بن گیا۔ ملویان برج کی اہم جنگ جیتنے کے بعد، اس نے اعلان کیا کہ مسیحی خدا نے اسے فتح کی طرف لے جایا ہے۔ اور ایسا کرنے سے، مسیحی عقیدے کو جائز قرار دیا۔ اس نے مالی طور پر چرچ کی حمایت کی اور مسیحیوں کو اپنی حکومت میں اہم عہدوں پر مقرر کیا۔ اور جلد ہی مسیحیت پوری سلطنت میں قبول کر لی گئی۔

درحقیقت، زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مسیحیت ریاستی مذہب بن گئی، اور شہنشاہ اس کا سب سے پر جوش پیروکار تھا۔ دوسرے عقائد کے نظاموں کو ایک طرف کر دیا گیا اور بہت سے معاملات میں توہین آمیز قرار دیا گیا۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے اور شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جلد ہی مسیحی اسناد کی ضرورت پڑ گئی، اس لیے بہت سے لوگ ان وجوہات کی بنا پر تبدیل ہو گئے۔ کانسٹینٹائن کے زمانے میں بڑے عقائد، فیصلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کی تفسیریں کی گئیں۔ یہ وہ دور تھا جس کے دوران مسیحیت کے بیشتر عقائد کو مرتب کیا گیا تھا، جو آج بھی جاری نظام کی بنیاد رکھتا ہے۔

جلد ہی پورا یورپ مسیحیت کے نظریے کی لپیٹ میں آ گیا، جس کے نتیجے میں

(جزوی طور پر) صدیوں تک سوچ اور تخلیقی صلاحیتوں میں جمود کا شکار رہا۔ نیا عقیدہ کا نظام بنیادی سطح پر حکومتی پالیسی کو متاثر کرتا تھا۔ اور جلد ہی چرچ حکومت بن گیا، جس میں اکثر وجہ کو مذہبی نظریے سے بدل دیا جاتا تھا۔ صرف 17ویں اور 18ویں صدیوں میں یورپ میں آزادی کی لہر دوڑے گی، جو کچھ حد تک مذہبی نظریے کے تاریک، جمود کا شکار بادل کو اٹھادے گی۔

آج کی دنیا اب بھی یہودی انبیاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قائم کردہ عقیدے کے نظام کے تابع ہے، جسے پولوس اور اس کے بعد بائبل کے بے شمار ماہرین نے تشکیل دیا تھا، اور آخر کار رومن کیتھولک چرچ نے اسے مرتب کیا تھا۔ عربوں کے لیے ایک مذہب کے طور پر اسلام کم و بیش ایک ساتھ ترقی کرے گا، جو آج کے مذہبی منظر نامے کے لیے - اور ان مذاہب کے نام پر بے شمار جنگوں اور اموات کے لیے - مرحلہ طے کرے گا۔ یہ سب، ایک ہی خدا کی متعدد تشریحات پر مبنی ہے جس کی ابتدا ایک چھوٹے خانہ بدوش قبیلے میں ایک بت پرست (فطرت) خدا کے طور پر ہوئی تھی۔

لیکن اس خدا کی نام نہاد مقدس کتابوں میں سے کوئی بھی اس کے دستخط نہیں رکھتی ہے۔ سبھی متعصب، پرانے، غیر لچکدار، ناامیدی سے متضاد ہیں، اور بہترین طور پر مبہم اقتباسات سے بھرے ہوئے ہیں جنہیں تقریباً کسی بھی مقصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

آج کی مسیحیت:

تو: مسیحیت اب کہاں ہے؟ یہ تقریباً 2 بلین پیروکاروں والے مذہب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس تحریر کے مطابق، مسیحیت میں 18 سے زیادہ اہم تقسیمیں ہیں، جن میں بے شمار دیگر گرجاگھر اور فرقے ہیں۔ ان میں سے کچھ خود کو مسیحی کہتے

ہیں، اور واقعی مسیحی نظریات پر عمل کرتے ہیں، لیکن باقی مسیحی دنیا انہیں سچے ایمان والوں کے طور پر قبول نہیں کرتی ہے۔ ترقی پذیر مور من چرچ شاید اس کی سب سے واضح مثال ہے۔

عام طور پر مسیحیت کے مرکزی اصولوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننا اور خدا کی رحمت حاصل کرنا ہے۔ باقی سب کچھ کم و بیش اختیاری ہے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر مسیحی کے ذہن میں مسیحیت کا اپنا ورژن ہوتا ہے جو اس کی زندگی کے دوران تیار ہوتا ہے۔

رومن کیتھولک چرچ اب بھی ایک سربراہ مملکت (کیونکہ ویٹیکن کو ایک سیاسی ریاست کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے) کے زیر انتظام ہے جسے پوپ کہا جاتا ہے، جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد پیٹر کا جانشین سمجھا جاتا ہے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ یہ شخص انسانیت اور خدا کے درمیان رابطے کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس طرح اس کے الفاظ ناقابل تردید ہیں کیونکہ وہ الٰہی طور پر متاثر ہیں۔ پوپ عام طور پر زندگی بھر کے لیے اپنا عہدہ رکھتا ہے) حالانکہ بینیڈکٹ XVI نے حال ہی میں خراب صحت کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا ہے، 600 سالوں میں ایسا کرنے والے پہلے پوپ(۔ جب ایک نئے پوپ کی ضرورت ہوتی ہے، تو چرچ کے کارڈینلز اسے خدا کی مدد سے ووٹوں کے ایک سلسلے میں منتخب کرتے ہیں۔ لیکن آج کا پوپ پرانے عقائد اور طریقوں کا قیدی بن چکا ہے جو جدید زندگی کی حقیقتوں کے مطابق نہیں ڈھل سکتے۔ مثال کے طور پر، ارتقاء کا تصور، جسے سائنس میں درست تسلیم کیا جاتا ہے، اب بھی مسترد کیا جاتا ہے، جس کا مقابلہ ایک قدیم عقیدے سے کیا جاتا ہے کہ زمین صرف چند ہزار سال پرانی ہے۔ طلاق ایک گناہ ہے، اور مانع حمل ادویات کا استعمال مکمل طور پر ممنوع ہے۔

سولہویں صدی میں، کیتھولک چرچ کی مخالفت میں ایک نئی تحریک پیدا ہوئی:

پروٹسٹنٹ ازم۔ انہوں نے پوپ کو تمام مسیحیوں کے مقدس رہنما کے طور پر مسترد کر دیا، اور یقین کیا کہ صرف بائبل ہی ان کے عقیدے کا حقیقی ذریعہ ہے۔ ایسا کرنے میں، انہوں نے اس تصور کو مسترد کر دیا کہ کیتھولک چرچ ہی مسیح کا واحد سچا چرچ ہے۔ پروٹسٹنٹ نظریے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ مذکورہ نظریہ "صرف صحیفے کے ذریعے" ہے نہ کہ پوپ کے فرمان کے ذریعے۔ جواز صرف ایمان سے ہے، اور نیک کاموں سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ نجات صرف فضل سے آتی ہے، اور گناہوں کی معافی صرف مسیح کے ذریعے آتی ہے۔

آج، پروٹسٹنٹ تقریباً 2 بلین لوگوں میں سے 800 ملین کی نمائندگی کرتے ہیں جو خود کو مسیحی کہتے ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ 30,000 سے زیادہ مختلف پروٹسٹنٹ فرقے ہیں، جن کے عقائد کے ڈھانچے میں مختلف اختلافات (اکثر بہت معمولی) ہیں۔ اپنے ابتدائی سالوں کے دوران، پروٹسٹنٹ تحریک کیتھولک کے ساتھ بہت سے خونی تصادم میں ملوث تھی، جس میں بہت سے لوگ مارے گئے یا ستائے گئے۔ در حقیقت، دنیا کے کچھ حصوں میں یہ تصادم جاری ہیں۔

اسلام سے پہلے کی عرب دنیا:

ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ موسیٰ نے قدیم عبرانی قبائلی دیوتاؤں میں سے ایک کو یہودی خدا میں کیسے تبدیل کیا، اسے واحد سچا خدا قرار دے کر اور مصری عقائد اور رسومات کو اس خدا کی عبادت کے ساتھ ملا کر۔ یہی خدا عرب جزیرہ نما میں آباد خانہ بدوشوں کے خدا کے طور پر ایک اور تبدیلی سے گزرتا تھا، مکہ کی ایک قدیم بت پرست مقدس جگہ کے ساتھ، اس مذہب کا محور بنتا ہے، ایک ایسا خدا جس کے آج دنیا بھر میں ایک ارب سے زیادہ پیروکار ہیں۔ یہ خدا اور اس کا عقیدہ نظام کہاں سے آیا؟ یہ

ایک دلچسپ کہانی ہے، جو صحرا میں ایک چھوٹے سے نخلستان سے شروع ہوتی ہے اور وہاں سے باہر کی طرف پھیلتی ہے، ایک ایسے واقعے سے شروع ہوتی ہے جس میں بقا کی جدوجہد اور قلیل وسائل تک رسائی نے تاریخ کی سب سے بڑی مذہبی تبدیلیوں میں سے ایک کو جنم دیا-ایک ایساواقعہ جس کاانسانی معاشرے پر اب بھی بڑااثر ہے۔

اس خدا کو سمجھنے کے لیے، ہمیں ہزاروں سال پیچھے، آخری برفانی دور کے اختتام تک جاناہو گا۔اس وقت تک، زمین کے شمالی عرض البلد کے بیشتر حصے کوڈھانپنے والے گلیشیئر پیچھے ہٹ چکے تھے، اور اس وقت سرسبز اور پانی سے مالامال عرب جزیرہ نما مختصر طور پر ایک اتلی سمندر سے ڈھکا ہوا تھا، اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ ایک بنجر اور ویران زمین کے طور پر ابھرے۔ اونٹ کو پالنے سے پہلے، اس علاقے کا بیشتر حصہ غیر آباد تھا۔ اونٹ کو پالنے کے بعد ہی، پانی پیئے بغیر طویل عرصے تک چلنے کی اس کی صلاحیت اور گرمی کے خلاف مزاحمت اور بھاری بوجھ اٹھانے کی صلاحیت کی وجہ سے، انسانوں نے اس خطے تک رسائی حاصل کرنا شروع کر دی۔ 570 قبل مسیح تک، عرب جزیرہ نما کم آبادی والا تھا، جس میں نخلستانوں کے آس پاس بنیادی بستیاں اور شمالی ممالک کو اس وقت کے خوشحال یمن کے شہروں سے ملانے والے تجارتی راستے تھے، جو کہ زیادہ زرخیز، مہمان نواز آب و ہوا سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

ایک خاص طور پر اہم مقام شمال-جنوب تجارتی راستے کے کراسنگ پوائنٹس پر واقع تھا جو بحیرہ احمر سے جدید عراق تک تجارتی راستے کے ساتھ تھا۔ آس پاس کے پہاڑوں سے ایک زیر زمین پانی کے ذخیرے سے بھرپور ایک تیز بہاؤ والا کنواں مسافروں کو پانی فراہم کرتا تھا۔ جلد ہی یہ کنواں ایک بستی کا مرکز اور مقامی خانہ بدوشوں کے لیے پانی کا ذریعہ بھی بن گیا۔ اس کنویں پر کنٹرول کا مطلب طاقت اور خوشحالی تھی۔ اور کئی یہودی قبائل سمیت مختلف گروہ کنویں کے آس پاس آباد ہو

گئے۔ یہودی گروہوں نے یروشلم میں دوسرے ہیکل کی تباہی کے بعد بھی، اپنی پچھلی بستیوں سے نکالے جانے کے بعد، نخلستان میں آباد ہوئے ہوں گے۔ ایک تجارتی راستے پر ہونے کی وجہ سے، اس بستی میں پورے خطے سے لوگوں کی مسلسل آمد ہوتی رہی۔

570عیسوی میں، عرب جزیرہ نما کے ارد گرد کے سیاسی منظر نامے میں شمال میں فارسی سلطنت اور جنوب میں بازنطینی سلطنت شامل تھی۔ 500عیسوی تک، قریش کے قبیلے نے نخلستان پر قبضہ کر لیا تھا، اور آس پاس کے بدوؤں کے ساتھ پانی کی تقسیم کے لیے ایک معاہدہ کیا تھا۔ عرب جزیرہ نما کی سرحد سے ملحق کچھ ریاستیں عیسائی تھیں، بشمول ایک موقع پر یمن۔ کئی بستیوں کی نمائندگی کرنے والی یہودیت بھی عرب جزیرہ نما میں اچھی طرح سے قائم تھی۔ سعودی عرب میں نجران مسیحیت کے ظہور سے پہلے کئی صدیوں تک یہودیوں کا گڑھ رہا۔

عرب قبائل ان عالمی طاقتوں سے گھرے ہوئے تھے، جن پر مذہبی طور پر مسیحیت اور یہودیت کا غلبہ تھا۔ سیاسی طور پر، عرب منتشر اور پسماندہ تھے، انہیں اپنے ارد گرد کی طاقتور قوموں کے حملے اور کنٹرول کا مسلسل خطرہ تھا۔ ان کے مذاہب اب بھی غیر مربوط طور پر افسانوں، توہم پرستی، رسومات، روح پرستی، اور مختلف دیوتاؤں کی پوجا پر مشتمل تھے، جن میں سے کچھ ارد گرد کے ممالک کے گروہوں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان عرب مذاہب کو طاقتور اور (نسبتا) جدید یہودی اور عیسائی عقائد کے نظاموں سے خطرہ تھا۔ اس لیے ان کا اپنا ثقافت اور مذہب بحران کا شکار تھا۔

اس سے بھی بدتر، عرب قبائل دستیاب قلیل وسائل پر قابو پانے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل جنگ میں تھے۔ زندگی سستی تھی، اور صرف ایک مخصوص قبیلے کی رکنیت نے محدود تحفظ فراہم کیا۔ ان حالات میں، کنویں کے آس پاس

کے موجودہ مذاہب کو تبدیل کرنے کے لیے ایک نیا خدا تشکیل دیا جانا تھا۔

وہاں کا گاؤں، جو پہلے ہی مذہبی عبادت کا ایک اہم مرکز تھا، مکہ کے نام سے جانا جانے لگا۔ اگلے چند حصوں میں، ہم اللہ اور اس کے مذہب، اسلام کی ابتدا کا پتہ لگائیں گے۔

عرب میں پہلے مذاہب:

اسلام سے پہلے عرب میں کون سے خدا حکمرانی کرتے تھے؟ سعودی عرب میں اب بھی بہت سی اسلامی دور سے پہلے کی جگہیں مل جا سکتی ہیں، جن میں بنیادی طور پر پتھروں کے پرانے حلقے، قبرستان، پتھروں کے ڈھیر اور رسومات کے مناظر کی عکاسی کرنے والی متعدد ڈرائنگ شامل ہیں۔ کچھ چٹانوں پر تحریریں بھی نظر آتی ہیں، جو تجارتی راستوں کے ساتھ مرکوز ہیں ان تحریروں سے ہمیں اس خطے کے قدیم دیوتاؤں اور عقائد کے نظاموں کے بارے میں کچھ پتہ چلتا ہے۔ دیگر معلومات میں یونانی مصنفین کی ٹکڑے ٹکڑے تحریریں، سامی تحریریں اور بعد میں اسلامی ادب میں بیان شامل ہیں۔ آج کے اسلام میں بھی، ہم ان قدیم عقائد کی کچھ باقیات پا سکتے ہیں۔

اس وقت عرب دنیا میں مذہب زیادہ تر بتوں کی پوجا پر مشتمل تھا، جس میں بہت سے قبائل / علاقوں کا اپنا بت یا خدا تھا۔ چونکہ یہ قبائل ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں تھے، اس لیے انہیں ایک دوسرے کے بتوں کا بھی کچھ علم تھا۔ ان میں سے کچھ بتوں میں نباتاتی اور دیگر مذاہب کی بہت سی خصوصیات تھیں جو عرب سرحدوں پر ممالک میں رائج تھیں۔ کچھ شواہد سورج اور چاند کی پوجا کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ ہمارے پاس خود بتوں کے بارے میں زیادہ تر معلومات عرب اسکالر ہشام الکلبی نے اپنی کتاب کتاب الاصنام میں 821 عیسوی میں درج کی ہیں۔ مثال کے طور پر، ہم

جانتے ہیں کہ جنوبی یمن میں، ایک محبت کا دیوتا، "ود" کی پوجا مینائیوں نے کی تھی۔ المقاہ جنوبی عرب مملکت سبا کا چاند یا سورج دیوتا تھا۔ ایک اور اہم بت ذوالخلصہ تھا، جو سفید کوارٹج کا ایک تراشا ہوا ٹکڑا تھا جو مکہ کے قریب کھڑا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر بت مخصوص قربانیوں، رسومات اور قواعد سے منسلک تھے، جن میں سے کچھ جدید اسلام میں موجود ہیں۔ ان میں شامل ہیں:

- خدا کی برکت حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی۔
- طواف (مثال کے طور پر، کسی مقدس چیز کے گرد چکر لگانا)۔
- بال مونڈنا اور / یا خاص لباس پہننا۔
- حیض والی عورتوں کو مقدس اشیاء یا علاقوں کے قریب آنے سے منع کرنا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مکہ، وہ کنواں جہاں تجارتی راستے ملتے تھے، اسلام کے ظہور سے ہزاروں سال پہلے سے ہی ایک اہم عرب مذہبی مقام تھا۔ اب ہم نہیں جانتے کہ کیوں، کیونکہ وقت نے شواہد کے زیادہ تر نشانات مٹا دیے ہیں۔ یہاں تک کہ مقامی قبائل بھی اس کی مذہبی ابتدا کو بھول چکے ہیں۔ ہمارے پاس جو ایک اشارہ ہو سکتا ہے وہ کعبہ (مکہ کے مرکز میں ایک مذہبی عمارت) کے ایک کونے میں جڑا ہوا کالا پتھر ہے، جس کا ہر سال لاکھوں زائرین طواف کرتے ہیں۔

یہ خاص کالا پتھر مکہ میں پہلے چھوٹے مزار کی تعمیر کے بعد سے ہی ایک اہم مذہبی کردار ادا کرتا رہا ہے۔ تمام روایات کے مطابق، یہ ایک الکا کا باقی بچا ہوا حصہ ہے جو ہزاروں سال پہلے مکہ میں گرا تھا۔ قدیم نخلستان کے باشندے یقیناً حیرت زدہ رہ گئے ہوں گے کیونکہ آسمان روشنی اور دھوئیں کی چمک میں پھٹتا ہوا دکھائی دے رہا تھا، جس کے پیچھے یہ سلگتا ہوا کالا پتھر چھوڑ گیا تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ تیزی سے عبادت کا مقام بن گیا۔ متبادل طور پر، کالا پتھر کسی وجہ سے خاص سمجھا جا سکتا ہے، یعنی

اس کا منفرد رنگ اور احساس۔ اس طرح، یہ اہم ہو گیا اور پھر ایک بت کے طور پر مکہ لے جایا گیا۔

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے، اس وقت تک کعبہ پہلے سے موجود تھا، اور اس میں بہت سے بت رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ اگر کالے پتھر کی کبھی بھی بت کے طور پر پوجا نہیں کی گئی تھی، تو یہ واضح ہے کہ مختلف قبائل اپنے بتوں کو کعبہ میں یا اس کے قریب رکھنے کے لیے لاتے تھے۔ کعبہ کے ارد گرد کا مقام بھی مقدس تھا، اس زمین پر جنگ یا قتل ممنوع تھا، تاکہ تمام مختلف گروہ اپنے دیوتاؤں کی امن سے پوجا کر سکیں۔ سال میں ایک بار، بہت سے عرب قبائل اپنی عزت ظاہر کرنے اور کعبہ کا طواف کرنے کے لیے مکہ کا سفر کرتے تھے - یہ ایک ایسی رسم ہے جو اب بھی دہرائی جاتی ہے، کیونکہ مسلمان اللہ کے احترام میں طواف کرتے ہیں۔

اس طاقتور نئے خدا کی تخلیق کے بارے میں کچھ اشارے تلاش کرنے کے لیے، ہمیں اس وقت مکہ میں پوجا جانے والے سب سے اہم دیوتاؤں پر گہری نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

مکہ کی دیویاں:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج سے پہلے، مکہ کے سب سے اہم دیوتا تین دیویاں تھیں جن پر بدو، بشمول قریش قبیلہ، ایمان رکھتے تھے۔ دیویوں کے اپنے مزارات یا مندر تھے، کعبہ کی طرح، جن کا زائرین دیوی کے اعزاز میں جانوروں کی قربانی کرنے سے پہلے طواف کرتے تھے۔ یہ تمام مزارات، جو مکہ کے قریب واقع ہیں، میں شامل ہیں:

1. نخلہ کے قریب العزیٰ کا مزار

2. طائف کے قریب اللات کا مزار
3. قدید کے قریب منات کا مزار

ان تینوں کی اصل نامعلوم ہے، لیکن انہیں غالباً قریبی تہذیبوں سے درآمد کیا گیا تھا۔ ہم کتاب الاصنام (فارس، 1952) سے اسلام کی پیدائش سے پہلے مکہ میں مذہبی طریقوں کے بارے میں کچھ سمجھ حاصل کر سکتے ہیں:

> "ان تمام بتوں میں سب سے قدیم منات تھی۔ عرب [اپنے بچوں] کا نام عبد المنات اور زید المنات رکھتے تھے۔ منات کو مدینہ اور مکہ کے درمیان قدید میں المشلل کے قریب ساحل سمندر پر نصب کیا گیا تھا۔ تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے سامنے قربانی کرتے تھے۔ اوس اور خزرج، نیز مدینہ اور مکہ اور ان کے آس پاس کے باشندے منات کی تعظیم کرتے، اس کے سامنے قربانی کرتے اور اس کے لیے اپنی نذریں لاتے تھے۔ اوس اور خزرج، نیز یثرب اور دیگر مقامات کے لوگوں میں سے وہ عرب جو ان کے طریق زندگی پر چلتے تھے، حج پر جاتے اور تمام مقررہ مقامات پر شب بیداری کرتے، لیکن اپنے سر نہیں منڈواتے تھے۔ تاہم، حج کے اختتام پر، جب وہ گھر واپس آنے والے ہوتے تھے، تو وہ اس جگہ پر جاتے جہاں منات کھڑی ہوتی تھی، اپنے سر منڈواتے تھے، اور وہاں کچھ دیر ٹھہرتے تھے۔ وہ اپنے حج کو مکمل نہیں سمجھتے تھے جب تک کہ وہ منات کے پاس نہ جاتے"۔

لیکن بہت جلد ایک انقلاب برپا ہونا تھا، اور چند ہی سالوں میں ان دیویوں اور زیادہ تر

دوسرے دیوتاؤں کو تباہ اور فراموش کرا دیا گیا، جن کی جگہ نیا خدا اللہ نے لے لی۔ اس سے پہلے، تمام دیوتاؤں کا ایک ساتھ امن سے وجود تھا، ہر قبیلہ دوسروں کے دیوتاؤں کا احترام کرتا تھا۔ یہ سلسلہ اسلام کے ساتھ ختم ہوا: اس وقت سے، صرف ایک ہی خدا سچا خدا تھا۔ باقی سب جھوٹے اور برے تھے، اور انہیں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ نیا مذہب اور اس کا خدا مکہ کے آس پاس کے مذہبی منظر نامے کو ہمیشہ کے لیے بدل دے گا۔ اور اس کے فوراً بعد، اسلامی فوجیں زیادہ تر عرب جزیرہ نما اور پڑوسی سلطنتوں میں نئے خدا اور مذہب کو متعارف کرانے کے لیے داخل ہوں گی۔

دنیا کو بدلنے والا شخص:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم 570 عیسوی میں مکہ کے قبیلے ہاشم میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب ان کی والدہ ابھی ان کے ساتھ حاملہ تھیں، ان کی بیوی کے پاس پانچ اونٹ اور ایک باندی چھوڑ گئے۔ جب وہ چھ سال کے تھے تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا، اور ان کی پرورش ان کے دادا عبدالمطلب نے کی۔ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں، لیکن ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ نوجوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس مذہبی پس منظر اور اثرات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

مکہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے، انہوں نے کعبہ کے ارد گرد مذہبی عبادت اور اس مقدس جگہ کی مسلسل زیارت کا تجربہ کیا اور اسے دیکھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے دادا، جو پہلے ہی بہت بوڑھے تھے، اپنا بستر کعبہ میں لے جاتے تھے، جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ارد گرد کھیلتے تھے۔ کعبہ کے آس پاس ہونے والی رسومات اور طریقوں نے یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواس اور مذہب اور دیوتاؤں کے

بارے میں شعور کو بیدار کیا ہو گا۔ کعبہ کے قریب ہی ایک مضبوط یہودی برادری بھی تھی، جسے عرب "اہل کتاب" کہتے تھے۔ یہ ایک ایسا گروہ تھا جس کا اپنا الگ مذہب، تعلیمات اور طریقے تھے، جو کعبہ کے گرد گھومنے والے عرب بتوں / دیوتاؤں کے بالکل برعکس تھے۔

اپنے دادا کی وفات کے بعد، آٹھ سال کی عمر میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے پاس چلے گئے۔ نو عمری میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ پڑوسی ممالک کے قافلوں میں تجارت کے لیے جانے لگے۔ اس سفر نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی، عیسائی اور فارسی عقائد کے نظاموں سے بھی روشناس کرایا۔ روایت کے مطابق، کم عمری میں ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک عیسائی راہب سے ہوئی جس نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ نبی ہوں گے۔ ان سب نے یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہب اور زندگی کے بارے میں سمجھ کو شکل دی ہو گی۔

اس طرح، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مذہب، عام طور پر عربی مذاہب، یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب اور مختلف فارسی مذہب کا بھی علم تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کے ایک ایسے گروہ کا حصہ رہے ہوں جو یہودیوں کی طرح ایک خدا پر یقین رکھتے تھے۔ مذاہب کے اس کائنات نما میں، مکہ کے سیاسی پس منظر کے خلاف، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارد گرد موجود مختلف عقائد کے نظاموں میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے اندرونی طور پر استدلال اور جدوجہد کی ہو گی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک باصلاحیت شخصیت تھے، جن میں لوگوں کو متحد کرنے اور چیلنجنگ حالات میں صلح پسندانہ حل تلاش کرنے کی منفرد صلاحیت

تھی۔ ایک بیان کردہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب قریش نے کعبہ کی تزئین و آرائش کا فیصلہ کیا، جس کی وجہ سے اس بات پر شدید بحث ہوئی کہ کون سا قبیلہ مقدس کالے پتھر کو واپس اپنی جگہ پر رکھے گا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک قافلے سے واپسی پر، طواف کرنے کے لیے کعبہ گئے تھے۔ ان سے مشورہ مانگے جانے پر، انہوں نے کالے پتھر کو ایک چادر میں ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور ہر قبیلے کو چادر کے کنارے کو پکڑنے اور اس طرح اسے اپنی جگہ پر رکھنے کا کہا۔

عربوں کے لیے ایک خدا کی تخلیق:

40 سال کی عمر میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مضافات میں ایک غار میں جانا شروع کیا، جو جبل حرا کے نام سے مشہور پہاڑ میں ہے۔ وہ وہاں وقت کیوں گزارنا چاہتے تھے؟ کیا یہ تنہائی تلاش کرنے، زندگی کے مقصد کے بارے میں استدلال کرنے اور ان مختلف مذاہب کو سمجھنے کے لیے تھا جن سے وہ روشناس ہوئے تھے؟ غار کا ماحول روزمرہ کی زندگی سے خود کو الگ کرنے اور دنیا کے بارے میں زیادہ آگاہ ہونے کے لیے بہترین ذریعہ فراہم کرتا ہے، کیونکہ غار کے ماحول اور صحرا کی خاموشی میں انسان کے حواس اور شعور بدل جاتے ہیں۔ غار کی تنہائی میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نئے خیالات وضع کرنا شروع کیے، اپنے زمانے کے سیاسی اور مذہبی مسائل کے جوابات تلاش کیے۔ اپنے مذہبی علم اور اندرونی استدلال کا استعمال کرتے ہوئے، انہوں نے اپنے لوگوں کے لیے ایک نیا مذہب قائم کرنے کی طرف کام کرتے ہوئے، ان مختلف عقائد کے نظاموں میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کی ہوگی جنہیں وہ جانتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی جدوجہد کا اختتام ایک دن غار میں ان

کے تجربے میں ہوا۔ جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے، ایک فرشتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جب وہ غار کے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرشتے کو مسترد کر دیا، لیکن اس نے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ جب تیسری بار ایسا ہوا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تھکن کی حد تک پہنچ چکے تھے اور اعلان کیا جیسا کہ فرشتے نے ان سے کہا تھا:

"الرحمن الرحیم کے نام سے۔۔۔پڑھو،
اپنے رب کے نام سے!
جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا!
پڑھو، کیونکہ تمہارا رب بہت کریم ہے!
جس نے قلم سکھایا!
انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا!

پہلی بار، عرب جزیرہ نما میں "خدا کا کلام" بولا گیا۔ اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ترجمان بن گئے۔ یہ تجربہ اگلے 20 سالوں میں کئی بار دہرایا جانا تھا، جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مذہبی تجربہ یا کیفیت ہوتی تھی جس کے دوران خدا کے الفاظ نازل ہوتے تھے۔

غار میں حضرت محمد ﷺ کا تجربہ:

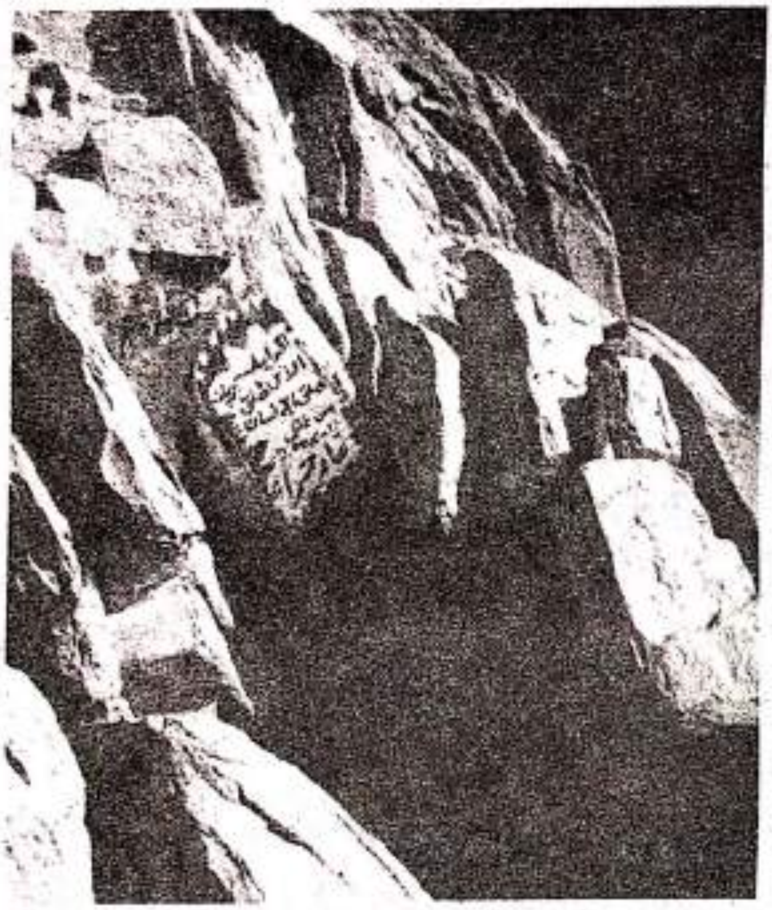
آیئے غار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تجربے پر گہری نظر ڈالتے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ذہنی جدوجہد کی وجہ سے روشن خیالی کے ایک لمحے سے گزرے، جس کا اختتام ایک مذہبی تجربے اور وحی پر ہوا۔ کیا یہ الٰہی مداخلت تھی یا ذہنی جدوجہد کا نفسیاتی رد عمل، جس کا اختتام کسی حل پر ہوا؟ زیادہ تر مذاہب میں

وحی ہوتی ہے، اور بہت سے مذہبی رہنمایابانی الہی ملاقات کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیکن یہ نام نہاد مذہبی تجربات کیا ہیں؟ ٹھیک ہے، انسان کبھی کبھی انتہائی جذباتی تجربات سے گزر سکتے ہیں جس میں وہ خوشی، فلاح و بہبود، الہام اور حیرت کے شدید جذبات کا تجربہ کرتے ہیں۔ اس طرح کے وضاحت کے لمحے میں، ہمارے حواس اعلیٰ سطح پر کام کرتے ہیں، اور ہم اپنی دنیا کو دور سے دیکھتے ہیں۔ ہم اپنی دنیا کو شعور کی ایک تبدیل شدہ حالت سے سمجھتے ہیں۔ اور بہت سے معاملات میں اعلیٰ سچائی کے بارے میں شعور کا بھی تجربہ کرتے ہیں، جس کے ساتھ کسی نامعلوم یانادیدہ چیز کا شدید احساس ہوتا ہے۔

فرد کی مذہبی پس منظر پر منحصر ہے، وہ اسے ایک الٰہی یامافوق الفطرت تجربے کے طور پر تشریح کر سکتا ہے۔ یہ تجربات عام طور پر اچانک آتے ہیں، اور اکثر محبت کے شدید جذبات، فطرت کی خوبصورتی، یامراقبہ سے متحرک ہوتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے ایسے تجربات کیے ہوں گے۔ شاید تنہا پہاڑ پر، آندھی کا منظر دیکھتے ہوئے، ایک خاموش ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے، صبح سویرے خود کو ایک ویران ساحل پر پاتے ہوئے۔ فرد مقصد اور بلندی کے احساس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ جب کسی فرد کو مشکل انتخاب یا فیصلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو "جواب" اسے چمکتی ہوئی وضاحت میں مل سکتا ہے۔ فرد عقیدے کو صحیح سمجھ کر اندرونی طور پر قبول کرتا ہے اور باقی تمام کو مسترد کر دیتا ہے، جس سے وہ مطمئن ہو جاتا ہے، مقصد کے احساس سے سرشار ہو جاتا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا محرک کیا تھا؟ وہ مختلف سچائیوں اور مذاہب کے جوابات تلاش کرنے کے لیے کشتی کر رہے تھے جنہیں وہ جانتے تھے۔ وہ عرب عوام کے سماجی وسیاسی تنازع کا حل تلاش کرنے کے لیے بھی جدوجہد کر رہے تھے۔ پہاڑ کی خاموشی میں غار میں اکیلے بیٹھے، دن کی طلوع فجر اور صحرا کی ویرانی کو دیکھ

کر، یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر معمولی اثر پڑا ہو گا۔ اس نے ان کے حواس کو بیدار کر دیا اور، ایک عظیم موجد کی طرح جو آخر کار ایک پیش رفت کرتا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فرشتے کی شکل میں ایک مذہبی تجربہ ہوا اور انہیں خدا کے الفاظ کہنے پر مجبور کر دیا: ایک وحی جو غار کی تنہائی میں ان کی نفسیاتی حالت سے متاثر تھی۔



حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب پایا وہ ایک خدا کی صورت میں تھا، جسے انہوں نے یا تو یہودیوں سے مستعار لیا تھا یا حنفیین سے بلند کیا تھا جس پر پہلے ہی کچھ عرب قبائل یقین رکھتے تھے۔ اگلے 20 سالوں تک، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدا اور اس کے مذہب کو مزید آگے بڑھایا۔

آج ہم دماغ کے اعصابیات کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں جو اس طرح کی

روحانی بیداری یا تجربات کو متحرک کرتا ہے۔ شحر ارزیا وغیرہ، اپنے مقالے "وحی پہاڑوں پر کیوں ہوئی ہے؟ صوفیانہ تجربات اور علمی اعصابیات کو جوڑنا"(2005) میں موجودگی کو محسوس کرنے اور سننے، ایک شخصیت کو دیکھنے، روشنیاں دیکھنے اور اونچائی اور حسی محرومی کے نتیجے میں خوف محسوس کرنے جیسے اجزاء کو بیان کرتے ہیں۔ یہ وحی کو آسان بنانے کے لیے دماغ کے فعلی اور اعصابی میکینزم کو متاثر کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ غار کی تنہائی، حسی محرومی اور یہاں تک کہ اونچائی دماغ میں تبدیلیاں لاتی ہیں جو روحانی بیداری یا انتہائی تجربات کو متحرک کرتی ہیں۔

اپنی ابتدائی وحی کے بعد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غار سے تھکے ہوئے گئے، یہ سوچ کر کہ وہ جن کے قبضے میں آ گئے ہیں، کیونکہ انہوں نے ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی، "تم خدا کے رسول ہو، اور میں جبرائیل ہوں"۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی خدیجہ کے پاس گئے، اور انہیں اپنی آزمائش کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے انہیں تسلی دی اور اپنے نابینا کزن ورقہ کو بلایا، جو ایک عیسائی تھا جس کے پاس بہت زیادہ مذہبی دانش تھی۔ ورقہ نے بھی اس بات پر اتفاق کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا نبی چنا گیا ہے۔ یہ قرآن کی وحی کا آغاز تھا، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک تقریباً 23 سال تک جاری رہی۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ فرشتہ جبرائیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہوا۔ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی یہودی صحیفوں اور عیسائی مذہب سے جبرائیل کے بارے میں جانتے تھے؟ جبرائیل دانیال کی کتاب میں ظاہر ہوتا ہے، اور وہ رسول بھی تھا جس نے مریم کو پیغام دیا تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیں گی۔ جبرائیل کا تصور کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی یہودی اور عیسائی مذاہب کے عقائد میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ یا تو ایسا ہی ہے، یا پھر

جن لوگوں نے بعد میں قرآن کی تدوین کی انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہونے والے فرشتے کو فرشتہ جبرائیل کے طور پر تشریح کی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے پیغامات:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے پیغام کی تبلیغ اپنے خاندان اور دوستوں کے ایک قریبی حلقے میں کی۔ مکہ میں ایک اچھی عزت رکھنے اور اپنے کرزما کا استعمال کرتے ہوئے، انہوں نے زیادہ لوگوں کو اپنی بات سننے کے لیے متوجہ کیا۔ ان کے پیغام میں نیا مذہبی فریم ورک شامل تھا جو انہوں نے جبل حرا کے غار کے اپنے تنہا سفر کے دوران تیار کیا تھا، ایک ایسا فریم ورک جس پر وہ اب اپنی وحی کے بعد یقین رکھتے تھے۔ ان کی بیوی ان پر ایمان لانے والی پہلی خاتون بن گئیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آہستہ اپنی حمایت کی بنیاد تیار کی۔ لیکن ان کی تبلیغ صرف ایک مذہب سے زیادہ تھی۔ یہ قائم شدہ نظام کے خلاف ایک انقلابی تحریک بھی تھی۔ اس طرح، ان کے پیغام نے تیزی سے مخالفت کو متوجہ کیا، مکہ میں بہت سے لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی شدید مخالفت کرتے تھے کیونکہ اس سے موجودہ دیوتاؤں اور کعبہ کو خطرہ تھا۔

جیسے جیسے زیادہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے لگے، ان کی مخالفت بڑھتی گئی، اور نئے مذہب پر عمل کرنے والوں کے خلاف سخت اقدامات کیے جانے لگے۔ ان کی جان کو خطرہ تھا۔ اور جب ان کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو ان کی زیادہ تر حفاظت ختم ہو گئی۔ ان مشکل وقتوں میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا سب سے شدید روحانی تجربہ کیا۔ کعبہ کی اپنی ایک رات کی زیارت کے دوران، وہ اس کے پاس سو گئے۔ اپنی نیند میں انہیں فرشتہ جبرائیل

یروشلم لے گیا، اور وہاں سے وہ آسمان پر چڑھ گئے۔ اپنے سفر کے دوران، انہوں نے خدا کے پہلے انبیاء، بشمول ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سے بات کی۔ آخر کار، جبرائیل انہیں اللہ کے پاس لے گیا، جہاں اللہ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے لوگوں سے دن میں 50 بار نماز پڑھنے کو کہیں۔ ان کے اُترنے پر، موسیٰ نے ان سے بحث کی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان کے لوگ کبھی بھی ایسا نہیں کر پائیں گے۔ کئی بار واپس جانے اور کمی کی درخواست کرنے کے بعد، آخر کار روزانہ کی نمازوں کی تعداد پانچ کر دی گئی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں یہودی انبیاء اور ان کا مذہب بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ در حقیقت، ان کی وحی جنت میں آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تک، یہودی اور عیسائی صحیفوں سے تقریباً ملتی جلتی ہے۔ یہ علم صرف ارد گرد کے عیسائی اور یہودی لوگوں کے ساتھ قریبی رابطے کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے قیامت کے دن اور مردوں کی قیامت کے یہودی۔ مسیحی تصورات کو بھی اپنایا۔ نئے تصورات جو پرانے عرب مذاہب کے لیے اجنبی تھے۔

در حقیقت، اس بات کا بہت زیادہ امکان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عرب یہودی پادری کے طور پر تعلیم دی گئی ہو۔ وہ جو پیغام پھیلا رہے تھے وہ بنیادی طور پر یہودی مذہب کا تھا۔ کسی بھی صورت میں، عرب اور یہودی ایک دوسرے سے عملی طور پر ممتاز نہیں تھے، ایک ہی زبان اور جسمانی ظاہری شکل والے سامی لوگ تھے۔

لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہودی نہیں تھے۔ اور اس کے لیے انہوں نے انہیں مسترد کر دیا، کیونکہ یہودی خدا صرف یہودی نسل، منتخب لوگوں کے

لیے تھا۔ وہ یہودی مذہب کی تبلیغ کر سکتے تھے، لیکن ان کے لوگوں میں سے کسی کو بھی یہودی کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ ان کی رد سے مایوس ہو کر، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ یہودیوں کے دوست سے بڑھ کر ایک دشمنی پر مبنی مخالف بن گئے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ان کا مذہب زیادہ عرب مرکزیت والا ہوتا گیا کیونکہ انہوں نے اسے موجودہ عرب مذہبی طریقوں کے ساتھ جوڑ دیا۔

بالآخر، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کرنا شروع کر دی کہ یہودی اور عیسائی لوگ گمراہ ہو گئے ہیں، اور اس وجہ سے ان کے عقائد سچے اور اصل عقیدے سے خراب ہو گئے ہیں۔ قرآن سے:

> بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے تھے اور اللہ نے کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرو اور اللہ کو اچھا قرض دو تو ضرور میں تمہاری برائیاں ڈھانپ دوں گا اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور اس کے بعد جو کفر کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔
>
> اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں میں سختی پیدا کر دی یہاں تک کہ وہ کلام کو اس کی جگہوں سے بدل دیتے ہیں اور وہ اس چیز کا ایک حصہ بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی۔
>
> اور تم ان میں سے تھوڑے کے سوا مسلسل خیانت دیکھتے رہو گے پس انہیں معاف کر دو اور ان سے درگزر کرو بے شک اللہ

نیکوکاروں سے محبت کرتا ہے۔

اور ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں ہم نے عہد لے لیا ہے لیکن وہ اس چیز کا ایک حصہ بھول گئے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی پس ہم نے ان میں قیامت کے دن تک دشمنی اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے کہ وہ تمہیں کتاب کی بہت سی ایسی باتیں بیان کرے جنہیں تم چھپاتے رہے ہو اور بہت سی باتوں سے درگزر کرے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن اور ایک واضح کتاب آئی ہے۔ اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں امن کے راستوں کی طرف اور انہیں اپنے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

بیشک کفر کرتے ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح مریم کا بیٹا ہے کہہ دو کہ پھر اللہ اگر مسیح مریم کے بیٹے اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے؟

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں، یہودیوں اور عیسائیوں نے خدا کی نشانیوں اور خدا کے الفاظ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خراب ہونے سے پہلے حقیقی عقیدے کی تلاش میں تاریخ میں واپس چلے گئے، اور اس طرح ابراہیم کو مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا، ابراہیم کو حقیقی مانتے ہوئے، جیسا کہ نیچے

قرآن میں ہے:

کہہ دو کہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی ہدایت فرمائی ہے ایک درست دین ملت ابراہیم حنیف کی اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

آج مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کے غیر خراب شدہ اصل توحیدی عقیدے کا بحال کرنے والا سمجھتے ہیں۔

622 عیسوی تک، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ میں رہنا بہت خطرناک ہو گیا تھا، ان کی جان کو روزانہ خطرہ لاحق تھا۔ مکہ کے قریب یثرب واقع تھا، جہاں انہیں اچھی حمایت حاصل تھی۔ تاہم، یثرب سیاسی افراتفری کا شکار تھا، دو مخالف عرب قبائل اور اس وقت کی بڑی یہودی برادری کے درمیان مسلسل تصادم کا شکار تھا۔ انہیں اپنی دشمنی کا خاتمہ کرنے کے لیے ایک مضبوط رہنما کی ضرورت تھی۔ یثرب - جسے آج مدینہ کہا جاتا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفظ فراہم کیا، اس لیے انہوں نے اپنے پیروکاروں (تقریباً 70 خاندانوں) کو حکم دیا کہ وہ توجہ مبذول نہ کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں مکہ چھوڑ کر یثرب چلے جائیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحرا میں چلے گئے، بالکل اسی وقت جب مکہ والوں نے، بغاوت کا شبہ ہوتے ہوئے، ان کے گھر پر حملہ کیا۔ یہ واقعہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں خیر مقدم کیا گیا، جہاں وہ ایک سیاستدان، منتظم اور عوامی مشیر بنے۔ مدینہ کی معاشرے کو فوری طور پر رہنمائی اور قیادت کی ضرورت تھی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاست اور استحکام فراہم کیا۔ لیکن اپنے نئے مقام کے باوجود بھی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متواضع

رہے، ایک عام گھر میں رہتے تھے۔ دولت ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنے پیغام میں اتنے کامیاب کیوں ہوئے؟ کیونکہ وہ تبدیلی لے کر آئے، اور یہ نہ صرف ایک مذہبی بلکہ عرب کے لوگوں کے لیے ایک سیاسی انقلاب کا بھی آغاز ثابت ہوا، جس نے ان کے لوگوں کو متحد ہونے اور اپنی سیاسی خواہشات کو پورا کرنے کی اجازت دی۔ تمام انقلابات کی طرح، تبدیلی کو متحرک کرنے کے لیے ایک خاص حالات کی ضرورت ہوتی ہے، اور 622 میں مدینہ نے ایک انقلاب کے لیے زرخیز زمین فراہم کی۔ اس طرح کے انقلاب کو بھڑکانے کے لیے درکار عام خصوصیات میں شامل ہیں:

- حکمران طبقے اور ان کی شان و شوکت والے طرز زندگی کے خلاف عوامی ناراضگی۔
- عام لوگوں میں سماجی و اقتصادی حالات اتنے ناامید ہیں کہ وہ زندہ رہنے کے لیے تشدد کا سہارا لینے کو تیار ہیں۔
- کوئی امید نہیں کہ موجودہ نظام ان کے موجودہ حالات کو حل کر سکتا ہے۔

ان میں سے زیادہ تر حالات مدینہ میں موجود تھے، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ ضرورت کی تبدیلی لانے کے قابل تھے۔ اب تک، موجودہ عرب مذاہب کو ان کے ارد گرد کی طاقتور اور بااثر تہذیبوں سے نئے خیالات اور نظریات کے انجیکشن کا سامنا تھا۔ ایک قادر مطلق خدا کا خیال مدینہ والوں کو اپیل کرتا تھا، کیونکہ یہ خدا انہیں مکہ کے بڑھتے ہوئے دشمن شہر اور خطے کے دیگر قبائل سے محفوظ رکھے گا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پہلی بار ان کے پاس ایک ایسا مذہب تھا جو پرانے قبائلی اتحاد پر منحصر نہیں تھا۔ نئے مذہب میں، امیر اور غریب دونوں اللہ کے سامنے برابر تھے۔ اب خاندان جس میں کوئی پیدا ہوا ہے وہ اس کی قسمت کا تعین نہیں کرے گا۔

اللہ پر ایمان تعیین کرے گا۔

زیادہ تر انقلابات کی طرح، انتہائی غریب، مظلوم اور غلام جن کا کوئی مستقبل نہیں تھا، وہ اس مذہب کو قبول کرنے والے پہلے لوگ تھے۔

بہت جلد، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ پیروکار ہو گئے۔ وہ دو متحارب عرب قبائل میں صلح کرا کر مدینہ کی برادری کو جوڑنے میں بھی کامیاب ہوئے، ایک ایسی کامیابی جس کے نتیجے میں بعد میں مدینہ کا آئین وجود میں آیا۔ اس معاہدے نے اس پہلی سچی اسلامی برادری میں مختلف گروہوں کے درمیان تعلقات کی وضاحت کی۔ یہ حیرت انگیز طور پر جدید ترقی تھی، جہاں لوگ تشدد کا سہارا لینے کے بجائے کسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو ایک بہت ہی قابل سیاستدان ثابت کیا۔ ان کے پہلو میں ایک کانٹا یہودی برادری تھی، جس نے ان کے اختیار کو چیلنج کیا اور انہیں دھوکے باز کہا۔ ان کا ماننا تھا کہ وہ خدا کے منتخب لوگ ہیں، اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مذہب کا ایک توہین آمیز ورژن بیان کر رہے ہیں۔

اس وقت تک، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو خدا کا رسول منوانے لگ گئے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ یہودی مخالفت کو خاموش کرنے کے لیے اقدام کریں گے۔

یروشلم کی جگہ مکہ نے لے لی:

بنیادی طور پر، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نئے عربی مذہب کو تشکیل دینے کے لیے یہودی اور عیسائی عقائد کے عناصر کو ملا دیا تھا، اور اس مرحلے پر، وہ اب بھی یروشلم کو اپنے مذہب کا مرکز بیان کرتے تھے۔ لیکن کعبہ موجودہ

عرب مذاہب کے لیے بہت پیارا تھا۔ اور ذہانت کے ایک شاہکار میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یروشلم کی جگہ کعبہ کو رکھ دیا۔ اس سے پہلے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروکاروں کو یروشلم کی طرف نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ لیکن الہٰی حکم سے، انہوں نے اسے کعبہ میں تبدیل کر دیا۔ اس کے ساتھ وہ موجودہ عربی عقائد کو ابراہیمی مذاہب کے ساتھ جوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ نئے مذہب کے لیے تبدیلی تقریباً مکمل ہو چکی تھی، پہلے مشرق وسطیٰ اور بعد میں دنیا بھر میں اس کے پھیلنے کا مرحلہ طے تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے سے ان کے اور قریش قبیلے کے درمیان دشمنی ختم نہیں ہوئی۔ درحقیقت، مکہ اور مدینہ کے درمیان دشمنی میں اضافہ ہوا، دونوں سخت عرب زمین میں کم ہوتے ہوئے وسائل کی لڑائی میں ایک دوسرے کے قافلوں پر چھاپے مارتے رہے۔ مکہ کی طرف سے حملے کا مسلسل خطرہ مدینہ میں روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن گیا اور ایک کامیاب حملے کا مطلب موت، اذیت اور پیاروں کا نقصان تھا۔ اس مسلسل خطرے نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طاقت کو مضبوط کرنے اور اسلام کو مزید آگے بڑھانے میں مدد کی۔ دریں اثنا، ان کی اصلاحات میں فوجی اصلاحات بھی شامل تھیں۔ پہلی بار، انہوں نے جدید فوجی حکمت عملیوں اور تکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے، عرب قبائل کو ایک فوج کے طور پر لڑنے کے لیے متحد کیا۔

اپنی کتاب اسلام کے پہلے عظیم جرنیل میں، رچرڈ گیبریل (2007) نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بغاوت کا استعمال کرتے ہوئے اپنے منافع کو مزید بڑھانے والے پہلے رہنماؤں میں سے ایک کے طور پر بیان کیا ہے۔ مدینہ والوں اور مکہ والوں کے درمیان پہلی بڑی جنگ 624 میں بدر میں ہوئی۔ یہ تنازع دنیا کی تاریخ میں

ایک اہم موڑ بن گیا۔ اس میں حصہ لینے والوں کو بہت کم معلوم تھا کہ ایک الگ تھلگ، خشک سالی کے شکار وادی میں یہ چھوٹی سی جنگ دنیا کو بدل دے گی۔

بدر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج 313 سے 1000 تک کم تھی، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے لیے اچھی طرح تیار تھے۔ اپنی بہتر فوجی مہارت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، انہوں نے ایک مضبوط دفاعی مقام سنبھالا اور آخر کار مکہ والوں پر فتح حاصل کی۔ ان کے سپاہی جنگ آزما اور بے خوف تھے، کیونکہ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ اگر وہ جنگ کے میدان میں گر بھی جائیں تو آخرت میں ابدی زندگی حاصل کریں گے۔ اس فتح نے اس خطے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت میں نمایاں اضافہ کیا، اور اسے اسلام کی توسیع کا آغاز سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم، جیت کے باوجود، بدر کی جنگ فیصلہ کن نہیں تھی۔ درحقیقت، اس کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان دشمنی میں اضافہ ہوا۔ بعد کی ایک جنگ میں مکہ والوں نے ایک قابل ذکر فتح حاصل کی، جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کو اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

مدینہ میں یہودی، جو طویل عرصے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خطرے میں تھے، نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مکہ والوں پر زور دیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں۔ مکہ والوں نے 10,000 آدمیوں کی فوج اکٹھی کی اور شہر پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ مقامی یہودیوں نے مکہ والوں کی حمایت کی ہے تو ان کی جنگی حکمت عملی تیز ہو گئی۔ مدینہ کے مسلمانوں نے یہودی قلعے کے خلاف 25 دن کا محاصرہ شروع کیا، جس کے بعد دونوں فریق ثالثی پر راضی ہو گئے۔ مسلم جرنیل سعد بن معاذ، جو پہلے یہودیوں کے اتحادی تھے، کو فیصلہ کرنا تھا۔ اعتراضات کے باوجود، انہوں نے فیصلہ دیا کہ یہودیوں کو تباہ کر

دیا جائے، کیونکہ وہ شہر کی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔

مردوں کو ان کے خاندانوں سے الگ کر کے قتل کر دیا گیا، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا۔ اس کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے مذہب کی راہ ہموار کرنے کے لیے یہودیت کو پسماندہ کر دیا گیا۔ اس مذہب کو قائم کرنے کے لیے بہایا گیا پہلا خون موسیٰ کے اپنے مذہب کو قائم کرنے کے لیے بہائے گئے خون سے مختلف نہیں تھا، تاکہ اس کا خدا حکمران رہے۔ اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلہ:

دریں اثنا، مکہ اب بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کی مزاحمت کر رہا تھا، اس لیے شہر پر فتح حاصل کرنے کے لیے ایک مختلف حکمت عملی کی ضرورت تھی۔ ایک قابل احترام عربی روایت نے راہ ہموار کی۔ مکہ کے تمام زائرین کو سال کے چند مہینوں کے لیے تحفظ فراہم کیا جاتا تھا۔ اور ایک ایسی رسم کے ذریعے جس کی صدیوں سے مسلسل عزت کی جاتی رہی، کسی بھی زائر کو کعبہ کی زیارت سے منع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ 628 میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل یا ہراساں کیے جانے سے روکنے کے لیے مقامی روایت پر انحصار کرتے ہوئے کعبہ کا حج کیا۔ وہ قربانی کے لیے متعدد جانوروں کے ساتھ ساتھ ایک بڑے سامان کے ساتھ کعبہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ کے قریب پہنچنے کے بعد، انہوں نے ایک پرامن دورے کے لیے مذاکرات کرنے کے لیے ایک وفد بھیجا۔ مکہ والے، ان کی فوج کی طاقت کو جانتے ہوئے، 10 سالہ صلح پر راضی ہو گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہر حکمت عملی ساز تھے، اور اگرچہ وہ ابھی مکہ کو فتح کرنے کے لیے اتنے مضبوط نہیں تھے، لیکن انہوں نے مقامی بدوؤں کے

ساتھ قریبی تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے۔ ان کی شہرت اور طاقت میں اضافہ ہوا، کیونکہ زیادہ قبیلے کے سردار جھگڑوں کو حل کرنے کے لیے ان کی حمایت اور مدد پر انحصار کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ وہ اس خطے میں بے مثال اتھارٹی بن گئے۔ یہاں تک کہ مکہ کے ارد گرد کے دشمن قبائل بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ یہ ذہنوں اور دلوں کی جنگ تھی۔ اور مکہ والوں سے انجان، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیہی علاقوں میں جنگ جیت رہے تھے۔ اس کے برعکس، مکہ میں سیاسی اتحاد اور مرکزی قیادت کی کمی تھی۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اثر و رسوخ کی نشانیوں کو دیکھنے کے لیے آپس کی لڑائی اور اپنے اندرونی تنازعات اور دشمنیوں کو حل کرنے میں بہت مصروف تھے۔

مکہ کے ساتھ صلح کے باوجود، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے قافلوں پر حملہ کرنے والے کچھ ڈاکو گروہوں کی حمایت کی اور ان کی مدد کی۔ اس نے مکہ کو مزید الگ تھلگ کر دیا، کم از کم معاشی طور پر۔ جلد ہی صلح مکمل طور پر ٹوٹ گئی، مکہ کی آخری فتح کا مرحلہ طے ہو گیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری محاصرے کے لیے احتیاط سے تیاری کی، اپنی فوج اور ان کی تربیت کو مکہ والوں سے چھپا رکھا۔ یکم جنوری 630 کو، وہ 3,000 آدمیوں کی فوج کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جیسے جیسے وہ مکہ کی طرف بڑھے بہت سے بدو ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے، جس سے ان کی فوج 10,000 تک پہنچ گئی: ان دنوں کے لیے ایک طاقتور فوج۔ جیسے ہی ان کی فوج مکہ کے قریب پہنچی، مکہ والوں کو احساس ہوا کہ انہیں مات دے دی گئی ہے، اور ان کے پاس پیش کرنے کے لیے بہت کم مزاحمت ہے۔ آخری، مایوس کنندہ کارروائی میں، انہوں نے صلح کے لیے مذاکرات کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر سمیت ایک وفد

بھیجا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معافی کا اعلان کرنے اور ہتھیار ڈالنے والوں کو بچانے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں رہیں گے انہیں کعبہ کی قداست کی طرف سے پیش کردہ تحفظ کی طرح تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

مکہ پر فتح:

یہ پیغام مکہ والوں تک پہنچایا گیا، اور ایک شدید بحث کے بعد، مکہ والوں کو احساس ہوا کہ ان کے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کو شکست دینے کا بہت کم موقع ہے، کیونکہ وہ جنگ کے لیے تیار نہیں تھے اور گھیرے میں تھے۔ ان کے ارد گرد کے بدو قبائل بھی کٹ گئے تھے، اور ان سے کسی حمایت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ جلد ہی سڑکیں ویران ہو گئیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاروں طرف سے مکہ میں داخل ہوئے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ شہر گر گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب جزیرہ نما کے مذہبی مرکز پر مکمل فتح یاب ہو گئے۔ اس نے انہیں اپنے مذہب کی ابتدائی ترقی کو مکمل کرنے کے لیے آخری موقع فراہم کیا جس کی انہیں ضرورت تھی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں گئے اور فوری طور پر تمام بتوں (دیوتاؤں) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اسی طرح، انہوں نے مقامی گھروں میں تمام بتوں کو تباہ کرنے کا حکم دیا: کیونکہ اس کے بعد سے، انہوں نے اعلان کیا، ان زمینوں میں صرف ایک ہی خدا ہو گا جن پر ان کا کنٹرول ہے، ابراہیمی خدا کا ایک عربی ورژن جسے اللہ کہتے ہیں۔ اپنی حفاظت کے لیے، بہت سے مکہ والے اپنے مختلف چھوٹے مذاہب سے اسلام میں تبدیل ہو گئے، کیونکہ موسیٰ کا خدا عرب عوام کے اللہ کے طور پر اپنے نئے لبادے میں طاقت حاصل کرتا گیا۔

پرانے دیوتاؤں پر فتح:

اب جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور مکہ کو اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا، اسلام کی توسیع سنجیدگی سے شروع ہو سکتی تھی۔ ان سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح، صرف ایک ہی خدا ہونا تھا۔ جو لوگ اسے قبول نہیں کرتے تھے وہ نہ صرف اس کے نااہل تھے، بلکہ وہ برے تھے اور انہیں عوامی بھلائی کے لیے خطرہ کے طور پر دور کرنا ضروری تھا۔ ایک ایسا تصور جو آج کے ابراہیمی مذاہب میں اب بھی زندہ اور موجود ہے۔

تاہم، زیادہ تر عرب اب بھی اپنے پتھر کے بتوں کی تعظیم کرتے تھے، اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے انہیں منظم طور پر تباہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کی تباہی کتاب الاصنام میں اچھی طرح بیان کی گئی ہے۔ اس وقت، پوجا جانے والے تین اہم مقامی عرب دیوتا اللات، العزیٰ اور منات تھے۔ العزیٰ سب سے پہلے جانے والوں میں سے ایک تھی۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا تو انہوں نے خالد بن ولید کو اس معاملے کو حل کرنے کے لیے بھیجا، بیان کرتے ہوئے (فارس، 1952):

> نخلہ کی وادی میں جاؤ۔ وہاں تمہیں تین درخت ملیں گے۔ پہلے کو کاٹ دو۔ خالد نے جا کر اسے کاٹ دیا۔ واپس رپورٹ کرنے پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، کیا تم نے وہاں کچھ دیکھا ہے؟ خالد نے جواب دیا اور کہا، نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جانے اور دوسرے درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔ وہ گیا اور اسے کاٹ دیا۔ واپس رپورٹ کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے دوسری بار ان سے پوچھا، کیا تم نے وہاں کچھ دیکھا ہے؟ خالد نے جواب دیا، نہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جانے اور تیسرے درخت کو کاٹنے کا حکم دیا۔ جب خالد مقام پر پہنچے تو انہوں نے ایک حبشی عورت کو بکھرے ہوئے بالوں اور اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں پر رکھے، دانت پیستے اور کراہتے ہوئے پایا۔ اس کے پیچھے دبیہ السلمی کھڑا تھا، جو اس وقت العزیٰ کا نگہبان تھا۔ جب دبیہ نے خالد کو قریب آتے دیکھا تو اس نے کہا: اے العزیٰ! اپنا پردہ ہٹا اور اپنی آستینیں چڑھا۔ اپنی طاقت اکٹھی کر اور خالد کو ایک ناقابل فراموش وار کر۔ کیونکہ جب تک تم اسے آج ہی قتل نہیں کر دو گی، تم رسوائی اور شرمندگی کے لیے محکوم ہو جاؤ گی۔

عورت کی طرف مڑتے ہوئے، خالد نے اسے ایک وار کیا جس نے اس کا سر دو حصوں میں کاٹ دیا، اور دیکھو، وہ راکھ میں تبدیل ہو گئی۔ پھر اس نے درخت کو کاٹ دیا اور نگہبان دبیہ کو قتل کر دیا، جس کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا اور انہیں اپنے کارنامے کی رپورٹ کی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، وہ العزیٰ تھی۔ لیکن اب وہ نہیں رہی۔ عربوں کے پاس اس کے بعد کوئی نہیں ہو گا۔ یقینی طور پر اب اس کی کبھی پوجا نہیں کی جائے گی۔

منات کو اگلا تباہ کیا گیا (فارس، 1952):

"جب وہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ سے چار یا پانچ

راتوں کے فاصلے پر تھے، تو انہوں نے علی کو اسے تباہ کرنے کے
لیے بھیجا۔ علی نے اسے مسمار کر دیا، اس کے تمام [خزانے] لے
گئے، اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لے آئے۔

اللات کا بھی وہی حشر ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک آدمی کو طائف بھیجا تاکہ اسے تباہ کرے اور اس کے مندر کو مکمل طور پر جلا دے۔ ارد گرد کے لوگوں کو خبر دار کیا گیا تھا کہ وہ موت کی درد میں اس کے پاس واپس نہ جائیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ اس کی جگہ لینے والا تھا۔

عرب جزیرہ نما میں دیگر دیوتاؤں کی تباہی اور اخراج بے رحمی اور مسلسل تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے خدا کو مسترد کرنے والوں کو موت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاج کے ساتھ سفید کوارٹج بت کی شکل میں ذوالخلصہ خدا کے ایمان والوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کی مزاحمت کی۔ ایک بار پھر ان کی فوج نے فتح حاصل کر لی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجیں پورے عرب جزیرہ نما میں پھیل گئیں، اور انہیں ملنے والے ہر بت کو تباہ کر دیا۔ یا تو اتحاد سے یا فتح سے، قبائل کو بتدریج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کنٹرول میں لایا گیا۔ بہت کم مزاحمت ہوئی، اور پہلی بار، عرب جزیرہ نما میں ایک مرکزی طاقت تھی جو اسے متحد کر رہی تھی۔ یہ نہ صرف ایک مذہبی انقلاب تھا، بلکہ قدیم قبائلی ثقافت سے بھی ایک تبدیلی تھی جو خود کو الگ رکھتے تھے، تمام قبائل پر حکمرانی کرنے کی کوئی خواہش نہیں تھی، ایک مرکزی اتھارٹی تک۔ کسی دوسری مقامی طاقت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کی، اور خشک عرب جزیرہ نما، اپنے قلیل وسائل کے ساتھ، بڑی حد تک عالمی طاقتوں کی طرف سے نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات:

تاہم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشات صرف عرب سے بڑی تھیں، اور مکہ کی فتح کے دس ماہ بعد، انہوں نے شمال پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ پہلی مہم ناکام ہو گئی، کیونکہ وسیع فاصلہ اور بنجر زمین فوج کے لیے بہت زیادہ ثابت ہوئی۔ اپنی حمایت کو بڑھانے کے لیے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامی سرداروں کے ساتھ مزید اتحاد کیے۔ یہاں تک کہ مقامی یہودی بستیوں نے بھی ان کے تحفظ کے بدلے میں ان کے ساتھ اتحاد کیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منظم طور پر اپنی پوزیشن کو مضبوط کیا، اور جلد ہی ان لوگوں کے خلاف مزید وحی ہونے لگی جو اب بھی ضدی طور پر دوسرے دیوتاؤں کی پوجا کر رہے تھے۔ ان پر ظلم کیا جاتا تھا، اور پہلی بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ایمان والوں کو پناہ فراہم کرنے کی قدیم روایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، انہیں کعبہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ پورے عرب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے خطرے کے ساتھ، بہت سے قبائلی سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امن کا عہد کرنے اور ان سے تحفظ مانگنے کے لیے مدینہ پہنچنے لگے۔ اس کے بدلے میں، انہیں اللہ کو قبول کرنے کا حکم دیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک متحد لیکن نازک سیاسی زمین چھوڑی، جو بہت سے کمزور اتحاد اور مسلسل دشمنیوں سے بھری ہوئی تھی۔ کچھ اتحاد اب بھی اپنے پرانے دیوتاؤں کی حمایت کرتے تھے، مکہ سے دور علاقوں میں اسلام کی کشش

کمزور تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ، بہت سے قبائل نے محسوس کیا کہ اب انہیں ان کے ساتھ اپنے روابط اور اتحاد کی پابندی نہیں کرنی ہے۔ جانشینی کی دوڑ ان کی وفات کے فوری بعد شروع ہوئی، یہاں تک کہ ان کی تدفین سے پہلے ہی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ گوند تھے جس نے ان کی سماجی و مذہبی سلطنت کو اکٹھا رکھا تھا، ان میں اتنی سیاست تھی کہ وہ ان لوگوں کو متحد کر سکیں جن کے نظریاتی اختلافات ورنہ انہیں ایک دوسرے کے گلے لگا دیتے۔ ایک بار جب وہ چلے گئے، تو چیزیں بکھرنے لگیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جانشین مقرر نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کا کوئی زندہ بیٹا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے عہدے کے دو اہم دعویداران کے سسر، ابو بکر، اور ان کے چچازاد اور داماد، علی بن ابی طالب تھے۔ علی کی موجودگی کے بغیر، بہت جلدی ایک چھوٹی سی مجلس بلوائی گئی، جہاں ابو بکر کو جانشین چنا گیا۔

اس وقت عربی رواج یہ تھا کہ ایک رہنما کی وفات کے بعد ایک نیا رہنما منتخب کرنے کے لیے قبیلے کے اہم لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ علی طالب سے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے، ابو بکر کی کمان میں گروہ علی اور ان کے پیروکاروں کی بیعت حاصل کرنے کے لیے جلدی سے فاطمہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور علی کی بیوی) کے گھر چلا گیا۔ علی کو باہر آنے پر مجبور کیا گیا اس کے بعد کہ انہوں نے اس کے گھر کو آگ لگا دی۔ تاہم، بعد میں ہونے والی جھڑپ میں، فاطمہ زخمی ہو گئیں، مبینہ طور پر ان کے پیٹ میں موجود بیٹے کے ساتھ دروازے کے پیچھے کچل دی گئیں۔ فاطمہ کی وفات کے بعد ہی علی نے اتحاد کو ٹوٹنے سے روکنے کے لیے اپنی بیعت کا عہد کیا جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی احتیاط سے حاصل کیا تھا۔

تاہم، علی خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کے طور پر اپنی جائزیت کے بارے میں مضبوطی سے یقین رکھتے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جانشینی کی جدوجہد نے مسلم برادری میں ایک تقسیم کا باعث بنی جو آج تک جاری ہے، تقریباً 1,500 سال بعد، شیعہ فرقہ علی کو سچا جانشین مانتا ہے، اور سنی ابو بکر کی جانشینی کو قبول کرتے ہیں۔

ابو بکر کو فوری چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔ نئی عرب ریاست اب بھی بہت کمزور تھی، اتحاد میں شامل بہت سے قبائل اپنے پرانے دیوتاؤں اور رسومات کی طرف واپس لوٹ رہے تھے۔ ابو بکر نے اس عمل سے تیزی سے نمٹا، اعلان کرتے ہوئے کہ جو لوگ اتحاد سے دستبردار ہو رہے ہیں وہ خدا کا انکار کر رہے ہیں، اور اس لیے انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ ایک بڑا خطرہ نئے انبیاء کا اُبھرنا تھا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ابو بکر نے اس خاص خطرے سے نمٹا، اعلان کرتے ہوئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، انبیاء کی مہر۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اب مذہب کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کا خالص کلام پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے، اس کا مذہب غیر معمولی طور پر شروع سے ہی انسانیت پر ظاہر کیا گیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننے کے اس عقیدے کا اسلام پر گہرا اثر پڑا۔ بنیادی طور پر، بدلتے ہوئے حالات اور وقت سے قطع نظر، اسلام میں مزید مذہبی ترقی ممکن یا اجازت نہیں ہو گی۔ مثال کے طور پر، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، خواتین کو اکثر ہراساں کیا جاتا تھا یا ان کا استحصال کیا جاتا تھا۔ تحفظ فراہم کرنے کے لیے، انہیں سرپرست (باپ یا بھائی) کے بغیر سفر کرنے کی اجازت نہیں تھی، یہ ایک ایسا رواج تھا جسے قرآن میں شامل کیا گیا تھا۔ آج بھی زیادہ تر روایتی اسلامی ممالک میں یہی قاعدہ لاگو ہوتا ہے، اس حقیقت سے قطع نظر کہ سیکیورٹی اور

جدید پولیس فورسز نے زیادہ تر ممالک میں ایسے اقدامات کو غیر ضروری بنادیا ہے۔ اس جان بوجھ کر جمود نے اسلام کو جدید دنیا سے نمٹنے کی اپنی کوششوں میں نمایاں دباؤ میں ڈال دیا ہے، اسی طرح) لیکن اکثر دوسرے مذاہب کے مقابلے میں زیادہ شدید (جیسا کہ دوسرے مذاہب نے تجربہ کیا ہے۔

ابو بکر دو سال اور زندہ رہے، اور ان کی وفات کے بعد دو دیگر خلیفہ (جانشین) نے اسلام کی توسیع جاری رکھی۔ اپنے پیشرو کے قتل کے بعد، افراتفری کے دور میں، علی طالب آخر کار چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے عرب عوام کے درمیان ایک وسیع اتحاد بنانے کی کوشش کی، لیکن ان کی قیادت کے دوران ایک خانہ جنگی چھڑ گئی کیونکہ مختلف گروہوں نے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ آخر کار، علی کو موجودہ عراق بھاگنے پر مجبور کیا گیا، جہاں انہیں زہر آلود تلوار سے قتل کر دیا گیا۔

دو اہم اسلامی گروہوں، سنی اور شیعہ کے درمیان دشمنی اور تقسیم جاری رہی۔ سنیوں کا ماننا تھا کہ ابو بکر اور ان کے تین جانشین جانشینی کی سچی ترتیب پر مشتمل ہیں۔ چوتھا اور آخری خلیفہ علی طالب تھا۔ اس کے برعکس، شیعوں نے علی طالب کو پہلا خلیفہ شمار کیا، ان کی اولاد کو دوسرا خلیفہ اور اسی طرح شمار کیا۔ وراثت کے ذریعے خلیفہ کا یہ سلسلہ بارہویں امام تک جاری رہا، جن کے بارے میں شیعوں کا خیال ہے کہ وہ فی الحال چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی روایت کے مطابق، وہ ایک دن صحیح اسلام کو قائم کرنے اور دنیا میں انصاف اور امن لانے کے لیے واپس آئیں گے۔

آج ایران، آذربائیجان، بحرین اور عراق زیادہ تر شیعہ ہیں، جبکہ دیگر مسلم ممالک زیادہ تر سنی ہیں۔ اگرچہ سب ایک ہی قرآن استعمال کرتے ہیں، لیکن ان دو گروہوں کے درمیان بہت اختلافات ہیں۔

دو گروہوں کے درمیان سب سے بڑا اختلاف 10 اکتوبر 680 کو کربلا کی جنگ کے دوران ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے، حسین بن علی نے یزید اول کے اختیار کو مسترد کر دیا، جسے تیسرے خلیفہ نے مقرر کیا تھا۔ یزید نے اصرار کیا کہ حسین اسے سچا اور بے تنازع خلیفہ مانیں، لیکن حسین نے ایسا نہیں کیا۔ وہ مدینہ میں موت کے بڑھتے ہوئے خطرے میں رہتے تھے، اور زیادہ تحفظ کے لیے بوڑھے لوگوں اور چھوٹے بچوں سمیت اپنے زیادہ تر پیروکاروں کے ساتھ موجودہ ایران کے کوفہ جانے کا فیصلہ کیا۔

کوفہ سے دو دن کے فاصلے پر، انہیں یزید کی فوج نے روک لیا اور کربلا میں ڈیرے ڈالنے پر مجبور کر دیا، جہاں وہ آہستہ آہستہ بھوکے رہے اور شدید پیاس کا شکار ہوئے۔ کیمپ کے حالات ناقابل برداشت ہو گئے، بچے مسلسل پیاس کی شکایت کرتے رہے، اور آہستہ آہستہ پانی کی کمی کا شکار ہو کر مرنے لگے۔ ایک بار جب وہ کافی کمزور ہو گئے تو یزید نے ایک وحشیانہ حملہ کیا، اور حسین کے پیروکاروں کو وحشیانہ طور پر قتل کر دیا گیا۔ جن میں حسین، حسین کا چھ ماہ کا بیٹا اور دیگر بچے شامل تھے۔ زندہ بچ جانے والوں کو ذلیل کیا گیا اور قیدی بنا لیا گیا۔ اس واقعے کا شیعوں پر گہرا اثر پڑا۔ شیعہ مسلمان آج بھی اس دن کو سالانہ مناتے ہیں۔

مرد اور عورت رضاکارانہ طور پر ان ظلموں کا دکھ دوبارہ محسوس کرتے ہیں، ان اقدار کے لیے جن کے لیے حسین نے خود کو قربان کر دیا۔

اسلام اور اللہ کا پھیلاؤ:

634 اور 870 عیسوی کے درمیان، اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تعلیمات سے تبدیل ہو کر مغربی بحیرہ روم کے خطے سے وسطی ایشیا تک پھیلے

ہوئے ایک وسیع سلطنت کے ایک اہم عقیدے میں تبدیل ہو گیا۔ جیسے جیسے نئے علاقے شامل ہوتے گئے، ان کے خیالات، ثقافتیں اور افکار اسلام میں ضم ہوتے گئے۔ وقت کے ساتھ، مذہب بالغ ہوا اور اس شکل میں منجمد ہو گیا جسے ہم آج جانتے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانی، انتظام، سماجی زندگی اور قانون کی نئی شکلیں بھی چھوڑیں، جن میں سب کی طرف سے ادا کی جانے والی ٹیکس بھی شامل ہے۔ سب سے بڑھ کر، انہوں نے ایک تربیت یافتہ اور وسیع فوج چھوڑی۔ ابو بکر کی کمان میں، فوج نے عرب جزیرہ نما کے اندر نئے مذہب کو مضبوط کیا۔ نافرمانی کرنے والے سب پر جنگ کا اعلان کیا گیا۔ یا تو آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے اور اللہ کو قبول کرتے، یا آپ کو بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا۔ یہ اتنا سادہ تھا۔ اسلام کا پیغام رسولوں نے نہیں، بلکہ شاندار اور قابل اسلامی جرنیلوں نے پھیلایا۔

یہ کہا گیا ہے کہ اسلام کی توسیع اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے کسی بھی ارادے سے زیادہ عربی سلطنت کو بڑھانے کی خواہش سے چلائی گئی تھی۔

جو بھی معاملہ ہو، عرب جزیرہ نما جلد ہی اسلامی فوج کے کنٹرول میں آ گیا۔ ہر قبیلہ جو شامل ہوا اور نئے نظام کو قبول کیا وہ عربی جنگی مشین کا حصہ بن گیا۔ عربی فوجیں حجم میں بڑھتی گئیں، اور شاندار کمان اور حکمت عملی سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ جلد ہی انہوں نے وسیع فارسی اور بازنطینی سلطنتوں پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر دیا، جو اس وقت تک پہلے ہی زوال کا شکار تھیں۔ تاریخ میں پہلی بار، فتح صرف زمین اور دولت کے بارے میں نہیں تھی، بلکہ نظریات کے بارے میں بھی تھی۔ یہ مذہب کی فتح تھی، موجودہ کو ایک نئے روحانی فریم ورک اور خدا سے تبدیل کرنے کے لیے۔ اسلام دنیا میں آ چکا تھا۔

اسلام کی مقدس کتاب:

اسلام کے لیے وقف اس آخری حصے میں، ہم قرآن، اسلامی مقدس متن پر ایک نظر ڈالیں گے۔ قرآن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں خدا کا کلام ہے، جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ جبرائیل کے ذریعے دیا گیا تھا۔ قرآن کی ترتیب نے عرب لوگوں کو صحیفوں کی اپنی کتاب فراہم کی جو یہودیوں اور عیسائیوں کے برابر تھی۔ در حقیقت، یہ اسی بنیاد پر مبنی ہے، جس میں یہودی مذہب کی بہت سی کہانیاں اور افسانے شامل ہیں، جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی کچھ حوالہ ہے۔ خدا، دنیا کی الہی تخلیق اور قیامت کے دن کے بنیادی حوالہ جات ایک جیسے ہیں۔ موسیٰ کی تعلیمات کی طرح، قرآن کا بڑا حصہ خدا کی ابدی دانش کے مقابلے میں انسانوں کی بے وقوفی سے متعلق ہے۔

اسلام کے مطابق، زندگی ایک روزانہ کی جدوجہد ہے - زندگی میں پیدا ہونے والے لوازمات پر قابو پانے اور اللہ اور اس کی راہ پر ایمان لانے کی جدوجہد۔ زیادہ تر مذاہب کی طرح، اللہ کی رضا برقرار رکھنے کے لیے مخصوص اعمال اور رسومات کی ضرورت ہوتی ہے، اور ہر قدم کی جانچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ یہ اس کی خلاف ورزی یا اسے ناراض نہیں کرتا ہے۔ یقینی طور پر، اس قسم کی جدوجہد دنیا کی زیادہ تر آبادی کی طرف سے ہر روز کی جاتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کس مذہب پر ایمان رکھتے ہیں، زیادہ تر لوگ مسلسل خود سے سوال کرتے ہیں کہ آیا انہوں نے اپنے خدا کی ضرورت کے مطابق صحیح اعمال کیے ہیں - ایک ایسی جدوجہد جو اکثر شدت میں بڑھ جاتی ہے جیسے جیسے کوئی بڑا ہوتا جاتا ہے یا موت قریب آتی جاتی ہے۔ یہ ایک بھاری بوجھ ہے جو ان دیوتاؤں اور مذاہب نے انسانیت پر ڈالا ہے - اور

کچھ مذہبی تصورات کی غیر معقولیت نے ان کی پیروی کو انسانی تناؤ اور پریشانی کے اہم محرکات میں سے ایک بنادیا ہے۔

قرآن اور عیسائی بائبل کے درمیان ایک فرق یہ ہے کہ قرآن کو تاریخ کے ترتیب میں ترتیب نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ، اسے سب سے طویل آیت سے لے کر سب سے چھوٹی آیت تک ترتیب دیا گیا ہے، جن میں ہر آیت ایک قافیہ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ مجموعی طور پر اس میں 114 سورتیں ہیں، جیسا کہ وہ جانی جاتی ہیں۔ اگرچہ اس میں بائبل میں بیان کیے گئے واقعات جیسے بہت سے واقعات شامل ہیں، لیکن اس کا مقصد صرف رپورٹ کرنے کے بجائے ہر خاص واقعے کے پیچھے اخلاقی سبق دینا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم روایتی طور پر نہ تو پڑھ سکتے تھے اور نہ ہی لکھ سکتے تھے، اس لیے آپ سوچ رہے ہوں گے: قرآن کی اصل کیا ہے؟ اس کے ایمان والوں کا ماننا ہے کہ جیسے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی گئی، انہیں چھال کے ٹکڑوں یا ٹیبلیٹس پر لکھا جاتا تھا، یا زبانی طور پر منتقل کیا جاتا تھا۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تنہا وحی نازل ہوتی تھی، تو وہ اسے بعد میں اپنے ساتھیوں کو سناتے تھے۔ 633 عیسوی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، ان کی تعلیمات کے ٹکڑے مختلف عرب قبائل میں تحریری اور زبانی دونوں صورتوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے بہت سے ساتھیوں کے جنگ میں شہید ہونے کے بعد ہی یہ احساس ہوا کہ اگر کچھ نہیں کیا گیا تو ان کے الفاظ جلد ہی بھول جائیں گے۔ پھر ان کے چھوڑے ہوئے تمام متفرق متون اور زبانی منتقلی کو اکٹھا کرنے کے لیے ایک مربوط کوشش کی گئی۔ 650 اور 656 کے درمیان، انہیں علماء کے ایک منتخب گروہ نے ترتیب دیا۔ اور ایک بار جب یہ مکمل ہو گیا تو معیاری

کاری کو یقینی بنانے کے لیے ان کی تعلیمات کی دیگر تمام شکلیں تباہ کر دی گئیں۔

قرآن کا مطالعہ:

غیر عربی قاری کے لیے قرآن کو پڑھنا مشکل ہے، یہاں تک کہ عربی زبان کے علم کے ساتھ بھی۔ اس کی کشش کا بڑا حصہ اس کی طاقتور شاعری اور قافیوں میں ہے۔ اس میں بے شمار حوالہ جات شامل ہیں:

- مذہبی نشانیاں جن پر لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔
- زور اس بات پر کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں سزا دی جائے گی۔
- کہ جو لوگ اللہ سے نشانیاں مانگتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ نشانیاں پہلے سے موجود ہیں۔
- اگر آپ ایمان لائیں گے تو نجات دی جائے گی۔
- اللہ بہت بڑا ہے۔
- اگر آپ اس کی پیروی کریں گے تو اچھی چیزیں ہوں گی، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو بہت بری چیزیں منتظر ہیں۔

قرآن کا بڑا حصہ ان لوگوں کے لیے وقف ہے جو اللہ کے پیغام سے بھٹک رہے ہیں۔ قرآن میں بے شمار آیات اس کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

> کافروں کے لیے افسوس ہے کہ ان کے لیے سخت عذاب ہے۔
> جو دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ پسند کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں یہ دور کی گمراہی میں ہیں۔

> ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور

زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انہیں زمین سے نکال دیا جائے یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے سوائے ان کے جو توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ تم انہیں پکڑ لو اور جان لو کہ اللہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے۔

قرآن کا پیغام:

قرآن کی بہت سی تعلیمات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں کو اپنی تعلیمات پر قائل کرنے کی جدوجہد کا ثبوت ہیں۔ اس میں بے شمار دلائل بیان کیے گئے ہیں جو انہوں نے اپنے لوگوں اور یہودیوں کے ساتھ اپنی تعلیمات کی "سچائی" کے بارے میں کیے ہوں گے۔ زیادہ تر آیات ان دلائل اور استدلال پر مشتمل ہیں کہ اللہ کی پیروی کیوں ضروری ہے۔

قرآن کسی بھی بت دیوتا کے خلاف مضبوط موقف بھی اختیار کرتا ہے۔ آخرکار، بتوں نے عرب مذاہب کو مشتمل کیا جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مذہب سے تبدیل کرنے کے لیے تباہ کر دیا۔

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تلاش میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے۔

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دے دو یہ اس لیے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے۔

یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں اور جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے گئے ہیں ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے ان کے پیٹوں کی چیزیں اور ان کی کھالیں بھی گل جائیں گی اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہیں جب بھی وہ دکھ کی وجہ سے اس میں سے نکلنا چاہیں گے انہیں اس میں واپس بھیج دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی انہیں وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہو گا اور انہیں اچھی بات کی ہدایت دی جائے گی اور تعریف کے قابل راستے کی ہدایت دی جائے گی۔

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے برابر رکھا ہے خواہ وہاں کا رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا اور جو اس میں ناانصافی سے بے حرمتی کرنا چاہے گا ہم اسے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

قرآن میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں کے لیے ایک سخت اخلاقی ضابطہ بھی تیار کیا تاکہ اکثر ظالمانہ اور وحشیانہ طریقوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ان میں شامل ہیں:

> تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہو اور ان پر جھڑک بھی نہ کرو بلکہ ان سے احترام سے بات کرو اور ان کے سامنے رحمت سے عاجزی کا پَر جھکا دو اور کہو کہ اے میرے رب! ان پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے ہونے پر پالا پوسا ہے۔
>
> اور اپنی غربت کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم انہیں اور تمہیں روزی دیں گے خبردار !انہیں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔
>
> اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اس کے کہ اسے بہتر بنانے کے لیے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور اپنے عہد پورے کرو بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور جب تم ناپ کرو تو پورا ناپ کرو اور صحیح ترازو سے تول کرو یہ بہتر ہے اور بہتر نتیجہ والا ہے۔

یہ آیات قرآن کے اخلاقی اور سماجی پیغام کو نمایاں کرتی ہیں، جو انصاف، رحم اور سماجی ذمہ داری پر زور دیتی ہیں۔ یہ بت پرستی کے خلاف مضبوط موقف اور اللہ کی اطاعت کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔

حدیث کی تدوین:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور اقوال کو بیان کرنے والے پہلے لوگ ان کے ساتھی تھے، جو ان کے زندہ ہونے پر ان کے ساتھ تھے۔ پھر انہوں نے ان کہانیوں کو دوسروں تک پہنچایا، جنہوں نے انہیں آگے پہنچایا۔ درحقیقت، یہ اقوال، کہانیاں اور اعمال تقریباً ایک سو سال سے زیادہ عرصے تک تقریباً مکمل طور پر زبانی طور پر منتقل کیے گئے۔ یہاں تک کہ 9ویں صدی تک، اسلامی دنیا میں کئی ہزار اکثر متضاد حدیثیں موجود تھیں۔ آخر کار، اسلامی علماء نے ملاقات کی، پھر مختلف تکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھی جانے والی حدیثوں کو مضبوط اور منتخب کیا(مسیحیت میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا)۔ تاہم، سنی اور شیعہ دونوں حدیثوں میں اختلافات ہیں، کیونکہ ہر گروہ نے کچھ راویوں کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد تسلیم کیا۔

حدیثوں کی سچائی کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت بعد، زبانی منتقلی کی نسلوں کے بعد بیان کی گئیں۔ ایک سو سال انسانوں کی یادداشت میں انتہائی طویل وقت ہے۔ اس بات کے بھی نمایاں شواہد موجود ہیں کہ 9ویں صدی میں، مسلم فقہاء، جو یہودی روایت پر انحصار کے بڑھتے ہوئے مخالف تھے، نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے الفاظ کی نئی تشریحات تیار کیں جنہوں نے یہودی اقوال اور روایات پر ان کے بہت زیادہ انحصار کو کم کر دیا۔ چونکہ یہودی ذرائع اب استعمال نہیں کیے جا سکتے تھے، اس لیے علماء کی اگلی نسلوں نے قرآن کے بہت زیادہ متن کے سیاق وسباق کو سمجھنا چھوڑ دیا۔

اللہ کیسا دکھتا ہے؟

اسلامی خدا موسیٰ کے خدا سے بہت ملتا جلتا ہے، جو حیران کن نہیں ہے کیونکہ وہ در حقیقت یہودی خدا کی تبدیلی ہے۔ قرآن کے مطابق، اللہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

- وہ جزا اور سزا کا دیوتا ہے۔ اگر آپ اچھا کام کرتے ہیں (اس پر ایمان لاتے ہیں)، تو آپ کو انعام دیا جاتا ہے۔ اگر آپ کفر کرتے ہیں، تو قیامت کے دن آپ کے لیے سزا منتظر ہے۔
- وہ بھلائی کا دیوتا ہے، اور شیطان کے ساتھ کبھی نہ ختم ہونے والی لڑائی میں ہے۔
- اگر آپ ایمان لاتے ہیں، تو وہ رحم کرے گا اور ایک دن آپ کو جنت میں لے جائے گا۔
- وہ کافروں کو سزا دیں گے، اور ان کا ایک خوفناک انجام منتظر ہے۔
- قیامت کے دن سب کو زندہ کیا جائے گا۔
- جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ جہنم میں رہیں گے۔
- وہ واحد دیوتا ہے۔ کسی دوسرے دیوتا کی اجازت نہیں ہے۔
- اسے کسی تصویر یا بت سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔
- وہ قادر مطلق ہے، اور کچھ بھی کر سکتا ہے یا تبدیل کر سکتا ہے۔

آگے بڑھتے ہوئے:

یہ موجودہ اہم مذاہب کی بحث کا اختتام ہے جو بالآخر اپنی ابتدا قدیم زمانے

حدیث کی تدوین:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور اقوال کو بیان کرنے والے پہلے لوگ ان کے ساتھی تھے، جو ان کے زندہ ہونے پر ان کے ساتھ تھے۔ پھر انہوں نے ان کہانیوں کو دوسروں تک پہنچایا، جنہوں نے انہیں آگے پہنچایا۔ درحقیقت، یہ اقوال، کہانیاں اور اعمال تقریباً ایک سو سال سے زیادہ عرصے تک تقریباً مکمل طور پر زبانی طور پر منتقل کیے گئے۔ یہاں تک کہ 9ویں صدی تک، اسلامی دنیا میں کئی ہزار اکثر متضاد حدیثیں موجود تھیں۔ آخر کار، اسلامی علماء نے ملاقات کی، پھر مختلف تکنیکوں کا استعمال کرتے ہوئے سب سے زیادہ قابل اعتماد سمجھی جانے والی حدیثوں کو مضبوط اور منتخب کیا(مسیحیت میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا)۔ تاہم، سنی اور شیعہ دونوں حدیثوں میں اختلافات ہیں، کیونکہ ہر گروہ نے کچھ راویوں کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد تسلیم کیا۔

حدیثوں کی سچائی کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کیونکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت بعد، زبانی منتقلی کی نسلوں کے بعد بیان کی گئیں۔ ایک سو سال انسانوں کی یادداشت میں انتہائی طویل وقت ہے۔ اس بات کے بھی نمایاں شواہد موجود ہیں کہ 9ویں صدی میں، مسلم فقہاء، جو یہودی روایت پر انحصار کے بڑھتے ہوئے مخالف تھے، نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے الفاظ کی نئی تشریحات تیار کیں جنہوں نے یہودی اقوال اور روایات پر ان کے بہت زیادہ انحصار کو کم کر دیا۔ چونکہ یہودی ذرائع اب استعمال نہیں کیے جا سکتے تھے، اس لیے علماء کی اگلی نسلوں نے قرآن کے بہت زیادہ متن کے سیاق وسباق کو سمجھنا چھوڑ دیا۔

اللہ کیسا دکھتا ہے؟

اسلامی خدا موسیٰ کے خدا سے بہت ملتا جلتا ہے، جو حیران کن نہیں ہے کیونکہ وہ در حقیقت یہودی خدا کی تبدیلی ہے۔ قرآن کے مطابق، اللہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

- وہ جزا اور سزا کا دیوتا ہے۔ اگر آپ اچھا کام کرتے ہیں (اس پر ایمان لاتے ہیں)، تو آپ کو انعام دیا جاتا ہے۔ اگر آپ کفر کرتے ہیں، تو قیامت کے دن آپ کے لیے سزا منتظر ہے۔
- وہ بھلائی کا دیوتا ہے، اور شیطان کے ساتھ کبھی نہ ختم ہونے والی لڑائی میں ہے۔
- اگر آپ ایمان لاتے ہیں، تو وہ رحم کرے گا اور ایک دن آپ کو جنت میں لے جائے گا۔
- وہ کافروں کو سزا دیں گے، اور ان کا ایک خوفناک انجام منتظر ہے۔
- قیامت کے دن سب کو زندہ کیا جائے گا۔
- جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ جہنم میں رہیں گے۔
- وہ واحد دیوتا ہے۔ کسی دوسرے دیوتا کی اجازت نہیں ہے۔
- اسے کسی تصویر یا بت سے ظاہر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ہر جگہ موجود ہے۔
- وہ قادر مطلق ہے، اور کچھ بھی کر سکتا ہے یا تبدیل کر سکتا ہے۔

آگے بڑھتے ہوئے:

یہ موجودہ اہم مذاہب کی بحث کا اختتام ہے جو بالآخر اپنی ابتدا قدیم زمانے

میں نیل وادی اور لیونٹ سے کرتے ہیں: قریبی تعلق رکھنے والے ابراہیمی مذاہب ایک چھوٹے عبرانی قبیلے کے قدیم عقائد سے تیار کیے گئے تھے، جنہوں نے اپنے ایک دیوتا کو واحد سچا خدا اقرار دیا۔ وقت کے ساتھ، یہ دیوتا یہودی- مسیحی یہوواہ (جو یحوہ اور خداوند کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) اور مسلم اللہ میں تبدیل ہو گیا۔ اگلا، ہم ہندوستانی ذیلی برصغیر کی زرخیز سندھ وادی میں ہونے والی ایک اسی طرح کی ترقی پر ایک نظر ڈالیں گے، جو ہندو دیوتاؤں کا مقام پیدائش ہے۔

ہندومت کا عروج:

سندھ وادی کے دیوتا موسیٰ کے خدا سے بہت پہلے ابھرے، جن کے آج ایک ارب سے زیادہ پیروکار ہیں۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیمی مذاہب کا خدا ان لوگوں کے سامنے کبھی کیوں ظاہر نہیں ہوا، اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ ایمان کا ایک مضمون ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے۔

جو بھی معاملہ ہو، یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے خدا کی طرح، سندھ وادی کے دیوتاؤں کی ابتدا بھی قدیم آبائی عقائد میں ہے۔ مشرق وسطیٰ سے جغرافیائی طور پر الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے، مقامی آبادی ابراہیمی مذاہب کے اثر کے بغیر اپنے عقائد کو ترقی دینے کے قابل تھی۔

ایک نئے عقیدہ نظام کا آغاز:

جب ہندوستانی ذیلی برصغیر لاکھوں سال پہلے یوریشیا سے ٹکرایا، تو ٹکرانے والی زمینوں نے دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی سلسلہ کو اوپر دھکیل دیا: ہمالیہ۔ پہاڑوں کی تعمیر 600,000 سال پہلے تک جاری رہی۔ گرمیوں میں پگھلتی ہوئی

برف، گرمیوں کی مون سون کی بارشوں کے ساتھ مل کر، ایک عظیم ندی کو کھلاتی ہے جو نیچے خشک زمین میں بہتی ہے۔ نیل کی طرح، سندھ ندی وقتاً فوقتاً اپنی وادی میں سیلاب لاتی ہے، زرخیز تلچھٹ جمع کرتی ہے جو کاشتکاری کے لیے مثالی ہے، جس نے اسے اس خطے کے قدیم خانہ بدوشوں کے لیے خاص طور پر پرکشش بنادیا۔ جیسے جیسے وہ گروہ وادی میں آباد ہوتے گئے، وہ بتدریج شکاری سے زراعتی طرز زندگی میں تبدیل ہوتے گئے۔ مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی نے مزید پیچیدہ سماجی ڈھانچے اور سوچ کو بھی متعارف کرایا، جس کی وجہ سے پیچیدہ عقائد کے نظام اور تہذیب کے دیگر تمام لوازمات وجود میں آئے۔

آثار قدیمہ کی کھدائی سے مہر گڑھ میں ندی کے کناروں پر7,000 قبل مسیح تک قدیم انسانی بستیوں کے بقایادریافت ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے عقائد یامذہب کے بارے میں بہت کم شواہد موجود ہیں، لیکن بڑی احتمال کے ساتھ وہ دنیامیں کہیں بھی پتھر کے زمانے کے عقائد سے ملتے جلتے تھے - جن میں فطرت اور بتوں کی پوجا اور جانوروں کی قربانی بھی شامل ہے۔

3,300 قبل مسیح تک ہڑپہ ثقافت ترقی کر چکی تھی، جس میں ایک ابتدائی تحریری نظام، شہری مرکز اور معیشت تھی۔ 1,800 قبل مسیح تک یہ عظیم تہذیب زوال کا شکار تھی، اور آثار قدیمہ کی کھدائی سے تعمیر کے معیار میں خرابی اور ناقص تعمیر کے سامان کے استعمال کا پتہ چلتا ہے۔ اس زوال کی وجہ کے بارے میں اب بھی بہت بحث ہے - چاہے یہ بدلتے ہوئے موسم، ناقص اور نااہل حکومت، یا دوسرے قبائل کے حملوں کی وجہ سے ہو۔

ایک متنازع اور بہت زیادہ بحث کی جانے والی نظریہ کے مطابق ایک نیا قبیلہ، آریائی، ایران اور جنوبی روس سے تقریباً1,500 قبل مسیح میں سندھ وادی پر حملہ

کرنے، مقامی دراوڑیوں کو بے گھر کرنے اور ان میں ضم ہونے کے لیے آیا تھا۔

یہ وہ دور ہے جب آثار قدیمہ کے شواہد مقامی عقائد کے ڈھانچے میں تبدیلی کو ظاہر کرتے ہیں، کیونکہ نئے عقائد مقامی عقائد کے ساتھ مل کر ایک نیا مذہب تیار کرتے ہیں جو بنیادی طور پر مقدس آگ پر مرکوز ہوتا ہے، جس میں مختلف دیوتاؤں کو قربانیاں دی جاتی ہیں۔ اس مذہب کا زیادہ تر حصہ ایسی رسومات پر مشتمل تھا جو شرکاء کو شعلے کے صوفیانہ اثرات، رات کے اندھیرے، منتر اور جانوروں کے ذبیحہ اور بعد میں خون کے بہاؤ سے مسحور کر دیتی تھیں۔ وہ تمام رسومات جو انسانی جذبات اور احساسات کو متحرک کرتی ہیں۔ ان طریقوں سے، نئے دیوتا اُبھریں گے۔

یہ رسومات وقت کے ساتھ ساتھ بہت پیچیدہ ہوتی گئیں، قربانی کی قربان گاہ اور مقدس آگ کو تیار کرنے کے لیے ضرورتوں کی مسلسل بڑھتی ہوئی فہرست کے ساتھ۔ بڑھتی ہوئی پیچیدگی کے ساتھ، دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے تیار کیے گئے حمد اور منتر بھی زیادہ پیچیدہ ہوتے گئے۔ جلد ہی یہ سب ایک شخص کے لیے ادا کرنے کے لیے بہت پیچیدہ ہو گیا، اور رسومات اور قربانیوں کو منظم کرنے کے لیے ایک پیشہ ور پادری طبقہ سامنے آیا۔ حیران کن بات نہیں ہے کہ اس پادری طبقے نے جلد ہی خود کو دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دیوتاؤں کے قریب ہونے کا اعلان کیا، زیادہ تر افراد کے مقابلے میں اعلیٰ سماجی مقام کے ساتھ (ایک ایسی پوزیشن جو دوسرے مذاہب کے پادری طبقے کی پوزیشن سے مختلف نہیں ہے)۔

نتیجے میں مسلسل بڑھتی ہوئی پیچیدگی میں، ایک عوامی تقریب کے لیے 16 پادریوں کی ضرورت تھی، مخصوص کردار کے ساتھ منتر پڑھنے والے سے لے کر قربانی کی دیکھ بھال کرنے والے، حمد گانے والے، اور بہت کچھ۔ وقت کے ساتھ، ہر صورتحال کے لیے روایتی رسومات تیار ہوئیں، اور جلد ہی یہ عقیدہ اتنا وسیع ہو گیا کہ

کسی بھی انحراف یا غلطی کا مطلب دیوتاؤں کی طرف سے سزا ہو سکتا ہے۔ ان دیوتاؤں کی خدمت کے لیے بہت سی نظمیں اور منتر تیار کیے گئے تھے، جن میں کچھ رسومات اور زندگی کی تشریحات بھی شامل تھیں - حمد اور نظمیں جو ایک نئے مذہب کی بنیاد بنیں گی۔

نئے خداؤں کی پہلی تحریریں:

ابتدا میں، یہ نظمیں یا بھجن نسل در نسل زبانی منتقل ہوتے رہے، جن میں بہت سے مصنفین نے اپنا حصہ ڈالا۔ 15 ویں سے 5 ویں صدی قبل مسیح کے دوران، یہ اشعار سنسکرت میں لکھے گئے، اور ویدوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ ویدوں کی عبارتوں کو چار مجموعوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1. **رگ وید (آیات کا وید)**، جس میں مختلف دیوتاؤں کے لیے تقریباً 1028 حمدیہ نظمیں ہیں۔
2. **یجروید (قربانی کے فارمولوں کا وید)**، جس میں مختلف مذہبی رسومات ہیں۔
3. **سام وید (نغموں کا وید)**، جو مقدس گیتوں کے لیے موسیقی کی ترتیب فراہم کرتا ہے۔
4. **اتھروید (منتر کا وید)**، جو بیماریوں کے علاج اور برے روحوں کو بھگانے کے لیے منتر اور تعویذ فراہم کرتا ہے۔

یہ تحریریں ترقی پذیر ہندو مذہب کا مقدس ادب بن گئیں، جو بائبل اور قرآن کی طرح الہامی طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ ان تحریروں میں ہمیں ہندو دیوتاؤں کے بہت سے حوالہ جات ملتے ہیں، اور ان کی مطلوبہ قربانیوں کا ذکر ہے۔ رگ وید میں جن کا نام لیا گیا ہے، ان میں سے تین دوسروں کے مقابلے میں زیادہ نمایاں ہیں، اس لحاظ

سے کہ ان کے لیے کسی اور کے مقابلے میں زیادہ بھجن وقف کیے گئے تھے۔ اندر جنگ، طوفان اور بارش کا دیوتا تھا۔ اگنی آگ کا دیوتا اور دیوتاؤں کا قاصد تھا۔ اور سوما ایک جادوئی مشروب سے وابستہ تھا، جس کا نسخہ بہت پہلے گم ہو گیا تھا۔ یہ غالباً آج کے افیون کی طرح ایک فریب انگیز دوا تھی، جو ایک نئی دنیا میں داخلے یا خدا جیسی طاقتوں کی عطا کا ذریعہ تھی۔

رگ وید مختلف دیوتاؤں کے لیے حمد یہ گیتوں کا ایک مجموعہ ہے، جن میں سے بہت سے یونانی دیوتاؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، کیونکہ دونوں دیوتاؤں کو قدیم زمانے میں ہمارے ارد گرد کی دنیا کو سمجھنے اور اسے نام دینے کی کوشش میں تخلیق کیا گیا تھا۔ ان تحریروں میں دنیا کی تخلیق کی کہانی بھی موجود ہے۔ رگ وید کے بھجن 129 میں (رالف ٹی ایچ گرفتھ، تاریخ ندارد):

1. تب نہ وجود تھا نہ عدم: نہ ہوا کا دائرہ تھا، نہ اس سے آگے آسمان۔ اسے کس نے ڈھانپا، اور کہاں؟ اور کس نے پناہ دی؟ کیا وہاں پانی تھا، پانی کی ناقابل فہم گہرائیاں؟

2. اس وقت موت نہیں تھی، اور نہ ہی کوئی امر چیز تھی: کوئی نشان نہیں تھا، دن اور رات کا تقسیم کرنے والا۔ وہ ایک چیز، بے دم، اپنی فطرت سے سانس لیتی تھی: اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

3. اندھیرا تھا: پہلے اندھیرے میں چھپا ہوا، یہ سب بے ترتیب انتشار تھا۔ اس وقت جو کچھ بھی موجود تھا وہ خالی اور بے شکل تھا: حرارت کی عظیم طاقت سے وہ اکائی پیدا ہوئی۔

4. اس کے بعد ابتدا میں خواہش پیدا ہوئی، خواہش، روح کا بنیادی بیج اور جراثیم۔ جن دانشوروں نے اپنے دل کے خیال سے تلاش کیا انہوں نے

عدم میں وجود کی رشتہ داری کو دریافت کیا۔

5. کون واقعی جانتا ہے اور کون یہاں اعلان کر سکتا ہے کہ یہ کہاں سے پیدا ہوا اور یہ تخلیق کہاں سے آئی؟ دیوتا اس دنیا کی پیدائش کے بعد ہیں۔ پھر کون جانتا ہے کہ یہ پہلے کہاں سے وجود میں آیا؟

نمایاں ویدک دیوتاؤں کی اہمیت وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتی گئی، حالانکہ آج کے ہندومت میں ان کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ درحقیقت، ویدک تحریروں کو اب بھی مقدس سمجھا جاتا ہے، لیکن آج کل شاذ و نادر ہی استعمال ہوتے ہیں۔ 900-700 قبل مسیح میں مذہبی پیشواؤں نے ان رسومات اور ان کی سمجھ میں مدد کرنے کے لیے مشکل فہم نوٹ اور تبصرے شامل کیے۔ یہ برہمنوں کے نام سے مشہور ہوئے، اور بنیادی طور پر رسومات اور قربانیوں کے لیے فارمولوں پر مشتمل ہیں، ان کے معنی کے ساتھ۔ ہر ویدک عبارت میں ایک یا زیادہ متعلقہ برہمن ہیں، جن کی کل تعداد 19 ہے۔

ہندو صحیفوں کی دوسری تبدیلی جنگلات میں ہوئی۔ گاؤں کی زندگی کی کشش اور خلفشار سے دور، نوجوان پجاریوں کو ویدک اور برہمنوں کی عبارتیں سکھائی جاتی تھیں۔ ان پر طلباء اور اساتذہ کے درمیان فعال طور پر بحث ہوتی تھی۔ اس طرح، ویدک عبارتوں کا ادب مزید کتابوں، یعنی آرنیاکاس (جنگل کی کتابیں) کے ذریعے وسیع ہوا۔ ان کتابوں میں زیادہ تر خفیہ رسومات کے ساتھ ساتھ رسومات کے معنی اور فہم بھی شامل ہیں، جن کی تالیف کے لیے تقریباً 700 قبل مسیح کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔

اعلیٰ سچائی کی تلاش:

اپنے آخری مرحلے میں، وادی سندھ کے مذہب میں ایک ایسی تبدیلی آنے

والی تھی جو اس کی ساخت کو ہمیشہ کے لیے بدل دے گی۔ وادی سندھ کا مذہب استاد اور شاگرد کے درمیان گفتگو کی خصوصیت رکھتا تھا، اور اس طرح ہمیشہ نئے خیالات پیش کیے جاتے تھے اور سوالات کے جوابات تلاش کیے جاتے تھے۔ یہ ایک ارتقائی مذہب تھا۔ اور جیسے جیسے وادی سندھ کی معاشرہ ترقی کرتا گیا اور زیادہ مہذب ہوتا گیا، موجودہ مذہبی پیشواؤں کی بڑھتی ہوئی طاقت پر سوال اٹھائے گئے۔ بعض اوقات ظالمانہ اور خونی قربانیوں پر بھی سوال اٹھائے گئے اور ان پر ناگواری کا اظہار کیا گیا۔ وادی سندھ کے مذہب میں بتدریج ایک ارتقاء آیا کہ شاگرد اور استاد اور استاد کے ساتھ استاد کے درمیان مکالموں سے دنیا کی ایک فلسفیانہ سمجھ اور تشریح ابھرنا شروع ہو گئی۔

جبکہ اصل مذہب اس دنیا پر مرکوز تھا ـــ زرخیزی کو بڑھانے، اچھی فصلوں کو یقینی بنانے اور لوگوں کو نقصان سے بچانے کی کوششوں پر ـــ نئی سوچ نے توجہ اس دنیا کے بعد کی دنیا پر مرکوز کر دی۔ اعلیٰ سچائی کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔

اس نئے فلسفے میں، ان ابتدائی مفکرین کی شان و شوکت سامنے آئی۔ یہ احساس ہوا کہ ایک شخص کی زندگی کے چار مراحل یا مقاصد ہیں، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم میں سے کچھ ان چاروں مراحل کو مکمل نہیں کر سکتے ہیں۔ پہلا مقصد لطف اندوزی اور خوشی ہے، بشمول محبت اور جنسی خواہش۔ اس مرحلے کو کام کہتے ہیں۔ ہم سب خوشی چاہنے، پیار کرنے، ایسی چیزیں کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں جو ہمیں خوش کرتی ہیں، بہت سے دوست رکھنے، اپنی جنسی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے۔ لیکن جلد یا بدیر، ہم میں سے زیادہ تر زندگی سے کچھ اور تلاش کریں گے۔ ہندو مت اس مرحلے سے منع یا انکار نہیں کرتا ہے، لیکن اسے زندگی کے ایک فطری مرحلے کے طور پر خوش آمدید کہتا ہے، تقریباً اگلے مرحلے تک پہنچنے کے لیے ایک ضرورت کے طور پر۔

اس مرحلے کے بعد، کسی کی دلچسپی دولت، شہرت اور طاقت کی شکل میں دنیاوی کامیابی حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسے ارتھ کہتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ اس سے آگے نہیں بڑھتے ہیں، حالانکہ ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو مطمئن نہیں ہیں اور یہاں تک کہ ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس مرحلے سے گزرتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ہم موت میں دولت، شہرت اور طاقت اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ دوبارہ، اس مرحلے کو حقارت یا نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا ہے، لیکن اسے ترقی کے ایک فطری مرحلے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

تیسرا مرحلہ ترک کا ہے، جہاں دولت اور شہرت اب اہم نہیں رہی ہے۔ اور نہ ہی مادی دنیا کی کشش ہے۔ ہماری ضروریات "میں" سے کمیونٹی کے فرائض کی طرف منتقل ہوتی ہیں، دنیا اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی مدد کرنے کے لیے، اخلاقی فرض یا دھرم کا راستہ۔

چوتھے اور آخری مرحلے میں، ہم اپنی تمام ضروریات اور خوف سے خود کو آزاد کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں، جس سے ہمیں اپنی مادی دنیا سے آزادی مل جاتی ہے۔ ہم مکش تک پہنچ چکے ہیں۔

زندگی کے چار مراحل کی تعریف کے علاوہ، نئے عقیدے کی ساخت نے یہ بھی دلیل دی کہ کوئی بھی اندرونی خود کے عکس کے ساتھ دیوتاؤں کے لیے جسمانی قربانیوں کی جگہ لے سکتا ہے۔ کسی دیوتا کی برکتیں حاصل کرنے کے لیے بیرونی قربانی دینے کے بجائے، اپنی زندگی کو بہتر بنانے یا کامیابی حاصل کرنے کے مقصد کے ساتھ، کوئی ذہنی طور پر دنیا اور اندرونی خود کے بارے میں اپنی سمجھ کو بدل سکتا ہے، جس سے درد اور ناخوشی سے نجات مل سکتی ہے۔

اس مرحلے تک پہنچنے کے لیے کسی قربانی کی ضرورت نہیں ہے۔ بیرونی دنیا

کو حواس جیسے سماعت، بصارت اور خوشبو کے ذریعے سمجھا جاتا ہے، لیکن بالآخر کسی کا اندرونی، یا آتما، بیرونی دنیا کی تشریح اور ادراک کرتا ہے۔ یہ روح انسان کا سب سے اہم حصہ ہے۔ جسم اور بیرونی دنیا دونوں ثانوی ہیں۔ اس عقیدے کے نظام کے مطابق، آتما حتمی ہستی ہے۔ کوئی بھی جسم اور مادی دنیا سے فرار ہو کر آتما کو آزاد کر سکتا ہے۔ نئے ہندو مت میں پرانی رسومات اور دیوتا بھی خارجی ہیں۔

اس انکشاف کے ساتھ، مذہبی فلسفہ اور فہم کی ایک نئی دنیا کھل گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ، مزید مصنفین اور فلسفیوں نے اس ابھرتے ہوئے فلسفے میں اضافہ کیا، اور ان میں سے بہت سے خیالات اور تصورات اختتامی کتابوں، ویدانت یا اپنیشد میں درج کیے گئے۔ آج مختلف مصنفین اور مذہبی مکاتب کی 200 سے زیادہ اپنیشدیں ہیں۔ تاہم، وادی سندھ کے مذہب کو تشکیل دینے میں سب سے اہم اور کلیدی کردار تیرہ اہم کتابیں ہیں، جنہیں تقریباً 5ویں صدی قبل مسیح سے لکھا گیا ہے۔ پچھلی کتابوں کی رسومات اور قربانیوں کے برعکس، یہ کتابیں نقطہ نظر میں بہت زیادہ فلسفیانہ ہیں، زندگی کے گہرے معنی، ہم آہنگی کی تلاش، اور ہمارے اور نامعلوم کائنات یا دیوتاؤں کے درمیان تعلق پر بحث کرتی ہیں۔

اس نئے فلسفے میں، برہمن کا تصور بھی ابھرا۔ مذہبی اسکالرز نے استدلال کیا کہ اگر دیوتا ہیں، تو انہیں کس نے پیدا کیا؟ ان سے اوپر کون ہے؟ اپنیشدوں نے برہمن کے تصور کو آگے بڑھایا: ایک ہمہ وقت موجود دیوتا، اعلیٰ اور مطلق، وہ جسے ہم نہیں سمجھ سکتے، وہ جو ہمیشہ موجود ہے۔ برہمن کی تفصیل مختلف ہوتی ہے، لیکن میتری اپنیشد (ہیوم، 1921) میں اس کی اچھی طرح سے وضاحت کی گئی ہے:

❖ [17] یقینی طور پر، شروع میں یہ دنیا برہمن تھی، لامحدود — مشرق میں لامحدود، جنوب میں لامحدود، مغرب میں لامحدود، شمال میں لامحدود، اور

اوپر اور نیچے، ہر سمت میں لامحدود۔ سچ میں، اس کے لیے مشرق اور دوسری سمتیں موجود نہیں ہیں، نہ پار، نہ نیچے، نہ اوپر۔

ناقابل فہم ہے وہ اعلیٰ روح (آتما)، لامحدود، ازل، جس کے بارے میں استدلال نہیں کیا جاسکتا، ناقابل تصور —وہ جس کی روح خلا ہے۔ دنیا کی تحلیل میں وہ اکیلا جاگتا رہتا ہے۔ اس خلا سے وہ، یقینی طور پر، اس دنیا کو جگاتا ہے، جو خیال کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ اس کے ذریعہ سوچا جاتا ہے، اور اس میں یہ غائب ہو جاتا ہے۔

اس کی وہ چمکدار شکل ہے جو سورج میں حرارت دیتی ہے اور جو بغیر دھوئیں کی آگ میں شاندار روشنی ہے، اور ساتھ ہی پیٹ میں آگ ہے جو کھانا پکاتی ہے۔ کیونکہ اس طرح کہا گیا ہے: 'وہ جو آگ میں ہے، اور وہ جو یہاں دل میں ہے، اور وہ جو سورج میں ہے —وہ ایک ہے۔ 'جو یہ جانتا ہے وہ ایک کی وحدت میں جاتا ہے۔

اندرونی یا آتما کے پچھلے تصور کو بھی برہمن کے ساتھ ایڈجسٹ کیا گیا تھا۔ کچھ فلسفیوں نے دلیل دی کہ آتما برہمن کا ایک حصہ ہے۔

تناسخ اور کرم کا قانون:

نئے ہندو فلسفے میں ایک اور نظریہ جو سامنے آیا وہ تناسخ کا خیال تھا۔ یہ تصور پہلے کے عقیدے کے نظام میں موجود تھا، لیکن اسے نئے فلسفے میں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ تناسخ کے عقیدے کے مرکز میں یہ ہے کہ جب کسی کی جسمانی شکل مر جاتی ہے تو آتما مر نہیں جاتی یا جنت نہیں جاتی، بلکہ اس کی بجائے کسی دوسری شکل میں دوبارہ جنم لیتی ہے —اور ضروری نہیں کہ انسان کے طور پر ہی۔

اس طرح، ایک آدمی جو غریب ہے، ایک زندگی میں کم حیثیت رکھتا ہے، دوسری زندگی میں ایک رئیس کے طور پر دوبارہ جنم لے سکتا ہے۔ زندگی، موت اور

دوبارہ جنم کی ایک لامتناہی زنجیر ہے ـــ جب تک کہ کوئی کسی طرح خود کو اس چکر سے آزاد نہ کر لے۔ دوبارہ جنم سے آزادی حاصل کرنے کا طریقہ برہمن میں وحدت تلاش کرنا ہے، جس پر آتما برہمن کا حصہ بن جاتی ہے۔

برہمن کے ساتھ روح کے اتحاد کو اکثر ایک تشبیہ کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے جہاں ایک دریا بہتا ہے اور سمندر کی وسیع وسعت میں ضم ہو جاتا ہے۔ سمندر کا کچھ حصہ دریا کے اس کے ساتھ اتحاد کی وجہ سے بدل گیا ہے، لیکن سمندر اب بھی سمندر ہے، اپنی اصل خصوصیات کے ساتھ۔

صدیوں کے دوران، برہمن تک پہنچنے کا طریقہ ایک انتہائی منظم جسمانی اور ذہنی تکنیک کے طور پر تیار ہوا جسے یوگا (متحد ہونا) کہا جاتا ہے، جسے اس مرحلے تک پہنچنے کا ایک عملی ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

ہندومت میں ایک مرکزی عقیدے کے طور پر تناسخ کو قبول کرنے کے ساتھ، اگلا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ کسی خاص زندگی میں زمین پر کسی کے اعمال اس کے اگلے جنم کے معیار کا تعین کرتے ہیں۔ اسے کرم کا قانون کہتے ہیں۔ اس عمل میں کوئی جج، خدا یا سزا نہیں ہے۔ بلکہ، ابدی برہمن آپ کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے۔

بدھ مت کا ظہور اور ہندومت کا عارضی زوال:

نیا فلسفہ بدھ مت کے ظہور کے ساتھ عروج پر پہنچ گیا، اور ہندومت کو مختصر طور پر روک دیا گیا۔ ہندومت اور اس کے دیوتاؤں کا عارضی زوال 6ویں اور 4 قبل مسیح کے درمیان کسی وقت شروع ہوا، کیونکہ برہمن (مذہبی پیشوا) ذات کے خلاف دشمنی بڑھ گئی، ان خونی قربانیوں اور رسومات کے خلاف بغاوت کے ساتھ جنہیں وہ ضروری سمجھتے تھے۔ یہ شدید مذہبی سرگرمی اور ہنگامہ آرائی کا وقت تھا، اور شمال مشرقی

ہندوستان میں بہت سے نئے فرقے نمودار ہوئے — فرقے عام طور پر ایک کرشماتی استاد کی خصوصیت رکھتے تھے جو پیروکاروں اور حامیوں کی ایک کمیونٹی کو اپنا مذہبی پیغام سکھاتا تھا۔ ایک اہم تبدیلی کے لیے اسٹیج تیار تھا۔

مبلغ سدھارتھ گوتم:

سدھارتھ گوتم، جسے بعد میں بدھ کے طور پر جانا گیا، انہی پر آشوب زمانوں میں پیدا ہوا۔ یسوع کی طرح، اس کے بارے میں بھی حقیقت کو افسانے سے الگ کرنا مشکل ہے۔ بتائی گئی کہانی یہ تھی کہ بدھ شاکیہ قبیلے کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی زندگی آرام اور دولت کی تھی، جہاں کوئی درد یا دکھ موجود نہیں تھا۔ 16 سال کی عمر میں اس نے شہزادی یشودھرا سے شادی کی، جس سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا۔ پھر اس کا 29 سال کی عمر میں ایک گہرا سامنا ہوا، جب اسے بالآخر محل کی دیواروں سے باہر کی زندگی دیکھنے کو ملی۔

جب وہ رتھ پر محل سے نکلا تو اسے باہر لوگوں کی غربت اور دکھوں کا احساس ہوا۔ یہ اثر اتنا گہرا تھا کہ اس نے اپنی دولت اور خاندان کو چھوڑ دیا اور صرف اپنے کپڑوں کے ساتھ باہر کی دنیا میں داخل ہوا، جو بعد میں پھٹ کر چیتھڑے ہو گئے۔ چھ سال تک فاقہ کشی کے دہانے پر اور بقا کے لیے ضروری کم از کم چیزوں کے ساتھ گزارنے کے بعد، اس نے بالآخر انتہاؤں کی اپنی زندگی کو ترک کر دیا۔ وہ ایک درخت کے نیچے مراقبے میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ اسے روشنائی حاصل ہو گئی۔

بدھ کی کہانی دنیا کے دیگر پیغمبروں سے بہت مختلف نہیں ہے جنہوں نے "روشنی" دیکھی تھی، دنیا کے دکھوں کا حل۔ بدھ کا سامنا دنیا اور اس کی ظلم سے ہوا، اور اسے اس دنیا کو سمجھنے اور اس کی وضاحت کرنے کے لیے ایک نیا ذہنی فریم ورک

تلاش کرنا پڑا۔ شکوک وشبہات کے درمیان، وہ بالآخر ایک نئی بصیرت پر پہنچا جس نے سوالات اور غیقینیوں کو واضح کیا۔ اگلے 45 سالوں تک، بدھ اپنا پیغام پھیلاتے ہوئے ہندوستان کے بیشتر حصوں کا سفر کریں گے۔ 80 سال کی عمر میں، وہ شدید بیمار ہو گیا اور انتقال کر گیا۔

اپنے دور کی دیگر تمام مرکزی مذہبی شخصیات کی طرح، بدھ نے کوئی تحریری کام نہیں چھوڑا۔ اس کا پیغام اور تعلیمات نسل در نسل زبانی منتقل ہوتی رہیں، پہلی تحریری تالیفات اس کی موت کے 200-100 سال بعد تک ظاہر نہیں ہوئیں۔ بالآخر، سینکڑوں تحریریں اس سے منسوب کی گئیں، بعد کی صدیوں میں کئی اجتماعات منعقد ہوئے تاکہ یہ طے کیا جاسکے کہ کون سی تحریر قبول کی جائے۔ ہم شاید کبھی بھی بدھ کے حقیقی پیغام کو نہیں جان پائیں گے، بالکل اسی طرح جیسے ہم کبھی بھی یسوع مسیح یا محمد ﷺ کے حقیقی پیغامات کو نہیں جان پائیں گے۔ اس کے پیغام پر غالباً ان لوگوں کے مذہبی طریقوں کا گہرا اثر تھا جو اسے زبانی طور پر منتقل کر رہے تھے۔ بعد میں، بدھ مت بھی انتہائی رسمیت اختیار کر گیا۔

بدھ کی تعلیمات انسانی دکھوں اور انسانی زندگی کی خصوصیت پر مرکوز تھیں۔ زندگی تکلیف دہ ہے، اور بہت سے طریقوں سے ہمارے دکھ ہماری اپنی تخلیق ہیں، اس میں کہ خواہشیں ہماری انسانی حدود کی وجہ سے دکھ کا باعث بنتی ہیں۔ عقیدے کے مطابق، بدھ کے راستے پر چل کر، کوئی بھی دکھ پر قابو پا سکتا ہے اور روشنائی حاصل کر سکتا ہے۔

بدھ کی تعلیمات میں سب سے بنیادی چار عظیم سچائیاں ہیں:

1. زندگی کسی نہ کسی طرح دکھ اور درد کا باعث بنتی ہے۔
2. ہمارے دکھ دنیاوی لذتوں کی ہماری خواہش اور طلب کا نتیجہ ہیں۔

3. ہمارے دکھ کا خاتمہ تب ہی ہوتا ہے جب ہم اپنی خواہشات اور طلب سے خود کو آزاد کر لیتے ہیں۔
4. اس آزاد حالت تک پہنچنے کے لیے، ہمیں بدھ کے فراہم کردہ راستے پر چلنا چاہیے۔

اخلاقی ضابطہ اور بدھ مت کا خلاصہ:

بدھ مت کے ساتھ، آزادی تک پہنچنے میں مدد کے طور پر ایک اخلاقی ضابطہ بھی متعارف کرایا گیا۔

1. جان لینے سے باز رہنا۔
2. وہ چیز نہ لینا جو دی نہ گئی ہو۔
3. حسی (جنسی سمیت) بدانتظامی سے باز رہنا۔
4. جھوٹ بولنے سے باز رہنا۔
5. ایسی نشہ آور چیزوں سے باز رہنا جو خود کو کھونے کا باعث بنیں۔

ہم بدھ مت کو ایک ایسے فلسفے کے طور پر بیان کر سکتے ہیں جو دنیا کی حقیقتوں سے فرار کے لیے مراقبے کا استعمال کرتا ہے۔ پیروکار اپنے آپ کو اپنی بدحالی سے باہر نکالنے کے لیے مگن کرتے ہیں، ایک ایسی تکنیک جو آج ماہر نفسیات استعمال کرتے ہیں۔ اس میں اپنیشد کے بہت سے فلسفے اور کرم اور دوبارہ جنم جیسے خیالات کو شامل ہے۔ بدھ مت ہندو مذہب کی ایک شاخ ہے جو ہندوستان سے تقریباً غائب ہو چکی ہے، لیکن ہندوستان کے آس پاس کے علاقوں میں اب بھی بہت زیادہ زندہ ہے۔ یہ بہت سے لوگوں کے لیے اپنی زندگیوں میں وجہ اور اطمینان تلاش کرنے کا ایک طریقہ پیش کرتا ہے۔ آج، بدھ مت کے 300 سے 500 ملین پیروکار ہیں۔

اگر دنیا کے عظیم ترین بادشاہوں میں سے ایک کی حمایت نہ ہوتی تو بدھ مت ایک چھوٹا فرقہ ہی رہتا۔ 269 قبل مسیح میں، اشوک اعظم نے ہندوستانی برصغیر کو فتح کیا، اور 232 قبل مسیح تک اس پر حکومت کی۔ کہانی کے مطابق، کلنگا کی جنگ میں ہزاروں لوگوں کے بے معنی قتل عام کو دیکھنے کے بعد اس نے بدھ مت قبول کر لیا۔ اس منظر سے خوفزدہ ہو کر، اور ایک اعلیٰ سچائی کی تلاش میں جہاں لوگوں کو ایک دوسرے کو مارنا نہ پڑے، وہ دنیا کے عظیم ترین منتظمین اور رہنماؤں میں سے ایک بن گیا۔ اپنیشدوں کی گہری تعلیمات اور بدھ کے فلسفے نے اس کے عقائد اور حکومت کی بنیاد بنائی۔ اس کی حکومت میں، بدھ مت پروان چڑھا اور ہندوستان کا غالب مذہب بن گیا۔

نئے ہندومت کا احیاء:

400 عیسوی تک، کلاسیکی ہندومت میں ایک احیاء شروع ہوا، جو صدیوں سے زوال پذیر تھا۔ نئے ہندومت نے بدھ مت اور جین مت کے بہت سے تصورات کو ضم کر دیا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے احیاء میں مورتیوں کی پوجا میں بھی اضافہ دیکھنے میں آیا، وشنو، شیو، کرشن اور رام جیسے دیوتاؤں کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے ساتھ۔

ہندومت اتنی اچانک کیوں واپس آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہندومت کبھی بھی واقعی ختم نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ بدھ مت ریاستی مذہب بن گیا اور ہندوستانی برصغیر میں پھیل گیا، لیکن پرانی رسومات اور خیالات عام لوگوں میں مقبول رہے، جبکہ بدھ مت سے متاثر بھی ہوتے رہے۔ اس احیاء کی قیادت ایک باصلاحیت فلسفی ادی شنکر نے کی۔ 788 عیسوی میں پیدا ہوئے، اور صرف 32 سال کی عمر تک زندہ رہے (علمی تاریخوں کے مطابق)، اپنیشدوں، ویدک عبارتوں اور بدھ مت کے تصورات کی ان

کی تشریح اور بصیرت نے ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ ہندوستان میں موجود بہت سے خیالات اور نظریات کو متحد کرنے کی اپنی جستجو میں، انہوں نے ہندو فکر کے ایک نئے مکتب، **ادویت ویدانت** کو آگے بڑھایا اور ترقی دی، جو اپنیشدوں، برہم سوتر اور ایک ہندوستانی رزمیہ، بھگوت گیتا پر مضبوطی سے قائم تھا—ایک نیا مکتب جو ہندو فلسفہ کے سب سے زیادہ (اگر سب سے زیادہ نہیں) بااثر مکاتب میں سے ایک بن جائے گا۔ اس فلسفے نے سکھایا کہ آتما (روح) اور برہمن ایک ہیں۔

ہندو ادب کا احیاء: مہابھارت اور رامائن: ہندومت میں نئی تخلیقی صلاحیتوں اور تبدیلیوں کے ساتھ، ادب اور شاعری میں بھی ایک احیاء آیا۔ اس دور میں، دو کام سامنے آئے جنہوں نے رزمیہ داستانوں میں مذہبی خیالات اور فلسفے کو امر کر دیا، یعنی مہابھارت اور رامائن، جہاں ویدک عبارتیں اور اپنیشدیں بعض اوقات مبہم اور تشریح کرنا مشکل تھیں، یہ دونوں رزمیہ عوام الناس کو ہندو اصول سکھانے کے لیے سامنے آتے ہیں۔ دونوں ہندوستان میں وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے ہیں، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ہندو نے ان رزمیہ داستانوں کے بارے میں سنا ہے اور جانتا ہے۔

مہابھارت کے بارے میں روایتی نظریہ یہ ہے کہ یہ 4,000–5,000 سال پہلے، رزمیہ میں پیش آنے والے واقعات کے فوراً بعد لکھا گیا تھا۔ علمی خیال یہ ہے کہ یہ 300 قبل مسیح اور 300 عیسوی کے درمیان سینکڑوں سالوں میں بہت سے مصنفین کی مرتب کردہ ایک جامع تصنیف ہے۔ ہندومت کی اخلاقی اور مذہبی تعلیمات رزمیہ داستان میں بنی ہوئی ہیں، ایک اہم جنگ کے آغاز کے طور پر اور اس کے کرداروں کو زندگی کے چیلنجوں اور دیوتاؤں کے ساتھ مکالمے کا سامنا ہے۔ دھرم (اچھے اعمال)، آزادی، کشش، ترک، اور یوگا کے خیالات رزمیہ داستان میں سموئے ہوئے ہیں۔

ہندو رزمیہ داستانوں کا سقراطی اندازِ تعلیم اور بھکتی تحریک: ان رزمیہ

داستانوں کا ایک قابل ذکر پہلو تعلیم کے سقراطی طریقے کا استعمال ہے، تعلیم کے سیدھے طریقے کے مقابلے میں۔ ابراہیمی مذاہب زیادہ تر سیدھی تعلیم کا استعمال کرتے ہیں: دوسرے لفظوں میں، یہ جوابات ہیں اور یہ راستہ ہے، بس۔ جاؤ اور انہیں سیکھو۔ تاہم، مہابھارت اور رامائن کے ہندو رزمیہ بہت سے سوالات پوچھتے ہیں اور مخالف نقطہ نظر رکھنے والے افراد کے درمیان مسائل پر بحث کرتے ہیں، تاکہ خیالات اور عقلی سوچ کو واضح کیا جاسکے۔ یہ فرد کو مسائل کو سمجھنے اور انہیں صحیح تناظر میں رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔

ہندومت کے احیاء کے ساتھ، ایک نیا نظریہ بھی سامنے آیا جس نے اعلان کیا کہ لوگ کسی دیوتا کے لیے عقیدت یا محبت کے حق میں پیچیدہ ہندو رسومات اور مذہبی رسومات کو مسترد کرسکتے ہیں۔ یہ بھکتی تحریک تھی۔ اگر کوئی واقعی کسی دیوتا پر یقین رکھتا ہے اور خود کو اس کے لیے وقف کر دیتا ہے، تو نجات بھی حاصل کی جاسکتی ہے، جیسا کہ ابراہیمی مذاہب میں ہے۔ محبت یا عقیدت کسی روحانی پیشوا کے لیے، یا کسی خاص دیوتا، مثلاً شیو، وشنو، یا شکتی کے لیے ہو سکتی ہے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے، ہندوستان میں مندر عام ہو گئے، دیوتاؤں کو رکھنے اور پوجا کرنے اور عقیدت ظاہر کرنے کے لیے۔ ایک بار پھر، دیوتاؤں نے منطق اور عقل پر فتح حاصل کرلی۔

نجات کے راستے اور ہندو رسومات:

بھکتی نجات کے تین راستوں میں سے ایک بن گئی۔ جیسا کہ پہلے ہی بتایا جاچکا ہے، دیگر دو میں برہمن کے ساتھ ایک ہونا (جب ہم مراقبہ یا یوگا کا استعمال کرتے ہوئے برہمن کے ساتھ اپنی شناخت کا احساس کرتے ہیں، جسے گیان کہا جاتا ہے) اور کرم) کسی کے برے اعمال سے زیادہ اس کے سماجی اور خاندانی فرائض کو پورا کرنا)

شامل ہیں۔ بھکتی کا راستہ زیادہ تر ہندوستانیوں کا پسندیدہ راستہ ہے۔

کسی دیوتا کے لیے اس قسم کی عقیدت یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں بھی ملی ہے۔ ان تمام مذاہب میں نجات حاصل کرنے کے لیے کسی دیوتا کے لیے عقیدت کی ضرورت ہوتی ہے۔ درحقیقت، ابراہیمی مذاہب میں، خدا، اللہ یا یہوواہ تک پہنچنے کے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ عیسائیت میں، اس وقت اس کو چیلنج کیا جارہا ہے۔ ایک نظریہ یا عقیدہ ترقی کر رہا ہے جہاں اعمال یا کام عقیدت سے زیادہ اہم ہیں۔

ہندو مندر اور رسومات: ہندومت میں مندر اور دیوتا بھی ہمیں مذہب کے بارے میں بہت سی بصیرت فراہم کرتے ہیں۔ عالمی سطح پر، یہ توقع کی جاتی ہے کہ مندر میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتارنے چاہئیں، بہت سے لوگوں کو داخلے سے پہلے پاؤں یا جسم دھونے کی بھی ضرورت ہوتی ہے ـــ یہ رسم اسلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ خواتین کو سادہ کپڑے پہننے چاہئیں، اور مردوں کو رنگین کپڑے پہننے سے گریز کرنا چاہیے۔

عبادت کی رسم کے بعد، زائر دیوتا کی تصویر کے گرد گھڑی کی سمت بھی چلتا ہے (طواف کرتا ہے)۔ قاری مسلم دنیا میں کعبہ کی ان رسومات سے مماثلت پر غور کر سکتا ہے، جہاں مسلم حجاج بھی کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ درحقیقت، ایک نظریہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں قدیم کعبہ ہندو پجاریوں کے سفر میں قائم کردہ ایک ہندو مندر کے طور پر شروع ہوا تھا، اس سے پہلے کہ دیوتاؤں کی تباہی کے بعد حضرت محمد ﷺ نے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا۔

ایک دیوتا کی تخلیق اور ہندومت کی منفرد خصوصیات:

آیئے ہندو دیوتاؤں کی طرف واپس چلتے ہیں۔ کیا وہ حقیقی دیوتا ہیں؟ کوئی

بھی ان دیوتاؤں کی تخلیق، یا کم از کم ان کی نمائندگی کو دیکھ سکتا ہے۔۔۔بالکل لفظی طور پر، اور حیرت انگیز طور پر، محض فانیوں کے ذریعہ دیوتاؤں کی تخلیق۔ دیوتاؤں کو پہلے مٹی، لکڑی، یا دیگر بنیادی مواد سے بنایا جاتا ہے، پھر دھات اور سجاوٹ کے ساتھ تہہ در تہہ بنایا جاتا ہے یہاں تک کہ حتمی دیوتا مکمل ہو جاتا ہے۔ ایک بار تخلیق ہونے کے بعد، دیوتا کو ایک مندر میں لے جایا جاتا ہے۔ اگلا مرحلہ دیوتا میں زندگی یا دیوتا کو سانس لے کر اسے "بیدار" کرنا ہے۔ بہت سی رسومات کے بعد، بشمول ویدک بھجنوں کی مشق کرنا، دیوتا کو نہلانا، آگ کی قربانیاں، اور بہت کچھ، تقریب کا اختتام آنکھوں کے کھلنے پر ہوتا ہے۔ اس وقت تک، آنکھیں ڈھکی ہوئی تھیں۔

پجاری یا کوئی معزز مہمان آنکھوں کو سیل کرنے والی مٹی کو ہٹا دیتا ہے۔ جیسے جیسے آنکھیں ظاہر ہوتی ہیں۔۔۔ کبھی کبھی چمکتے ہوئے جواہرات کے طور پر۔۔۔دیوتا کو اب خود خدا سمجھا جاتا ہے۔ دیوتا اور مندر کے پجاریوں کے درمیان ایک معاہدہ قائم ہوتا ہے۔ دیوتا دیوتا میں اترنے پر راضی ہو جاتا ہے، اور پوجا کرنے والے اس کی دیکھ بھال کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اب سے دیوتا کو دن میں کئی بار نہلایا جائے گا، دن اور رات کپڑے پہنائے جائیں گے، اور کھانے کی نذر دی جائے گی۔

ہندومت کی لچک اور صحیفوں کا کردار: آج کے ہندومت میں کوئی چرچ یا مرکزی اتھارٹی نہیں ہے، جس کی وجہ سے عقائد، رسومات اور طریقوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ایک مرکزی اتھارٹی کی عدم موجودگی نے اس کی بقا کو بھی یقینی بنایا ہے، کیونکہ یہ ایک ہی شخص (مثلاً موسیٰ، پولس، یا محمد ﷺ) کے اثر و رسوخ سے آزاد تھا جس نے اپنے نتائج اور ایجادات بنائے ہیں اور انہیں حتمی سچ قرار دیا ہے۔ ہندومت ایک چھتری کے نیچے بہت سے عقائد کو قبول کرتا ہے، ابراہیمی مذاہب کے پیغامبروں کے برعکس جو خدا کے نمائندے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں (مثال کے طور پر، موسیٰ خدا کے

پیغام کے ساتھ پہاڑ سے نیچے آرہے ہیں، یا محمد ﷺ ہجرت غار سے نکل رہے ہیں)۔

ہندو مذہب اور اس کے ابراہیمی مذاہب کے درمیان دوسرا بڑا فرق صحیفوں کے اختیار کا سوال ہے۔ ابراہیمی مذاہب میں، بائبل اور قرآن کو لفظ بہ لفظ خدا کا کلام سمجھا جاتا ہے، اور کچھ بھی مسترد نہیں کیا جاسکتا، چاہے کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ کتابیں حتمی اختیار ہیں، اور کسی بھی دلیل یا سوال کو ان صحیفوں کی مطابقت میں حل کرنا ہوگا۔ ہندو صحیفے، اگرچہ اہم ہیں، ہندومت میں حتمی اختیار نہیں ہیں۔ جہاں کسی کا انصاف یا عدل کا احساس زیادہ ہوتا ہے، وہاں صحیفہ ایک اچھی اور موزوں دلیل کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کرلیتا ہے، ایک ایسی خصوصیت جس نے مذہب کے مسلسل احیاء اور جاندار ہونے کو بھی یقینی بنایا ہے۔

آج کا ہندومت : دیوتاؤں، رسومات اور فلسفے کے درمیان:

اگرچہ ہندو فلسفہ شاندار بلندیوں تک پہنچ گیا ہے، لیکن روزمرہ کی حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ہندو اپنے مذہب کے بہت سے دیوتاؤں اور رسومات میں پھنسے ہوئے ہیں، اور کبھی بھی گہرے فلسفے کی طرف منتقل نہیں ہوسکے۔ یہ جعلی دیوتاؤں کا مذہب ہے، جس میں انسانیت کا قدیم فطری رجحان عقل پر غالب آجاتا ہے۔ آخرکار، سائنس اور عقلی سوچ پر یقین رکھنے کے مقابلے میں کسی دیوتا کے لیے وقف ہونا بہت آسان ہے۔

عام ہندو آج ایک خاص دیوتا کی پوجا کرے گا جس سے وہ دولت، خوشی، بارش اور دیگر ضروریات کی توقع رکھتا ہے۔ خاص دیوتا خاندان سے خاندان اور گاؤں سے گاؤں میں مختلف ہوتا ہے۔ موجودہ عبادت سادہ سے لے کر پیچیدہ تک ہوسکتی ہے۔ ایک عام عبادت (پوجا) منتر (بھجن) کے نعرے اور دیوتا کے پاؤں دھونے کے ساتھ شروع ہوسکتی ہے۔ دیوتا کو نہلایا بھی جاسکتا ہے اور انتہائی احترام کے ساتھ

کپڑے پہنائے جا سکتے ہیں۔ دیوتا کو آرام دہ کرنے کے بعد، اسے کھانا پیش کیا جاتا ہے جس میں پھل، دھونی اور دیگر چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، حمد یہ گیتوں اور بھجنوں کے ساتھ۔ عبادت کا اختتام آگ (مقدس آگ) میں نذرانہ پیش کر کے کیا جا سکتا ہے۔

شیو: ایک اہم دیوتا: ہزاروں دیوتاؤں میں، کچھ ایسے ہیں جن کی شناخت بڑے فرقوں کی وجہ سے اہم دیوتاؤں کے طور پر کی جا سکتی ہے جو ان کی خدمت کرتے ہیں۔ شیو روایت کے اندر، شیو اعلیٰ دیوتا ہے، جسے خوفناک یا تباہ کن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ شیو کو کئی شکلوں میں دکھایا گیا ہے، جیسے کائناتی رقاص، بھکاری، یا ننگا زاہد۔ پینٹنگز اسے الجھے ہوئے بالوں، نیلی گردن اور سفید راکھ میں لتھڑے ہوئے جسم کے ساتھ دکھاتی ہیں۔ وہ بہت سی خصوصیات والا دیوتا ہے، جن میں سے کچھ ایک دوسرے کی مخالفت کرتی ہیں جو اس سے منسوب مختلف لوک داستانوں اور عقائد کا نتیجہ ہیں۔ ایک طرف، شیو دنیاؤں کا تباہ کن ہے، دوسری طرف، وہ نئی زندگی اور محبت کا خالق بھی ہے۔ شیو بہت سی انفرادی تعلیمات اور مکاتب کا حتمی نتیجہ ہے۔

وشنو: کائنات کا محافظ: ایک اور اہم دیوتا وشنو ہے، ایک اعلیٰ دیوتا جو کائنات میں سرایت کرتا ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کا مالک ہے۔ وہ تمام وجود کا خالق اور تباہ کن بھی ہے، اور کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ وشنو کو چار بازوؤں والے آدمی کے طور پر دکھایا گیا ہے، تاکہ اس کی وسیع اور طاقتور فطرت کو دکھایا جا سکے۔ اس کی بادلوں جیسی نیلی جلد ہے، جس کے سر پر ایک تاج ہے جو برتری کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک بائیں ہاتھ میں ایک خول سیدھا پکڑا ہوا ہے، جو کائنات پر اس کی طاقت کی علامت ہے۔ ایک دائیں ہاتھ میں روحانی ذہن کو دکھانے کے لیے ایک فلیٹ دھاتی ڈسک بطور ہتھیار ہے۔ اس کے دوسرے دو ہاتھ ایک رسمی گدا پکڑے ہوئے ہیں جو اس کی الٰہی طاقت اور جسمانی طاقت کو ظاہر کرتا ہے — اور ایک کنول کا پھول، انسان کے اندر

روحانی شعور کی بیداری کو ظاہر کرتا ہے۔ وشنو 10 اہم شکلوں میں انسانی یا حیوانی شکل میں بھی مجسم ہوتا ہے، جیسے مچھلی، کچھوا، سوّر، بونا، وغیرہ۔ ایک بار پھر، اس دیوتا کی خصوصیات مخصوص فرقے یا فرد پر بہت زیادہ منحصر ہیں۔

دیوتاؤں کی ایک فہرست: مذاہبِ عالم اور ان کے معبود

یہ ہندومت پر بحث کے اختتام پر لے آتا ہے۔ اس طرح، ہم ان دیوتاؤں کو اپنی دیوتاؤں کی عظیم فہرست میں شامل کر سکتے ہیں:

1. یہوواہ، یہودی دیوتا جس کے بانی ابراہیم / موسیٰ ہیں، جس کی ابتدا ایک چھوٹے خانہ بدوش قبیلے کے ذریعہ پوجا کیے جانے والے فطرت کے دیوتا سے ہوئی ہے۔
2. خدا (جو یہوواہ اور رب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے)، عیسائی دیوتا جس کے بانی یسوع / پولس ہیں، یہودیت کی ایک شاخ۔
3. اللہ، مسلمانوں کا خدا، جس کے بانی محمد ﷺ ہیں۔
4. شیو، وشنو اور ہزاروں دیگر ہندو دیوتا، مختلف ہندو مصنفین کی تخلیقات، جن کی ابتدا قدیم وادی سندھ کی رسومات سے ہوئی ہے۔

ایک مثالی ابراہیمی دنیا: خصوصیات اور نتائج

یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ایک مثالی عیسائی، یہودی، یا اسلامی (یعنی ابراہیمی) دنیا کیسی نظر آئے گی۔ یہ مذاہب کس مثالی دنیا کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لیے کام کرتے ہیں؟ یہاں ایک مثالی ابراہیمی دنیا کی کچھ خصوصیات ہیں:

1. ہم سب ایک ہی خدا اور صحیفے پر یقین رکھیں گے۔ کسی دوسرے مذہب کا وجود نہیں ہوگا یا اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

2. زندگی میں ہر شخص کا بنیادی مقصد خدا کی رحمت اور فضل پانا ہو گا۔
3. ہمارے ارد گرد کی دنیا اور کائنات کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ خدا نے دنیا کو پیدا کیا ہے، اور اس طرح مزید سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔
4. سائنسی تحقیق اور ترقی کی ضرورت نہیں رہے گی۔
5. باقی ماندہ تمام اسکولوں کو مذہبی اسکولوں میں تبدیل کر دیا جائے گا، جہاں بنیادی مقصد بچوں کو خدا کی قبولیت اور رحمت حاصل کرنے کی رسومات اور طریقے سکھانا ہو گا۔
6. مخصوص صحیفے (تورات، بائبل، یا قرآن) کے ذریعہ مقرر کردہ رسومات یا شرائط قانون بن جائیں گی، تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ ہر کوئی جنت جاسکے۔ ان میں روزانہ کی نمازیں، موسیٰ کے دس احکامات پر عمل کرنا، اور چرچ، مسجد یا عبادت گاہ میں لازمی حاضری شامل ہو گی۔
7. جدید ترقی رک جائے گی، اور انسانیت آہستہ آہستہ ایک قدیم حالت میں بدل جائے گی، جہاں خوراک فطرت سے جمع کی جائے گی اور سب مقدس کتابوں میں دی گئی ہدایات پر عمل کریں گے۔

اس "مثالی" دنیا کے ممکنہ نتائج:

اگرچہ یہ تصور کچھ لوگوں کو پرکشش لگ سکتا ہے، لیکن اس طرح کی دنیا کے کچھ ممکنہ منفی نتائج بھی ہوسکتے ہیں:

- **تنوع کا خاتمہ:** ثقافتی، مذہبی اور فکری تنوع ختم ہو جائے گا، جس سے جمود اور عدم برداشت پیدا ہو سکتا ہے۔
- **ترقی کی رکاوٹ:** سائنسی اور تکنیکی ترقی رک جائے گی، جس سے معاشرتی اور معاشی مسائل حل کرنے میں مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

- **آزادیٔ فکر کا جبر:** تنقیدی سوچ اور سوال کرنے کی صلاحیت کو دبا دیا جائے گا، جس سے اندھی پیروی اور جبر پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہر مذہب کے اندر مختلف نظریات موجود ہیں، اور تمام مذہبی لوگ اس "مثالی" دنیا کی خواہش نہیں رکھتے۔

مذہبی یوٹوپیا کی تلاش اور جدید دنیا سے ٹکراؤ:

ماضی میں اس مذہبی یوٹوپیا کو حاصل کرنے کے لیے بہت سی (ناکام) کوششیں کی گئی ہیں، اور وہ آج بھی جاری ہیں، کمیونٹیز جدید دنیا سے خود کو الگ کر رہی ہیں اور مندرجہ بالا حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ قرون وسطیٰ اس طرح کرنے کی ایک مربوط کوشش تھی، جس نے سینکڑوں سالوں تک مغربی دنیا کی سائنسی ترقی کو سست کر دیا۔ بہت سے مسلم مشرق وسطیٰ کے ممالک نے دنیا کو دوبارہ تخلیق کرنے کی کوشش میں صحیفے کو شہری قانون کے طور پر نافذ کیا ہے جیسا کہ مقدس کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ہمارا ان لوگوں کے درمیان مسلسل تصادم ہے جو یقین رکھتے ہیں کہ دنیا کو ان کی مقدس کتابوں میں بیان کردہ طریقے سے چلایا جانا چاہیے، اور انسانیت پر مبنی ثقافت اور ٹیکنالوجی کی مسلسل ترقی۔

مذہب کا مستقبل: بقا اور زوال: اس کتاب کے اگلے حصے میں، ہم دیکھیں گے کہ یہ مذاہب ایک نسل سے دوسری نسل تک خود کو کیسے برقرار رکھتے ہیں، اور وہ اب تک کیسے اتنے کامیاب طریقے سے زندہ رہے ہیں۔ ہم ان قدیم عقائد کے ناگزیر زوال پر بھی ایک نظر ڈالیں گے۔

یہاں کچھ اہم نکات ہیں جن پر غور کیا جا سکتا ہے:

- **مذہب کی خود کو برقرار رکھنے کی صلاحیت:** مذہب نسل در نسل منتقل ہوتا ہے، ثقافت اور روایات کے ذریعے۔ مذہبی ادارے بھی اس عمل میں اہم

کردار ادا کرتے ہیں۔

- **مذہب اور جدیدیت کا ٹکراؤ:** سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے مذہبی عقائد کو چیلنج کیا ہے، لیکن مذہب نے بھی خود کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔
- **مذہب کا مستقبل:** یہ کہنا مشکل ہے کہ مذہب کا مستقبل کیا ہوگا۔ کچھ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ مذہب کا اثر و رسوخ کم ہوتا جائے گا، جبکہ دوسرے کا خیال ہے کہ مذہب ہمیشہ انسانی زندگی کا ایک اہم حصہ رہے گا۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ مذہب ایک پیچیدہ معاملہ ہے، اور اس کے بارے میں کوئی بھی حتمی پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔

باب 3

مذہب کا اختتام

بالآخر ایسی علامات نظر آرہی ہیں کہ مذہبی عقائد کے پردے اٹھ رہے ہیں۔ صدیوں سے سائنس اور عقل کے حملے نے بتدریج اس سیاہ بادل کو چھٹایا ہے، اور اب غیر مذہبی لوگ بلا خوف و خطر بول سکیں گے، دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل کر سکیں گے۔ تبدیلی کا وقت قریب ہے۔

ایک بچے کی نظر سے خدا:

بچے بغیر کسی مذہب کے پیدا ہوتے ہیں، ان کا دماغ ایک خالی تختی ہوتا ہے — کسی بھی عقیدے یا علم سے عاری۔ یہ صرف شیر خوارگی اور بچپن میں ہی ہوتا ہے کہ دماغ کسی خاص عقیدے کا رخ اختیار کرتا ہے، جو ہمیشہ بیرونی ذرائع پر مبنی ہوتا ہے۔ بچے کا عقیدہ اس کے سرپرستوں کی رہنمائی، بیرونی دنیا کے ساتھ اس کے تجربات، اور اس کے اپنے اندرونی استدلال کے عمل کے ذریعے تشکیل پاتا ہے۔ بچے کا مذہب کسی خاص خدا کی طرف سے طے نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس معاشرے اور عقیدے کے نظام کی طرف سے مسلط کیا جائے گا جس میں وہ پیدا ہوا ہے۔

زندگی کے پہلے تین سال بچے کی جذباتی اور فکری نشوونما کے لیے اہم ہیں۔

ان سالوں میں، وہ اپنی زبان اور متوقع رویہ سیکھے گا، اور تعلقات استوار کرے گا۔ اس عمل کے دوران، بچے کا معاشرہ اور/یا والدین بچے کے استدلال اور فکری عمل میں اپنے عقائد کو داخل کرنا شروع کر دیں گے۔ ایک بچہ والدین اور معاشرے سے قابل قبول مذہبی رویے کے بارے میں مسلسل تاثرات حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ سیکھتا ہے کہ کس طرح عمل کرنا ہے اور ایک قابل قبول مذہبی رویے کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔

اس طرح، سعودی عرب میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والے بچے کو زیادہ تر اسلام کی تعلیم دی جائے گی اور وہ مسلمان بن جائے گا۔ تھائی لینڈ میں پیدا ہونے والا بچہ غالباً بدھ مت بن جائے گا۔ ہندوستان میں پیدا ہونے والا بچہ ہندومت کو اپنائے گا۔ اور براسیلیا کا بچہ عیسائی ہوگا۔ سب کو یہ سکھایا جائے گا کہ ان کا عقیدہ ہی واحد سچا عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ مختلف مذاہب کے بہت چھوٹے بچے بھی ایک دوسرے کے درمیان واضح تضادات دکھاتے ہیں۔





اگر کوئی خدا ہے، تو کتنا عجیب ہے کہ اس نے (یا اس نے) ہمارے جینیات میں مناسب عقیدے کو ہارڈ کوڈ نہیں کیا، تاکہ اس تمام الجھن اور تنازع سے بچا جاسکے!

اوپر تصویر میں موجود تمام چھوٹے بچے، بہت کم عمری میں، ایک خاص خدا کے پیروکاروں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہم یہ کیسے کرتے ہیں؟ اس عمل کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے، ہمیں مختلف مذاہب پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

عیسائی خاندانوں میں بچے:

ابتدائی طور پر، ایک عیسائی خاندان میں بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ کوئی ہے، نادیدہ اور بہت طاقتور، جو اسے ہر وقت دیکھتا ہے۔ اچھے بچوں کو انعام دیا جائے گا، برے بچوں کو سزا دی جائے گی۔ یہ وہ خدا ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا، وہ خدا جو فیصلہ کرے گا کہ ماں یا والد اور آپ کل زندہ رہیں گے یا نہیں، وہ خدا جو سب کچھ جانتا ہے۔ جو بچہ کچھ غلط کرتا ہے اسے بتایا جائے گا کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ جو بچہ پوچھتا ہے کہ دنیا کس نے بنائی اسے بتایا جائے گا کہ خدا نے بنائی۔ اسے ہاتھ جوڑ کر خدا سے معافی مانگنے کی تعلیم دی جائے گی۔ اگر خاندان کا کوئی فرد بیمار پڑ جائے تو وہ دعاؤں میں حصہ لے گا۔ اسے بچوں کی بائبل پڑھ کر سنائی جائے گی جس میں خدا کے نیک لوگوں کی بُرے کافروں کے خلاف بہادرانہ فتوحات ہیں۔

بچے کو خدا کے بیٹے کے طور پر یسوع کی پیدائش کے بارے میں سکھایا جائے گا، اور زیادہ تر صورتوں میں یہ بھی سکھایا جائے گا کہ دوسرے تمام مذاہب غلط یا برے ہیں۔ جلد ہی بچہ اتوار کے اسکول جائے گا، جہاں چرچ اس کی تشکیل کے سالوں میں اس کی عیسائی تعلیمات کو مزید تقویت دے گا۔ بچے کو غم کا سامنا کرنے، ناکامیوں پر قابو پانے، مقصد تلاش کرنے، اور بہت کچھ کے لیے اپنے مذہب کو استعمال کرنے کی

تعلیم دی جائے گی۔ تمام امکانات میں، بچہ تقریباً خصوصی طور پر دوسرے عیسائی بچوں کے ساتھ کھیلے گا اور بات چیت کرے گا، اور ایک دن اسی مذہب سے تعلق رکھنے والے کسی سے شادی کر سکتا ہے۔

ایک مسلمان خاندان میں بچے:

مسلمان خاندان میں پیدا ہونے والے بچے کو سب سے پہلے جو آواز سنائی دیتی ہے وہ اذان ہے۔ دن میں پانچ بار، خاندان کو اللہ سے دعا کرنے کی قدیم رسم ادا کرنے کی یاد دلائی جاتی ہے۔ عیسائی بچے کی طرح، مسلمان بچے کو بھی سکھایا جاتا ہے کہ کوئی ہے، نادیدہ اور بہت طاقتور، جو اسے دیکھتا ہے۔ اچھے بچوں کو انعام دیا جائے گا، اور جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے انہیں سزا دی جائے گی۔ یہ وہ خدا ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا، وہ خدا جو فیصلہ کرے گا کہ ماں یا والد یا آپ کل زندہ رہیں گے اور آپ کی دیکھ بھال کی جائے گی۔ دوبارہ، جو بچہ کچھ غلط کرتا ہے اسے بتایا جائے گا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اور جو بچہ پوچھتا ہے کہ دنیا کس نے بنائی تو اسے بتایا جائے گا کہ اللہ نے بنائی ہے۔ اگر خاندان کا کوئی فرد بیمار پڑ جائے تو وہ اس شخص کے لیے دعا کرنے میں حصہ لے گا۔

بچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سیکھے گا جو اتنے سال پہلے اللہ کا کلام دنیا میں لائے تھے، وہ ناقابل تردید کلام جو مطلق، حتمی سچ ہے۔ بچہ اس وقت کے دوسرے عقائد کے خلاف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے اور ان کے خلاف ان کی حتمی کامیابی کے بارے میں سیکھے گا۔ زیادہ تر صورتوں میں، بچے کو یہ بھی سکھایا جائے گا کہ دوسرے تمام مذاہب گمراہ ہیں۔ جلد ہی بچہ قرآن کا استعمال کرتے ہوئے پڑھنا سیکھے گا، اور ایک بار باقاعدہ اسکول میں اس کی اسلامی تعلیمات کو تقویت ملے گی۔

ایک ہندو خاندان میں بچہ:

ایک ہندو خاندان میں پیدا ہونے والا بچہ جیسے جیسے دنیا کو تلاش کرنا اور تجربہ کرنا شروع کرتا ہے، اسے احساس ہو گا کہ اس کے آس پاس کے زیادہ تر لوگ روزانہ کسی نہ کسی مزار پر جاتے ہیں۔ پھل، پھول اور کھانا کسی دیوتا کو پیش کیا جاتا ہے، اور موم بتیاں روشن کی جا سکتی ہیں۔ بچہ متجسس ہو گا جب وہ خاندان کے افراد کو مزار کے گرد جمع ہوتے ہوئے دیکھے گا۔۔ کئی صورتوں میں، گھر میں ایک خاص جگہ۔۔جہاں وہ حمد و ثنا اور دعائیں پیش کرتے ہیں۔ بچہ پرانے ویدک اشعار سنے گا اور اسے ماضی کے دیوتاؤں کی عظیم کہانیاں سنائی جائیں گی۔ کہانی سنانے کے اندر، ایک اخلاقی ضابطہ اور عقیدے کا نظام بچے تک پہنچایا جائے گا۔

بچے کو سکھایا جائے گا کہ مزار میں کس طرح پوجا کرنی ہے، اور مشکل کام یا صورتحال کا سامنا کرتے وقت طاقت یا الہام کے لیے مزار پر جانا ہے۔ اسے پہلے ایک سادہ سی نذر لانا، اپنشد کی آیت دہرانا یا ایک سادہ سا گانا گانا سکھایا جائے گا۔ ہندو صحیفوں کے مطابق دنیا کی وضاحت کی جائے گی، اور وہ موت کا بھی مشاہدہ کرے گا، جس کی وضاحت اسے مذہب کے ذریعے کی جائے گی۔ بچے کو یوگا اور مراقبہ سکھایا جائے گا۔

مذہب ہمارے اسکولوں کو کیسے استعمال کرتا ہے:

ہماری ثقافتی ورثے کے حصے کے طور پر، ہم اب بھی دنیا بھر کے زیادہ تر اسکولوں میں مذہب کی تعلیم دیتے ہیں (یہاں تک کہ ان ممالک میں جہاں چرچ اور ریاست کو الگ رکھنا ہوتا ہے)۔ صرف چند بچے مذہبی تعلیم سے بچتے ہیں۔ اس کتاب کے زیادہ تر قارئین اپنی مذہبی تعلیم کو یاد کرنے کے قابل ہوں گے۔ اسکول کی اسمبلی

کے دوران یا اسکول کے کھیلوں کے پروگرام سے پہلے کس نے کم از کم ایک دعا نہیں سنی ہے، یا یہاں تک کہ مذہبی سبق کا تجربہ نہیں کیا ہے یا مذہبی کتاب سے پڑھنے میں شرکت نہیں کی ہے؟ مذہبی تعلیم انتہا پسندی (مثال کے طور پر، اسلامی مدرسہ) سے لے کر مکمل طور پر سیکولر (غیر مذہبی) اسکولوں—مثال کے طور پر، فرانس میں پبلک اسکول سسٹم—تک ہے۔

لیکن یہاں تک کہ اسکولوں کے سب سے زیادہ سیکولر میں بھی، ہمارے بچوں کو ایسی کوئی چیز سکھانے میں ہچکچاہٹ یا مزاحمت ہے جو براہ راست صحیفوں سے متصادم ہو، جیسے انسانی ارتقا یا کائنات کی تشکیل۔ اسکولوں میں موجودہ مذہبی تعلیم انسانی نسل کے لیے قدیم عقائد کے بندھنوں سے خود کو آزاد کرنے کی کوششوں میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ مذہبی تعلیم کی حد کو سمجھنے کے لیے آیئے چند ممالک میں اسکولنگ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

برطانیہ:

برطانیہ کے تقریباً نصف سرکاری اسکول مذہبی بنیادوں پر ہیں۔ 590 مذہبی بنیادوں پر ثانوی اسکولوں میں سے پانچ یہودی، دو مسلم اور ایک سکھ ہیں۔ باقی چرچ آف انگلینڈ (اینگلیکن)، رومن کیتھولک اور دیگر عیسائی عقائد ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر اسکولوں کو مذہبی عبادت کی روزانہ کی رسم پیش کرنا ہوتی ہے۔ صرف چرچ آف انگلینڈ کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں (انگلینڈ، این ڈی)

- تقریباً 10 لاکھ بچے چرچ آف انگلینڈ کے اسکولوں میں جاتے ہیں۔
- آج زندہ تقریباً 15 ملین لوگ کسی ایک میں شریک ہوئے۔
- تمام پرائمری اور مڈل اسکولوں میں سے 4,605 (25%) چرچ آف

انگلینڈ ہیں۔

- (6.25%) 236 ثانوی اسکول چرچ آف انگلینڈ ہیں۔
- 45 سپانسرڈ اور 99 کنورٹر اکیڈمیوں کے ساتھ، اینگلیکن چرچ انگلینڈ میں تعلیم کا سب سے بڑا فراہم کنندہ ہے۔
- 564 آزاد اسکول خود کو چرچ آف انگلینڈ ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

زیادہ تر صورتوں میں، یہ اسکول ان بچوں کو پڑھانے اور ان کی مدد کرنے کے لیے وقف اساتذہ کے ساتھ بہترین اسکولنگ پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر اسکول اچھی طرح سے منظم بھی ہیں، اور بنیادی اخلاقیات اور اخلاق سکھانے کا مقصد رکھتے ہیں۔ تاہم، ان بچوں کو چرچ آف انگلینڈ کے مخصوص عقائد اور تعلیمات کی بھی ہدایت دی جاتی ہے۔ کئی صورتوں میں، اساتذہ کو عملے میں خدمات انجام دینے کی اجازت دینے سے پہلے چرچ آف انگلینڈ سے اپنی وابستگی کو یا تو رکنیت یا کسی جماعت سے تعلق رکھنے کا مظاہرہ کر کے ثابت کرنا پڑتا ہے۔

ان اسکولوں میں جانے والے بچے کو چرچ آف انگلینڈ کے عقیدے کے فریم ورک کے اندر سوچنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ صبح کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ دیواروں پر علامتوں یا تصویروں سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر، بچہ، ایک اجنبی نہ بننے کی کوشش میں، ان عقائد کو قبول کرنے کے لیے ہم مرتبہ دباؤ کا شکار ہو گا۔

عیسائی تعلیمات پر سوال اٹھانے والے بچے کو "صحیح" راستہ دکھایا جائے گا، ایک کھوئی ہوئی بھیڑ کے طور پر جسے ریوڑ میں واپس کرنے کی ضرورت ہے۔ بالآخر، بچہ صرف عیسائی مذہب کی تعلیمات کے مطابق قبول اور عمل کر سکتا ہے۔ اس کے رول ماڈل (اساتذہ) بھی اپنے مذہب پر اپنے پختہ یقین کا مظاہرہ کریں گے، اور بچہ قدرتی

طور پر اس کی پیروی کرے گا۔ جب تک بچہ اسکول چھوڑتا ہے اسے ان عقائد پر شک یا سوال نہیں رہے گا۔ وہ ایک دن اپنے بچوں کو انہی مذہبی اسکولوں میں بھیجے گا، اس طرح مذہبی رویے کے چکر کو آگے بڑھائے گا۔

اسی ملک میں، آپ کو چند اسلامی اسکول ملیں گے۔ برطانیہ میں مسلم اسکولوں کی ایسوسی ایشن (AMSUK) کے مطابق اب برطانیہ میں 127 کل وقتی مسلم اسکول ہیں، جن میں پرائمری اور سیکنڈری دونوں اسکول شامل ہیں۔ ان میں سے بہت سے اسکول وقف اساتذہ کے ساتھ بہترین تعلیمی اسکولنگ بھی پیش کرتے ہیں، اور بچوں کو بنیادی اخلاقیات اور اخلاق سکھانے کا مقصد—جیسا کہ اسلامی عقیدے کے نظام میں رائج ہے—اساتذہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اسلام ہی واحد سچا عقیدہ ہے۔ توقع ہے کہ تمام بچے ان عقائد کی پیروی کریں گے۔ جو بچہ اسلام پر سوال اٹھا سکتا ہے وہ خود کو غلط سمجھے گا، کیونکہ اس کے آس پاس ہر کوئی (رول ماڈل کے طور پر استاد سمیت) واضح طور پر پختہ یقین رکھتا ہے۔

مزید برآں، اسے یہ بھی سکھایا جائے گا کہ اسلامی اصولوں سے کسی بھی قسم کی انحراف گناہ کے مترادف ہے، جس کا مطلب ہے کہ اس کی موت کے بعد کوئی آخرت نہیں ہوگی۔ جب تک بچہ اسکول چھوڑتا ہے، اسے ان عقائد پر شک یا سوال نہیں رہے گا—اور دوبارہ، وہ ایک دن اپنے بچوں کو انہی مذہبی اسکولوں میں بھیجے گا۔

ایران:

مذہبی تعلیم کی ایک انتہائی مثال ایران کے جدید اسکولوں میں مل سکتی ہے۔ 1979 کے اسلامی انقلاب کے بعد، اسلام کو منظم طریقے سے سرکاری اسکولوں میں ضم کر دیا گیا۔ ایسے کورسز اور درسی کتابیں جو مرکزی دھارے کے مذہب کے مطابق

نہیں تھیں ان کی جگہ لے لی گئی۔ سیکولر اساتذہ (جو اسلام سے ہم آہنگ نہیں تھے) کو کنارے کر دیا گیا یا ان کی جگہ لے لی گئی۔ در حقیقت، 700 سے زیادہ پروفیسرز کو ایران کے تعلیمی اداروں سے نکال دیا گیا۔ تعلیم میں اسلامی اقدار کے انضمام کی نگرانی کے لیے ایک سپریم کلچرل ریوولوشن کونسل تشکیل دی گئی۔ اسلام پر ایمان لانا لازمی قرار دیا گیا، اور تمام پرائمری اسکولوں میں قرآن سیکھنا لازمی ہے۔ اساتذہ کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے اور انہیں پڑھانے کی اجازت دینے کے لیے مذہبی امتحان پاس کرنا ہو گا۔

نسل در نسل کو اسلامی عقیدے کا نظام سکھایا جاتا ہے، بچوں کے پاس اس کے خلاف بحث کرنے اور استدلال کرنے کا بہت کم یا کوئی موقع نہیں ہوتا ہے۔

ان دو مثالوں سے یہ واضح ہے کہ تعلیم کو مذہب کو آگے بڑھانے کے لیے کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ اسکولوں کے ذریعے تعلیم ایک اہم ذریعہ ہے جو مذہب کو نہ صرف اس کی بقا کو یقینی بنانے کی اجازت دیتا ہے بلکہ معاشرے پر اس کی گرفت کو بھی یقینی بناتا ہے۔

سیکولر اسکول:

مثالی طور پر، ان ممالک میں جہاں چرچ اور ریاست سرکاری طور پر الگ ہیں، اسکول مذہب سے آزادانہ طور پر چلائے جاتے ہیں۔ یہ آئیڈیل حقیقت میں اکثر پورا نہیں ہوتا ہے۔ دنیا میں بہت کم حقیقی سیکولر اسکول سسٹم ہیں۔ ایک استثنا فرانس ہے، جہاں حکومت ایسے اسکول چلاتی ہے جہاں کوئی اجتماعی دعائیں، مذہبی علامتیں یا مذہبی اجتماعات نہیں ہوتے ہیں۔ اسکولوں کو غیر جانبدار جگہیں سمجھا جاتا ہے جہاں بچوں کو سیاسی یا مذہبی دباؤ اور قناعت سے دور تعلیم دی جاتی ہے۔ اسکول کا معیار مکمل طور پر اس کی انتظامیہ اور اساتذہ کے معیار پر مبنی ہے۔

کیا مذہبی بچے غیر مذہبی بچوں سے زیادہ خوش ہوتے ہیں؟

کچھ مذہبی اسکولوں کا دعویٰ ہے کہ ان کے بچے زندگی کے لیے زیادہ خوش اور بہتر طور پر لیس ہوتے ہیں، منشیات کے استعمال اور معاشرتی مخالف رویے کا کم مظاہرہ کرتے ہیں، اور سیکولر اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں کے مقابلے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اخلاقیات رکھتے ہیں۔ اگست 2001 میں، یونیورسٹی آف نوٹری ڈیم (ایک کیتھولک یونیورسٹی) اور یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا نے امریکہ میں نوجوانوں اور مذہب کا قومی مطالعہ کیا (کرسچن سمتھ، 2002)۔ یہ رپورٹ شروع ہوتی ہے:

> "قومی سطح پر نمائندہ سروے کے اعداد و شمار پر مبنی یہ رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ مذہبی امریکی 12ویں جماعت کے طلباء میں خود اعتمادی نمایاں طور پر زیادہ ہے اور وہ اپنے کم مذہبی ساتھیوں کے مقابلے میں عام طور پر زندگی کے بارے میں زیادہ مثبت رویہ رکھتے ہیں۔"

رپورٹ میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے:

> "تمام 12ویں جماعت کے طلباء میں سے 31 فیصد جو ہفتہ وار مذہبی خدمات میں شرکت کرتے ہیں اور ہائی اسکول کے سینئرز میں سے 30 فیصد جن کے لیے مذہب بہت اہم ہے، غیر حاضرین اور غیر مذہبی لوگوں کے مقابلے میں نمایاں طور پر زیادہ امکان ہے کہ:
>
> - اپنے بارے میں مثبت رویہ رکھیں
> - کسی کی طرح زندگی سے لطف اندوز ہوں

- محسوس کریں کہ ان کی زندگیاں مفید ہیں
- اپنے مستقبل کے بارے میں پر امید محسوس کریں
- اپنی زندگیوں سے مطمئن محسوس کریں
- محسوس کریں کہ ان کے پاس ایسی چیز ہے جس پر فخر کیا جا سکے
- زندہ رہنے میں اچھا لگے
- محسوس کریں کہ زندگی با معنی ہے
- اسکول میں رہنے سے لطف اندوز ہوں"

کیا یہ رپورٹ مذہب کی صداقت ثابت کرتی ہے؟

اگرچہ یہ رپورٹ درست اور غیر جانبدار ہے، لیکن مذکورہ بالا نتائج مذہب کی صداقت یا اہمیت کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ نتائج صرف اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مذہب کسی فرد کی سماجی ضروریات کو پورا کر کے اسے خوشی فراہم کر سکتا ہے۔

رپورٹ کے مطابق، مذہبی بچے زیادہ خوش کیوں ہوتے ہیں؟

1. **سماجی تعاون:** مذہب فرد کو سماجی تعاون کے لیے ایک گروپ فراہم کرتا ہے۔ کسی مذہب سے وابستہ ہونے سے، آپ اس گروپ میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس سے سکون حاصل کرتے ہیں۔ خاص طور پر، بوڑھے، بیمار، یا تنہا افراد مذہبی ہونے پر زیادہ خوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ خدا کی دیکھ بھال اور محبت پر بھی یقین ہے۔
2. **عقائد:** جب ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی مقصد اور ہدف ہے، تو ہماری خوشی بڑھ جاتی ہے۔ ہماری دنیاوی درد اور تکلیف عارضی ہے، کیونکہ یہ

صرف ایک خوشحال زندگی کا پیش خیمہ ہے۔

3. **خدا:** ہمارے پاس ایک ذاتی نگہبان ہے۔ چاہے ہر کوئی ہمیں مسترد کر دے، ہمارا خدا اب بھی ہم سے محبت کرتا ہے اور ہماری دیکھ بھال کرتا ہے۔ ہم اپنے خدا کے ساتھ رابطے میں ہیں، جو سکون اور محبت فراہم کرتا ہے۔

اکثر، مذہبی سرگرمی میں رضاکارانہ اور خیراتی کام بھی شامل ہوتا ہے۔ خوشی میں مطالعات نے انہیں ہمارے سب سے زیادہ فائدہ مند تجربات کے طور پر شناخت کیا ہے جو ہمیں خوش کرتے ہیں اور ہمیں کامیابی، خود اعتمادی اور اطمینان کا احساس دلاتے ہیں۔

مذہبی / روحانی افراد میں خوشی میں اضافہ دراصل ان تنظیموں کی جانب سے اپنے ممبران کو پیش کی جانے والی حمایت اور محبت کا نتیجہ ہے، نہ کہ خدا کی طرف سے فراہم کی جانے والی خوشی کا۔ ایک منظم مذہب جس میں سورج کو خدا مانا جاتا ہے، وہی سماجی ضروریات اور حمایت پوری کرے گا جیسا کہ وہ مذہب جس کا خدا یہوواہ ہے۔ محسوس کی جانے والی خوشی مذہب کی صداقت کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ ان مذاہب کی جانب سے فراہم کی جانے والی سپورٹ نیٹ ورک اور تنظیم کی قدر کا ثبوت ہے۔

ایک اچھی طرح سے کام کرنے والے مذہبی گروپ میں ایک بچہ منشیات، شراب اور دیگر نقصان دہ رویے سے پرہیز کرنے کے لیے اخلاقیات اور ہم مرتبہ دباؤ کا تجربہ کرے گا۔ یہ ایک قریبی برادری بھی ہے، جہاں وہ نقصان دہ اثرات کو محدود کرنے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ بدقسمتی سے، ان میں سے کچھ گروہوں کے منفی ضمنی اثرات بھی ہیں۔ مذہبی عقیدے کو مسلسل تقویت دی جاتی ہے، تنقید کو عام طور پر برداشت نہیں کیا جاتا ہے، اور گروپ اندرونی سوچ اور یہ تصور بھی پیدا کر سکتا ہے کہ وہ صحیح یا منتخب لوگ ہیں۔ ان میں سے کچھ گروہ یا معاشرے ایک سخت درجہ

بندی والا طاقت کا ڈھانچہ بھی تیار کر سکتے ہیں۔

غیر مذہبی بچوں کے لیے سماجی تحفظ:

غیر مذہبی بچے کے پاس یہ سماجی تحفظ کا جال نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ غیر مذہبی لوگوں کے لیے بہت کم (اگر کوئی ہے) منظم سپورٹ گروپس ہیں۔ ایسے بچے کو اس حمایت اور تقویت کے کردار کو ادا کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں اور والدین پر انحصار کرنا چاہیے۔ امید ہے کہ جیسے جیسے مذاہب کا عقیدہ ختم ہوتا جائے گا، غیر مذہبی بچے کے لیے مزید سپورٹ میکانزم دستیاب ہوں گے۔

بہت سے غیر مذہبی اقدامات پہلے ہی حکومتوں کی طرف سے سپانسر کیے جاتے ہیں: مثال کے طور پر، اسکول میں گفتگو، ویڈیوز، منشیات کی تعلیم، وغیرہ۔ تاہم، ان پروگراموں میں چرچ گروپ کی سرگرمیوں کی تکرار، ہم مرتبہ دباؤ اور شدت کی کمی ہے، اور وہ ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہ سب اس سوال پر آتا ہے کہ کیا کوئی شخص مذہب کے بغیر خوش رہ سکتا ہے، کیونکہ انسانی فلاح و بہبود کے لیے اطمینان بہت ضروری ہے۔

کون سے لوگ سب سے زیادہ خوش ہیں؟

مندرجہ ذیل میں سے کون سے لوگ سب سے زیادہ خوش ہیں؟

- خانقاہ میں ایک پادری اپنی مذہبی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔
- ایک امیر تاجر جس کے پاس نجی جیٹ اور بڑی حویلی ہے۔
- پہلی جماعت کے طلباء کو پڑھانے والا ایک استاد۔
- بیلے ٹولپ میں ایک رقاصہ۔
- دو بچوں کی ماں۔
- اسکول میں ایک بچہ۔

- صحرا یا جنگل میں تنہا رہنے والا ایک سنیاسی۔
- ایمیزون کے برساتی جنگل میں ایک غیر دریافت شدہ قبیلے کا رکن۔ یا
- ایک ریٹائرمنٹ ہوم میں رہنے والا ایک بوڑھا آدمی۔

اس کا جواب بہت حد تک خود شخص پر منحصر ہے۔ کسی شخص کی خوش رہنے کی صلاحیت کا ایک بڑا حصہ اس کے جین میں ہوتا ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خوش پیدا ہوتے ہیں۔ ایک ہی ماحول میں رہنے اور کام کرنے والے دو افراد خوشی کی مختلف سطحوں کا تجربہ کریں گے۔ بیرونی حالات بھی کردار ادا کرتے ہیں، مثال کے طور پر، اچھے دوست اور بچے جن سے آپ محبت کرتے ہیں وہ ایک بڑا فرق لا سکتے ہیں۔ یقیناً، ہمارا بچپن بھی خوشی کے حوالے سے ہمارے رجحانات میں معاون ہے۔ شاید اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ ہم زندگی کو کیسے سمجھتے اور تجربہ کرتے ہیں۔ یہاں اہم عوامل میں شامل ہو سکتے ہیں:

1. محبت اور حمایت کے ساتھ انسانی تعلقات۔
2. تعلق کے احساس کے ساتھ، ایک برادری میں تعریف محسوس کرنا۔
3. بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی وسائل۔
4. زندگی کے مقاصد اور تجربات، اب اور آگے دیکھنے کے لیے۔
5. اچھی صحت اور فٹ محسوس کرنا۔
6. رہنے کے لیے ایک آرام دہ گھر ہونا۔
7. ایک پالتو جانور ہونا جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔
8. زندگی میں ایک مقصد ہونا۔

ہم خوشی کے عارضی واقعات کا بھی تجربہ کرتے ہیں جب:

1. کوئی ہماری تعریف کرتا ہے۔

2. کسی اچھے دوست کے ساتھ لنچ کرنا۔
3. کسی کھیل میں حصہ لینا۔
4. ساحل کے ساتھ چہل قدمی کرنا۔
5. کسی کے ساتھ رقص کرنا۔
6. کسی ایسے شخص کو دیکھنا جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔
7. کھانا تیار کرنا۔ وغیرہ۔

خوشی اور ناخوشی کے عوامل:

خوشی کے برعکس، ہمارے پاس ایسے جذبات اور تجربات بھی ہیں جو ہماری خوشی کو چھین لیتے ہیں۔ ان میں شامل ہوسکتے ہیں:

1. حیثیت کی تشویش (کیونکہ آپ کے پڑوسی زیادہ کامیاب ہیں اور ان کے پاس آپ سے بڑے گھر اور کاریں ہیں)۔
2. اپنے آپ کا دوسروں سے غیر منصفانہ موازنہ کرنا۔
3. حسد یا نفرت۔
4. ایک مطلب اور برے باس کے لیے کام کرنا۔
5. اپنی مالی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہونا۔
6. کوئی ایسا شخص جس سے آپ محبت کرتے ہو مر جائے یا آپ کو چھوڑ دے۔

بعض اوقات خوشی یا ناخوشی کی وجوہات ہمارے قابو سے باہر ہوتی ہیں۔ ایک بچہ کسی خوفناک بیماری کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے۔ کوئی گاڑی کی زد میں آسکتا ہے اور وہیل چیئر پر ختم ہو سکتا ہے۔ یا کوئی عورت کینسر کی وجہ سے اپنے شوہر کو کھو سکتی ہے۔ مذہب خوش رہنے کے لیے بہت سی انسانی ضروریات کو پورا کرتا ہے، اور جب وہ نقصان

اٹھاتے ہیں تو کسی کو تسلی دے سکتا ہے۔ تاہم، مذہب ہماری ثقافت میں خوش رہنے کا واحد ذریعہ یاذریعہ نہیں ہے۔ جیسے جیسے ہم ایک نئی، غیر مذہبی دنیا کی تعمیر کرتے جائیں گے، ہم خوشی کے لیے اپنی سماجی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سماجی ڈھانچے بھی بنائیں گے۔

بچے کی مذہبی دنیا:

ایک بچہ اپنے مذہبی عقائد کے فلٹر کے ذریعے دنیا کو کیسے سمجھتا ہے—وہ عقائد جو مطلق سچائی کے طور پر سکھائے جاتے ہیں؟ بچے اپنے اردگرد کی دنیا پر مسلسل سوال اٹھاتے ہیں، اس کے اندرونی کاموں میں غور کرتے ہیں۔ وہ فطری طور پر زندگی کا معنی تلاش کرتے ہیں، اور ان سوالوں کے جوابات تلاش کرتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

ایک دن، ایک سفر سے واپس آکر، میرے اپنے 7 سال کے بیٹے نے میرے ڈیسک پر ایک نظم چھوڑدی۔

بابا

اوہ بابا، اوہ بابا
آپ ہوا کی طرح تازہ مہکتے ہیں
اوہ آپ سکون دینے والے
بابا آپ پکاتے ہیں، بہترین کی طرح تازہ
ہم سارادن تیرتے ہیں
لیکن یہ خاص بابا بہت اچھا ہے
لیکن ایک دن تم مرجاؤ گے

اور وہ میری زندگی کا سب سے افسوسناک دن ہو گا
اور میں ہمیشہ کے لیے روؤں گا۔

میرے اپنے بیٹے نے، پنسل کے ایک جھٹکے سے، اپنی اندرونی دنیا اور سوالات مجھ تک پہنچائے۔

بچے اپنے اردگرد کی دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور سوال کرتے ہیں، اور اپنے استدلال اور اپنے سرپرستوں سے ملنے والی معلومات کے جواب میں اپنی سمجھ اور اخلاقی فریم ورک بناتے ہیں۔

ہم رابرٹ کولز کے کام میں بچوں کی اندرونی زندگی کے بارے میں کچھ جوابات تلاش کر سکتے ہیں۔ اس نے بے شمار انٹرویوز اور لامتناہی فیلڈ ورک کے ذریعے 30 سال کی مدت میں بچوں کی روحانی زندگیوں کو تلاش کیا۔ اس کا کام اور ریکارڈنگ ہمیں بچے کی نظروں سے دیکھی جانے والی دنیا کے مذہبی نظریے کے بارے میں بہت بصیرت فراہم کرتے ہیں۔ اس کی تحقیق میں مختلف پس منظر، قومیتوں اور مذاہب کے بچے شامل تھے، جن میں غیر مذہبی والدین کے بچے بھی شامل تھے۔ اس کے مطالعے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح مذہب، قوم پرستی اور ثقافت مل کر ایک بچے کو زندگی کا احساس اور سمجھ دیتے ہیں۔

بیماری یا موت کے قریب بچہ اپنے مذہب کو کیسے استعمال کرتا ہے؟

جیسا کہ کول اپنی کتاب "بچوں کی روحانی زندگی" (1991) میں بتاتے ہیں، جب بیماری یا موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

"بچے نہ صرف یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے بلکہ یہ بھی کہ کیوں؟ اور ایسا کرتے ہوئے، وہ اس مذہبی

زندگی کو یاد کرتے ہیں جس کا انہوں نے تجربہ کیا ہے، ان روحانی اقدار کو جو انہوں نے حاصل کی ہیں، نیز وضاحت کے دیگر ممکنہ ذرائع کو بھی"۔

بچے کی نشوونما کے ایک پہلو کے طور پر مذہبی اور روحانی عکاسی کے بارے میں کولز کی پہلی آگاہی ان کی رہائش کے ابتدائی سالوں میں ہوئی، جب انہوں نے 1950 کی دہائی کے وسط میں بوسٹن میں ایک وبا کے درمیان پولیو کا شکار ہونے والے بچوں کے ساتھ بطور ماہر امراض اطفال کام کیا، سالک ویکسین کے دستیاب ہونے سے کچھ دیر پہلے۔ وہ ممکنہ موت یا ایک معذور کی حیثیت سے زندگی کا سامنا کرنے والے ایک بچے کا ایک حیرت انگیز واقعہ پیش کرتے ہیں، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مذہبی بچہ بحران کا سامنا کرتے ہوئے اپنے مذہب کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اس اقتباس میں، کولز بچے کے ساتھ اپنی گفتگو کو ریکارڈ کرتے ہیں (کولز، 1991):

"اچانک، صحت مند بچوں کو اپنی باقی زندگی کے لیے مفلوج اور معذور ہونے کے امکان کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے کچھ، پولیو کے بلب بار تناؤ کا شکار، ان کی سانس متاثر ہوئی اور انہیں ایک بڑے آئرن لنگ کے ذریعے زندہ رکھا جانا پڑا جو سر کے علاوہ پورے جسم کو گھیرے ہوئے ہے۔ بچے کو آئرن لنگ کے مکینیکل عمل کے ذریعے زندہ رکھا جا رہا تھا جس سے پھیپھڑوں کو سانس لینے اور چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

بچے مشاہدہ کرتے ہیں اور بہت جلد اپنی قسمت سیکھ لیتے ہیں۔ یا تو وہ بہتر ہوں گے یا اگر مر نہیں رہے تو معذور ہو جائیں گے۔ یہ وہ سیاق وسباق تھا جہاں کولز نے ان بچوں اور ان کے خوف کو سنتے

ہوئے کئی گھنٹے گزارے۔ یہ بچے پہلے ہی زندگی کے سوالات کا سامنا کر رہے تھے، سوچ رہے تھے کہ ان کا خدا کیوں اور کہاں ہے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہیں کیوں؟

ایک لڑکا، کیتھولک پس منظر کا اور بمشکل اپنی زندگی سے چمٹا ہوا، ریکارڈ کرنے کے لیے کہا کیونکہ وہ کل تک مر سکتا ہے۔ خوابوں سے جاگ کر وہ رات کے چھوٹے گھنٹوں میں ایک نرس کو فون کر کے کہتا کہ وہ جانتا ہے کہ وہ مر رہا ہے۔ ایک روشن دن اس نے کہا کہ وہ دوسرے صحت مند بچوں کے ساتھ فٹ بال یا دیگر کھیلوں کے لیے باہر جا سکتا ہے۔ وہ بار بار پوچھتا رہا کہ میں کیوں، خدا میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کیا آپ براہ کرم مجھ سے بات کر سکتے ہیں خدا؟ کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟ میں نے ضرور کچھ غلط کیا ہو گا کہ آپ مجھے اس طرح سزا دے رہے ہیں۔

اس کے والدین اس کی بیماری سے تباہ ہو گئے، روتے ہوئے جب وہ اپنے بیٹے کی آزمائش دیکھتے ہیں۔ پادری آئے گا اور اپنی دعائیں مانگے گا، خدا سے رحم اور مدد کی درخواست کرے گا۔

کولز اس سے روزمرہ کی زندگی اور مستقبل کی ٹیکنالوجی کے بارے میں بات کریں گے، جہاں شاید ایک دن ان کے پاس متحرک تصاویر ہوں گی اور وہ مرنے کے کئی سالوں بعد بھی انہیں سن اور دیکھ سکیں گے۔ ایک گفتگو کے دوران لڑکے نے کہا کہ "میں دعا کرتا ہوں کہ میں نہ مروں۔ میں مزید زندہ رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے خدا کے ساتھ سودے بازی کرتے ہوئے

کہا کہ "اگر میں یہاں رہتا ہوں، اگر وہ مجھے اجازت دیتا ہے، تو
میں نے اپنے آپ سے کہا ہے۔ٹھیک ہے، میں ہر روز خدا کا شکر
ادا کروں گا، ہر ایک دن، جب تک میں مر نہیں جاتا، ہر دن!"

لڑکا آہستہ آہستہ صحت یاب ہو گیا اور ایک دن وہ آئرن لنگ سے نکلنے کے قابل ہو گیا۔ وہ دوسروں سے زیادہ خوش قسمت تھا جو مفلوج ہو گئے اور جو اپنی باقی زندگی کے لیے معذور ہو گئے۔ لڑکے نے کہا کہ خدا ضرور اس کی آزمائش کر رہا ہو گا اور اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے خدا کا شکر گزار رہے گا۔

مذہبی اور سیکولر سمجھ کا موازنہ:

یہ لڑکا زندگی اور موت کے سوالات سے پہلے ہی جدوجہد کر رہا تھا۔ اس اندرونی جدوجہد میں اس نے جو کچھ اس کے پاس تھا اسے استعمال کیا: اس کی مذہبی پرورش (جس کے مرکز میں ایک طاقتور خدا ہے)، اس کے خاندان کی حمایت، اور اس کا اپنا اندرونی استدلال۔ اس نے سوال کیا:

1. تمام بچوں میں سے، میں کیوں؟
2. اس خوفناک بیماری میں مبتلا ہونے کے لیے میں نے کیا غلط کیا ہے؟
3. میں اس بیماری سے بچنے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟

ڈاکٹر اسے بتا سکتے ہیں کہ یہ پولیو وائرس تھا، یہ کیسے منتقل ہوا، اور بیماری کے نتائج۔ لیکن مذکورہ بالا سوالات کے جوابات کے لیے، اس نے مذہب کا رخ کیا، وہ آلہ جسے اسے ایک چھوٹے بچے کے طور پر سکھایا گیا تھا۔ پہلے سوال کے لیے، "میں کیوں؟"، اسے صرف یہ جواب مل سکا کہ خدا اس کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب بھی فطری طور پر آیا۔ یہ لڑکا پوچھ رہا تھا کہ اس نے

کیا غلط کیا ہے، اور اپنے ماضی کی جانچ پڑتال کر رہا تھا کہ وہ کہاں غلط تھا۔ (اسے سکھایا گیا تھا کہ اگر وہ کچھ غلط کرے گا تو خدا اسے سزا دے گا۔) پھر وہ ان تمام قربانیوں کے بارے میں سوچنے لگا جو اس نے اپنے خدا کے لیے کی تھیں، اور وہ غصے میں آ گیا اور اپنے ایمان پر شک کرنے لگا۔ اس کے پادری اور والدین نے اس آزمائش کے دوران اسے تسلی دی کہ اسے خدا پر زیادہ پختہ یقین رکھنا چاہیے۔ تو اس نے اور بھی کوشش کی۔

اگلے مرحلے میں اس نے خدا سے وعدے کرنا شروع کر دیے، اور زیادہ جوش و خروش سے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ ایک موقع پر اس نے اعلان کیا، "میں ہر روز خدا کا شکر ادا کروں گا، ہر ایک دن، جب تک میں مر نہیں جاتا، ہر دن"!

لڑکا پولیو سے بچنے اور اپنی نقل و حرکت کو برقرار رکھتے ہوئے ہسپتال چھوڑنے والے چند خوش نصیبوں میں سے ایک تھا۔ اس بیماری کے ساتھ اپنی جدوجہد کے دوران، اس نے خدا کے ساتھ گفت و شنید کی اور اپنی بیماری کے بارے میں اپنے سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لیے اپنے مذہب کا استعمال کیا۔ کبھی وہ خدا سے ناراض ہو جاتا تھا۔ دوسری بار، یہی خدا اسے تسلی دیتا تھا۔ دوسرے بچے اس خوفناک بیماری کے ساتھ اپنی مقابلوں میں اتنے خوش قسمت نہیں تھے۔

لیکن ٹونی کا مذہب زندگی کی ایک سیکولر سمجھ کے خلاف کیسے موازنہ کرتا ہے، اور ایک غیر مذہبی بچہ بحران کے دوران یا موت کا سامنا کرتے وقت جذباتی مدد کیسے حاصل کر سکتا ہے؟ ایک سیکولر سمجھ کا موازنہ مذہبی سمجھ کے خلاف کیسے ہوتا ہے؟ جدول 1 پر غور کریں۔

سوال	مذہبی جواب	سیکولر جواب
تمام بچوں میں سے، میں کیوں؟	خدا میری آزمائش کر رہا ہے۔	یہ محض ایک اتفاق ہے۔ وائرس کسی کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

اس خوفناک بیماری میں مبتلا ہونے کے لیے میں نے کیا غلط کیا ہے؟	میں نے ماضی میں کہیں گناہ کیا ہے۔ میں نے خدا پر کافی مضبوطی سے یقین نہیں کیا۔	میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ بیماریاں فطرت کا حصہ ہیں۔
میں اس بیماری سے بچنے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟	خدا پر اپنے یقین کو مضبوط کریں، تاکہ وہ مجھ پر رحم کرے۔	میں ڈاکٹروں کی ہدایات پر عمل کروں گا اور اپنی صحت یابی کے لیے دعا کروں گا۔

جدول 1 : بیماری کی سیکولر سمجھ کا موازنہ مذہبی سمجھ سے: ایک سیکولر نقطہ نظر سے، بیماری کو کسی غلط کام یا آسمانی سزا کے طور پر نہیں دیکھا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، اسے ایک ایسا واقعہ سمجھا جاتا ہے جو کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔ سیکولر افراد بحرانوں سے نمٹنے کے لیے منطق، سائنس اور انسانی تعاون پر انحصار کرتے ہیں۔

لڑکے اور اس کے والدین نے اس کی بقا کو خدا کا ایک رحم کرنے والا عمل سمجھا، اور بلاشبہ اپنے دوستوں کو بتایا کہ خدا نے ان کے بیٹے کو بچالیا۔ یہ خدا کی طاقت اور ان کے ایمان کے ثبوت کے طور پر کام کرتا ہے۔ لیکن آخر میں، یہ آئرن لنگ تھا جس نے اس لڑکے کو بچایا، اور سرشار ڈاکٹروں اور ہسپتال کے عملے نے ان بچوں کی مدد کے لیے اوور ٹائم کام کیا۔ انسانیت نے بالآخر اس خوفناک بیماری پر قابو پا لیا کیونکہ سرشار سائنسدانوں نے بے دریغ علاج کا پیچھا کیا اور پولیو وائرس کو زمین سے تقریباً ختم کر دیا۔ یہ خدا نہیں تھا جس نے یہ کیا۔ آج، اس خوفناک بیماری کے خلاف بچے کو استثنیٰ دینے کے لیے اس کے منہ میں ویکسین کے چند قطرے ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس وائرس کو شکست دینے کی کوشش میں اربوں بچوں کو ویکسین لگائی جا چکی ہے۔

جو کچھ ہم جانتے ہیں اسے دیکھتے ہوئے، ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک اور بچہ، جو کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہے، اس بیماری کو کیسے برداشت کر سکتا

ہے۔ مسلمان والدین کا بچہ مدد کے لیے اللہ کو پکارتا۔ روحوں اور آباؤاجداد کی پوجا کے مذہب میں پرورش پانے والا بچہ روحوں سے مدد کے لیے کہہ سکتا ہے۔ اس بچے کا سوچنے کا عمل جدول 2 میں بیان کیا جائے گا۔

سوال	مذہبی جواب	سیکولر جواب
تمام بچوں میں سے، میں کیوں؟	ایک بری روح نے مجھے پکڑ لیا، یا کسی ڈائن نے مجھ پر جادو یا لعنت کر دی۔	یہ محض ایک اتفاق ہے۔ وائرس کسی کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔
اس خوفناک بیماری میں مبتلا ہونے کے لیے میں نے کیا غلط کیا ہے؟	میں نے روحوں کو ناراض کیا اور مجھے سزا دی جا رہی ہے۔ شاید میں نے بری روحوں کو دور رکھنے کے لیے تمام رسومات یا طریقوں پر عمل نہیں کیا۔	میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ بیماریاں فطرت کا حصہ ہیں۔
میں اس بیماری سے بچنے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟	صفائی کی تقریب انجام دیں اور میری مدد کے لیے اچھی روحوں یا آباؤاجداد سے مدد مانگیں۔	میں ڈاکٹروں کی ہدایات پر عمل کروں گا اور اپنی صحت یابی کے لیے دعا کروں گا۔

جدول 2: سیکولر سمجھ کا موازنہ مذہبی / روحانی سمجھ سے: مختلف مذاہب کے بچے اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق بیماری کی وضاحت اور اس سے نمٹنے کے طریقے تلاش کریں گے۔ تاہم، سیکولر نقطہ نظر سے، بیماری ایک ایسی چیز ہے جس کا سامنا منطق، سائنس اور انسانی تعاون سے کیا جا سکتا ہے۔

کیا خدا ہماری مدد کر سکتا ہے، اور کیا وہ اپنے پیروکاروں کی مدد کر رہا ہے؟

خدا یا مافوق الفطرت پر یقین کرنے کی ایک مضبوط ترغیب یہ عقیدہ ہے کہ یہ

خدا ہمیں بیماری، مصیبت اور درد پر قابو پانے میں مدد کر سکتا ہے۔ اگر سب کچھ ناکام ہو جاتا ہے، تو یہ طاقتور خدا اب بھی ہمیں بچا سکتا ہے یا ہماری حفاظت کر سکتا ہے۔ لیکن کیا ہمارے پاس اس طرح کی مداخلت کا ثبوت ہے؟ کیا ہمارے پاس ایسے اعداد و شمار ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کسی خاص خدا کے پیروکاروں کی شفایابی کی شرح دوسرے مذہبی لوگوں سے بہتر ہے، یا وہ کھیلوں کے مقابلوں میں زیادہ کامیاب ہیں؟ اگر ہمارے پاس چار ایتھلیٹ ہیں، سبھی ایک جیسی جسمانی صلاحیت کے حامل ہیں، ایک دوڑ میں مقابلہ کر رہے ہیں، تو کیا سچے خدا والے کو دوسرے ایتھلیٹس پر واضح فائدہ ہو گا؟ اگر خدا طاقتور ہے، تو ہم ایک ہی قابلیت کے چار ایتھلیٹس ہونے کی شرط کو بھی ختم کر سکتے ہیں، کیونکہ خدا سب سے سست ایتھلیٹ کو بھی جیت سکتا ہے۔

ایتھلیٹ اپنی پوزیشن لے رہے ہیں۔ یہودی خاندان میں پرورش پانے والا ایتھلیٹ یہوواہ سے دعا کرتا ہے، عیسائی پس منظر سے تعلق رکھنے والا ایتھلیٹ خدا سے دعا کرتا ہے، اسلام سے تعلق رکھنے والا ایتھلیٹ اللہ سے دعا کرتا ہے، اور ہندو ایتھلیٹ برہمن سے دعا کرتا ہے۔ دوڑ شروع کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔ کون جیتتا ہے؟

کہیں بھی کوئی قابل اعتماد شماریاتی ثبوت نہیں ملا ہے جو یہ بتاتا ہو کہ کسی خاص مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو دوڑ جیتنے کے لیے کسی خدا یا روح کی مدد حاصل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تمام فاتحین کو عیسائی، یہودی، اسلامی وغیرہ کے طور پر شناخت کرنے کے قابل ہوتے۔ لیکن بار بار، ایک ایتھلیٹ دوڑ یا کھیل جیتنے میں کسی خدا کی مدد کا دعویٰ کرے گا۔ تو واضح طور پر، اگر ہمارے پاس دو عیسائی ایتھلیٹس مقابلہ کر رہے ہیں، تو جو خدا کا پسندیدہ ہے وہ جیت جائے گا۔ لیکن دوسرے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ خدا نے اس پر کیوں احسان نہیں کیا؟ کیا اس نے دوسرے سے زیادہ گناہ کیا؟ کیا اس نے غلط طریقے سے بپتسمہ لیا تھا؟ کیا خدا دوسرے لڑکے کو زیادہ پسند کرتا تھا؟ بالکل بھی نہیں.

مذہبی عقیدہ کسی بھی ایتھلیٹ کو صرف نفسیاتی مدد فراہم کرتا ہے۔ ایتھلیٹ خدا پر اتنا پختہ یقین رکھتا ہے کہ وہ خدا کی مدد سے جیتنے کے لیے اپنے ذہن کو تیار کرتا ہے۔

ایسے ہوائی جہاز کے حادثے کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں صرف چند مسافر زندہ بچتے ہیں؟ کیا تمام زندہ بچ جانے والے کسی خاص مذہب سے تعلق رکھتے ہیں؟ زیادہ تر زندہ بچ جانے والے اپنی بقا کی وضاحت کے لیے کسی خدا کی رحمت کا دعویٰ کریں گے۔ 2009 میں، ماریشس کے قریب بحر ہند میں ایک مسافر طیارہ گر کر تباہ ہو گیا۔ کل 151 افراد ہلاک ہوئے، لیکن ایک 13 سالہ بچی زندہ بچ گئی۔ اس کے والد نے دعویٰ کیا کہ خدا نے اسے بچا لیا ہے۔ لیکن دوسروں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ہم پچھلے 20 سالوں میں ہوائی جہاز کے حادثے میں زندہ بچ جانے والوں کا حساب لگا سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ آیا کسی ایک مذہب نے کچھ زندہ بچ جانے والوں کو بہتر موقع فراہم کیا ہے؟ دوبارہ، نہیں۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ایک مذہب کا خدا کسی دوسرے خدا سے زیادہ طاقتور ہے یا واحد خدا ہے۔ اگر ایسا کوئی خدا ہوتا، تو اب تک ہمارے پاس اس کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے ٹھوس حقائق ہوتے۔ اصل تصویر بلکہ یہ ہے:

مذہبی حقائق	سائنسی حقائق
میں ہوائی جہاز کے حادثے میں زندہ بچ گیا۔ خدا نے میرا خیال رکھا۔ اس نے میری حفاظت کی۔	ہوائی جہاز کے حادثے کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ زندہ بچ جانے والے طیارے کے پچھلے سرے پر، حادثے کے زون سے دور واقع تھے۔ سیٹ کے ڈیزائن اور حفاظتی اقدامات نے ان کی بقا میں اہم کردار ادا کیا۔

پچھلے کچھ سالوں میں، مذہب اور صحت کے درمیان تعلق قائم کرنے کی

کوشش میں بہت سے مطالعے کیے گئے ہیں، جن کے نتائج مطالعے کے لیے استعمال کیے جانے والے آلات اور تجزیہ کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ تاہم، ان میں سے کوئی بھی مطالعہ واضح طور پر یہ ظاہر نہیں کرتا ہے کہ ایک مذہبی گروہ کے نتائج کسی دوسرے مذہبی گروہ سے بہتر ہیں۔

کیا مذہب صحت پر اثرانداز ہوتا ہے؟

ایک ہزار مریضوں کے گروہ میں جنہیں دل کی بیماری یا چھاتی کے کینسر جیسے مسائل ہیں، کیا کسی خاص مذہب پر یقین رکھنے والوں کی صحت یابی کی شرح بہتر ہو گی؟ اس کا جواب نہیں ہے، صحت یابی اور کسی خاص خدا پر یقین کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔ صحت یابی کی شرح حاصل ہونے والی صحت کی دیکھ بھال کے معیار اور فرد کی ابتدائی صحت کا ایک فنکشن ہے۔ تاہم، کچھ شواہد موجود ہیں کہ مثبت جذبات اور/یا رویے صحت اور فلاح و بہبود کے لیے فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔ منفی جذبات خوف، افسردگی اور اضطراب کا باعث بنتے ہیں جو ہمارے جسم کی کیمسٹری اور کام کو اس حد تک متاثر کر سکتے ہیں کہ یہ ہماری صحت پر اثر انداز ہوتا ہے: مثال کے طور پر، بلڈ پریشر، ہارمون کی سطح، وغیرہ۔

مذہبی شخص جذباتی طور پر مضبوط ہو سکتا ہے، اس یقین کی وجہ سے کہ اس کا مذہب اسے صحت یابی کا بہتر موقع فراہم کرتا ہے۔ وہ کمیونٹی سپورٹ کے فوائد سے بھی لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ لیکن دوبارہ، کوئی بھی مذہب یا عقیدہ اس مقصد کو پورا کرے گا۔ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ طبی بحران کے دوران بقا کے لیے جدید ادویات کے استعمال سے بہتر کوئی حکمت عملی نہیں ہے۔ کوئی معجزہ نہیں ہے، خدا کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔

حکومت کی طرف سے سپانسر کردہ مذہب:

مذہب ہماری حکومتوں میں ہماری مذہبی تاریخ اور ریاست کی طاقت حاصل کرنے اور اسے استعمال کرنے کے لیے مذہبی گروہوں کی کبھی نہ ختم ہونے والی جستجو کے نتیجے میں مضبوطی سے قائم ہے۔ یہاں تک کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی، مذہبی جماعتیں اکثر منتخب ہونے کے لیے مقابلہ کرتی ہیں۔ ایک عقیدہ اور تاثر باقی ہے کہ ایک مذہبی حکومت اپنے خاص خدا کو خوش کرے گی، جو پھر اس ملک پر احسان کرے گا۔

چرچ اور ریاست کی حقیقی علیحدگی صرف چند ممالک میں ہی ہوئی ہے، اور وہ بھی اس وقت جب مذہبی حکومتوں کے مظالم بدسلوکی اور بدانتظامی کی ناقابل تصور سطح تک پہنچ گئے۔ لیکن ان ممالک کے لیے بھی یہ ایک نازک رشتہ ہے، جس میں کسی خاص مذہب کی پیروی کرنے والوں کی جانب سے اس عمل کے خلاف بے رحمانہ حملہ ہوتا ہے۔ انتہاپسند مذہبی حکومتیں عام طور پر اچھی ریاست فراہم کرنے میں ناکام رہی ہیں، جبکہ سختی سے سیکولر حکومتیں زیادہ کامیاب رہی ہیں۔ انیسویں صدی میں مغربی دنیا کی تیز رفتار ترقی چرچ اور ریاست کی سخت علیحدگی کے نتیجے میں ہوئی۔

زیادہ تر حکومتیں مذہب کی حمایت یا کفالت کرتی ہیں۔ مغربی جمہوریتوں کے لیے بھی یہ تعداد زیادہ ہے۔ 27 مغربی جمہوریتوں میں سے نو کے سرکاری مذاہب ہیں، جن میں 13 حکومتیں ایک یا ایک سے زیادہ مذاہب کی حمایت کرتی ہیں (فاکس، 2008)۔ کچھ مغربی ممالک پادریوں کو فنڈ دیتے ہیں، اور بعض اوقات مذہب کی جانب سے ٹیکس بھی جمع کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ ناروے جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی، آئین ریاستی مذہب کو

لازمی قرار دیتا ہے، اور پارلیمنٹ کے نصف سے زیادہ ارکان کو ریاست کے سرکاری مذہب کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے:

آرٹیکل 2:

ریاست کے تمام باشندوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق حاصل ہو گا۔
ایوینجلیکل لوتھرن مذہب ریاست کا سرکاری مذہب رہے گا۔
اس کا دعویٰ کرنے والے باشندے اپنے بچوں کی اسی طرح پرورش کرنے کے پابند ہیں۔

آرٹیکل 4:

بادشاہ ہر وقت ایوینجلیکل لوتھرن مذہب کا دعویٰ کرے گا، اور اسے برقرار رکھے گا اور اس کی حفاظت کرے گا۔

تاہم، نارویجن معاشرہ تیزی سے غیر مذہبی ہوتا جارہا ہے، مذکورہ بالا قوانین کا بہت کم عملی اثر ہے۔ درحقیقت، اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ناروے اب مغربی یورپ کا کم از کم مذہبی ملک ہے۔

ڈنمارک میں، عیسائی تعلیم اسکول کے نصاب میں لازمی مضامین میں سے ایک ہے، حالانکہ والدین اپنے بچوں کو کلاس سے باہر کر سکتے ہیں۔ ڈنمارک کا آئین ۔ ڈنمارک کے ایوینجلیکل لوتھرن چرچ کو سرکاری ریاستی مذہب کے طور پر مقرر کرتا ہے، اور ڈنمارک کا بادشاہ چرچ آف ڈنمارک کا رکن ہونا چاہیے۔ ناروے کی طرح، زیادہ تر آبادی مذہب سے دور ہو گئی ہے، یورپی کمیشن کے یورو بیرومیٹر نے اشارہ کیا ہے کہ صرف 31% ڈنمارک کے شہری اب بھی خدا پر یقین رکھتے ہیں۔

آئس لینڈ، سویڈن، اٹلی وغیرہ اسی طرح کے نمونے پر عمل کرتے ہیں۔

مغربی جمہوریت آج فعال طور پر مذہب کی حمایت اور مدد کر رہی ہیں۔ تاہم، عقل اور سائنس کے بڑھتے ہوئے احساس نے گرجاگھروں کی حمایت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا کوئی سرکاری منظور شدہ مذہب نہیں ہے، جو یورپی عقلیت پسندی کے اثر و رسوخ، مختلف مذہبی اجتماعات کے ساتھ ریاستوں کو متحد کرنے کی ضرورت، اور بانی باپ دادا جو اپنے عقائد میں سیکولر تھے، کا نتیجہ ہے۔ تاہم، مذہب امریکی معاشرے میں گہرائی سے سرایت کر چکا ہے، اور عدالتی مقدمات بہت زیادہ ہیں جن میں ریاست مذہب کی کفالت کرتی ہے یا مذہب کی حمایت کے لیے سرکاری رقم استعمال کرتی ہے۔ کوئی بھی سیاستدان کھڑا ہونے، غیر مذہبی ہونے کا دعویٰ کرنے اور عہدے کے لیے منتخب ہونے کے قابل نہیں رہا ہے۔ امریکی سرکاری اسکولوں میں بچوں کی جانب سے اور سرکاری کاموں کے آغاز پر حلف برداری اب پڑھی جاتی ہے:

> میں امریکہ کے جھنڈے اور جمہوریہ کے وفادار رہنے کا عہد کرتا ہوں جس کے لیے یہ کھڑا ہے، ایک قوم، خدا کے تحت، ناقابل تقسیم، تمام کے لیے آزادی اور انصاف کے ساتھ۔

اصل عہد دراصل پڑھا گیا تھا:

> میں امریکہ کے جھنڈے اور جمہوریہ کے وفادار رہنے کا عہد کرتا ہوں جس کے لیے یہ کھڑا ہے، ایک قوم ناقابل تقسیم، تمام کے لیے آزادی اور انصاف کے ساتھ۔

مذہبی گروہوں کی کامیاب لابنگ نے "خدا کے تحت" الفاظ داخل کیے تھے۔

حکومتوں کی جانب سے مذہب کی حمایت بڑھ جاتی ہے جیسے جیسے کوئی مشرق میں ایشیا کی طرف جاتا ہے، زیادہ تر حکومتوں کا یا تو سرکاری ریاستی مذہب ہوتا ہے یا

مذہب کی حمایت کرتا ہے۔ بنگلہ دیش کا آئین اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیتا ہے، اللہ پر بھروسہ اور ایمان کے ساتھ، حالانکہ مذہبی آزادی کی اجازت ہے۔ بنگلہ دیش کی حکومت مذہبی اداروں کی حمایت کرتی ہے، اور اسکولوں میں مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ملائیشیا میں، مسلمانوں کو اسلامی قانون پر عمل کرنا چاہیے، مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیم لازمی ہے۔ انڈونیشیا کے تمام سرکاری ملازمین کو حلف اٹھانے کی ضرورت ہے کہ وہ ایک اور صرف ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ برما میں، اسکول میں بدھ مت کی دعائیں لازمی ہیں۔

مشرق وسطیٰ میں، مذہب اور حکومت کے درمیان تقریباً کوئی علیحدگی نہیں ہے، زیادہ تر حکومتیں فعال طور پر مذہب کی حمایت کرتی ہیں۔ زیادہ تر حکومتوں کی جانب سے شریعت نافذ کی جاتی ہے، اور مذہبی قوانین زیادہ تر یا تمام شہریوں پر لاگو ہوتے ہیں۔ زیادہ تر حکومتیں مساجد اور علماء کو فنڈ دیتی ہیں، مذہبی تعلیم لازمی ہے۔ بہت سی حکومتیں مذہبی اقلیتوں اور دوسرے مذاہب کی آزادی کی اجازت دیتی ہیں، حالانکہ مختلف سطحوں پر پابندی کے ساتھ۔ مذہب حکومت اور زندگی کے تمام شعبوں میں سرایت کرتا ہے۔ سرکاری مذہب کے خلاف بولنے یا اس پر تنقید کرنے کا مطلب موت یا شدید ظلم و ستم ہے۔ ان میں سے زیادہ تر حکومتوں میں عقیدے کو نافذ کرنے کے لیے ریاست کی مکمل طاقت استعمال کی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا استثناتر کی ہے۔ تاریخی وجوہات کی بنا پر، یہ حکومت فعال طور پر حکومت کے اندر مذہب کے اثر و رسوخ کو روکتی اور کم کرتی ہے۔ درحقیقت، یہاں تک کہ مذہبی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگانے تک بھی جاتا ہے۔

عام طور پر، تاہم، دنیا بھر میں حکومتیں مذہب کی حمایت کرتی ہیں۔ کسی سرکاری شخص کی مذہبی وابستگی کو ترجیح دی جاتی ہے، اور حکومتوں کی جانب سے مذہبی

تعلیم کی حمایت وسیع ہے۔ بہت سی حکومتیں یہ تسلیم کرتی ہیں کہ چرچ اور ریاست کے درمیان علیحدگی ہونی چاہیے، لیکن علیحدگی اکثر غیر یقینی ہوتی ہے اور ہمیشہ تبدیلی کے تابع ہوتی ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو، کوئی بھی مذہب کے اپنی نظریات کو آگے بڑھانے کے لیے ریاست کی طاقت کا استعمال کرنے کے نتائج دیکھ سکتا ہے۔ نتائج اتنے خونی رہے ہیں کہ انہوں نے روشن خیالی کی ایک نئ تحریک کو جنم دیا، اور کئی ممالک میں سیکولر حکومتوں کا قیام عمل میں آیا۔

جب خدا مارتا ہے:

انسانی تاریخ میں مذہب کے نام پر تشدد یا ہلاک ہونے والے لوگوں کی تعداد گننا ناممکن ہو گا۔ قدیم رسومات میں قربان کی جانے والی چھوٹی بچیوں سے لے کر، فتح یافتہ لوگوں کے دل نکالنے والے ایزٹیکس تک سورج طلوع کرنے کے لیے، ابراہیمی عقائد والوں کی "صفائی" تک دوسرے عقائد کے ساتھ۔۔ سبھی فرضی خداؤں کے ہاتھوں متاثر ہوئے۔

مذہبی نسل کشی کے کچھ بدترین تاریخی واقعات یورپی قرون وسطیٰ سے آتے ہیں۔ جیسے ہی عیسائیت رومی سلطنت کا سرکاری مذہب بنی، مذہبی عقیدے اور عدم برداشت کا بادل یورپ پر چھا گیا۔ چرچ ریاست بن گیا اور ریاست چرچ۔ رومی سلطنت پر جلد ہی چرچ کا راج ہو گیا، جس میں کسی بھی اختلاف رائے کو براہ راست دبا دیا گیا۔

1184 میں، رومن کیتھولک چرچ کو چرچ کی تعلیمات کی مخالفت میں یورپ میں ظاہر ہونے والی مذہبی تحریکوں کے ایک سلسلے سے خطرہ لاحق ہونا شروع ہوا۔ صدیوں کے دوران چرچ نے بدعت (عدم یقین) سے منظم طریقے سے نمٹا، اکثر اس کی تعلیمات کی خلاف ورزی کرنے والے کسی بھی شخص کے خلاف موت کے فتوے

جاری کر کے۔ تاہم، اس دور میں، نئی تحریکات بہتر طور پر منظم ہو گئیں، جو چرچ کے استحکام اور تسلط کے لیے خطرہ ہیں۔ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے، پوپ نے مستقل ججوں کو کسی بھی بدعت سے سختی اور مستقل طور پر نمٹنے کی طاقت اور فرض کے ساتھ مقرر کیا جس کی وہ نشاندہی کر سکتے ہیں۔

خدا کے نام پر یورپ میں دہشت گردی کا دور شروع ہوا۔

روم کی جانب سے مقرر کردہ ایک پوپل تفتیش کار، کسی بھی بدعتی کی شناخت کے لیے کسی قصبے میں پہنچے گا۔ بدعتیوں کو آگے آنے اور کم سزا کے بدلے میں قصوروار ہونے کی درخواست کرنے کے لیے ایک مہلت کی پیشکش کی گئی۔ ان اعترافات کو مزید تحقیقات کے لیے استعمال کیا گیا، جس میں مزید لوگوں کو تفتیش کار کے سامنے گھسیٹا گیا۔ اگر ملزم نے رضاکارانہ طور پر اعتراف نہیں کیا، تو انہیں تنہائی قید، قائل کرنے اور تشدد کے ذریعے آمادہ کیا گیا۔ ملزم کے دفاع میں گواہ بہت کم تھے، کیونکہ ان پر بھی جلد ہی بدعت کا الزام لگایا جائے گا۔ متاثرین کو منظم طریقے سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا، جن میں سے بہت سے بالآخر داؤ پر لگا کر جلا دیے گئے۔

چرچ اور اس کی تعلیمات کی کسی بھی مخالفت سے یورپ کو منظم طریقے سے صاف کر دیا گیا۔ یا تو آپ یقین رکھتے تھے یا یقین کرنے کا بہانہ کرتے تھے، یا آپ مر جاتے تھے۔ پادریوں کا مکمل کنٹرول تھا، اور نتیجے کے طور پر، سوچ اور علم میں کوئی بھی ترقی یا ترقی رک گئی۔ خدا اپنے نام پر تشدد اور ہلاک ہونے والوں کو بچانے میں ناکام رہا۔ غریب روح نے خود کو تفتیش کاروں کے رحم و کرم پر پایا، اس کی اذیت اور خوف کو نہیں سنا گیا کیونکہ اسے خدا کے پیروکاروں نے اکثر اذیت دی تھی۔

سب سے بڑے اجتماعی مقدمات اور پھانسیوں میں سے ایک جرمنی میں 1626–1631 میں ہوا: وورزبرگ ڈائن ٹرائل۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق

رکھنے والے مردوں، عورتوں اور یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر شیطان کی پوجا کرنے کا الزام لگایا گیا۔ یورپ بھر میں ایک اجتماعی ہسٹیریا پھیل گیا، اور 900 سے زیادہ لوگوں کو چرچ کے حکم پر زندہ جلا دیا گیا یا انہیں پھانسی دے دی گئی۔ 1629 کے اگست میں وورزبرگ کے شہزادہ بشپ کے چانسلر کی جانب سے ایک دوست کو لکھے گئے خط میں معاملات کی موجودہ حالت بیان کی گئی ہے (بر، 1896):

"جادوگرنیوں کے معاملے کے بارے میں، جس کے بارے میں آپ کی فضیلت سوچتی ہے کہ اس سے پہلے ختم ہو گیا تھا، یہ دوبارہ شروع ہو گیا ہے، اور کوئی بھی لفظ اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ آہ، اس کا افسوس اور اس کی بدحالی—شہر میں اب بھی چار سو ہیں، اونچ نیچ، ہر درجے اور جنس کے، یہاں تک کہ علماء بھی، اتنے مضبوطی سے الزام لگایا گیا ہے کہ انہیں کسی بھی وقت گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ، میرے فضل والے شہزادے کے لوگوں میں سے، یہاں تمام دفاتر اور فیکلٹیوں میں سے کچھ کو پھانسی دی جانی چاہیے: علماء، انتخابی کونسلر اور ڈاکٹر، شہر کے عہدیدار، عدالت کے جائزہ لینے والے، جن میں سے کئی کو آپ کی فضیلت جانتی ہے۔ گرفتار ہونے والے قانون کے طالب علم ہیں۔ شہزادہ بشپ کے پاس چالیس سے زیادہ طالب علم ہیں جو جلد ہی پادری بننے والے ہیں۔ ان میں سے تیرہ یا چودہ کو ڈائن کہا جاتا ہے۔ چند دن پہلے ایک ڈین کو گرفتار کیا گیا۔ دو دیگر جنہیں طلب کیا گیا تھا فرار ہو گئے ہیں۔ ہماری چرچ کنسسٹری کا نوٹری، ایک بہت ہی عالم شخص،

کل گرفتار ہوا اور اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ایک لفظ میں، شہر کا تیسرا حصہ یقینی طور پر ملوث ہے۔ پادریوں میں سے سب سے امیر، سب سے زیادہ پر کشش، سب سے زیادہ نمایاں، پہلے ہی پھانسی دے دی گئی ہے۔ ایک ہفتہ پہلے انیس سال کی ایک لڑکی کو پھانسی دی گئی، جس کے بارے میں ہر جگہ کہا جاتا ہے کہ وہ پورے شہر میں سب سے خوبصورت تھی، اور ہر کوئی اسے غیر معمولی شائستگی اور پاکیزگی کی لڑکی سمجھتا تھا۔ اس کے بعد سات یا آٹھ دیگر بہترین اور پر کشش ترین افراد ہوں گے... اور اس طرح بہت سے لوگوں کو خدا سے دستبردار ہونے اور ڈائن کے رقص میں ہونے کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، جن کے خلاف کسی نے کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

اس بد بخت معاملے کو ختم کرنے کے لیے، تین اور چار سال کے بچے ہیں، جن کی تعداد تین سو ہے، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا شیطان سے تعلق رہا ہے۔ میں نے سات سال کے بچوں، دس، بارہ، چودہ اور پندرہ سال کے ہونہار طالب علموں کو موت کے گھاٹ اتارتے دیکھا ہے۔ امرا۔۔لیکن میں اس بد بختی کے بارے میں مزید نہیں لکھ سکتا اور نہ ہی لکھنا چاہیے۔ ابھی اعلیٰ درجے کے لوگ ہیں، جنہیں آپ جانتے ہیں، اور ان کے بارے میں سن کر حیران ہوں گے، یہاں تک کہ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ انصاف ہونے دو...

پی ایس: اگرچہ بہت سی حیرت انگیز اور خوفناک چیزیں ہو رہی

ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ فراؤ-رینگ برگ نامی جگہ پر، شیطان خود اپنے آٹھ ہزار پیروکاروں کے ساتھ، ایک اسمبلی منعقد کرتا ہے اور ان سب کے سامنے اجتماعی طور پر عبادت کرتا ہے، اپنے سامعین (یعنی ڈائنوں) کو مقدس Eucharist کی جگہ شلجم کے چھلکے اور ٹکڑے تقسیم کرتا ہے۔ نہ صرف گندی بلکہ انتہائی خوفناک اور بھیانک توہین آمیز ہوئیں، جن کے بارے میں لکھنے سے میں کانپتا ہوں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان سب نے زندگی کی کتاب میں شامل نہ ہونے کا عہد کیا، لیکن سب ایک ایسے نوٹری کے ذریعہ لکھے جانے پر راضی ہو گئے جو مجھے اور میرے ساتھیوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ہمیں یہ بھی امید ہے کہ وہ کتاب جس میں وہ درج ہیں ابھی مل جائے گی، اور اس کی تلاش میں کوئی کمی نہیں ہے۔"

چرچ نے شیطان کو پیدا کیا—اور بدلے میں، شیطان نے معصوم عورتوں، بچوں اور مردوں کی جانیں لے لیں۔ سبھی اموات مذہب اور چرچ کے نام پر ہوئیں۔ جس خدا کی پوجا کی جارہی تھی اس نے معصوموں کی حفاظت اور اس ظلم کو روکنے کے لیے بہت کم کام کیا۔ اس تباہی کے دوران جلائے جانے والے بدقسمت متاثرین کے گروپ کی ایک مثال ذیل میں درج ہے۔

- تین اداکار۔
- چار ہوٹل والے۔
- وورزبرگ کے تین عام کونسل مین۔
- کیتھیڈرل کے چودہ ویکار۔

- برگوماسٹر کی خاتون (میئر کی بیوی)۔
- دواساز کی بیوی اور بیٹی۔
- کیتھیڈرل کے دو گلوکار۔
- گوبل بابلین، "شہر کی خوبصورت ترین لڑکی"۔
- کونسلر اسٹولزینبرگ کی بیوی، دو چھوٹے بیٹے اور بیٹی۔
- باؤناچ، وورزبرگ میں سب سے موٹا برگر (تاجر)۔
- اسٹیینبچر، وورزبرگ میں سب سے امیر برگر۔

ساتویں جلتی ہوئی آگ: ایک آوارہ لڑکا، بارہ سال کی عمر کا۔ چار اجنبی مرد اور عورتیں، بازار میں سوتے ہوئے پائے گئے۔

تیرہویں اور چودھویں جلتی ہوئی آگ: ایک چھوٹی سی لڑکی، نو سال کی عمر کی۔ ایک لڑکی، نو سال سے بھی کم عمر کی۔ وہ (چھوٹی لڑکی کی) بہن، ان کی ماں، اور ان کی خالہ۔ ایک خوبصورت نوجوان عورت، چوبیس سال کی عمر کی۔

اٹھارویں جلتی ہوئی آگ: دو لڑکے، بارہ سال کے۔ ایک لڑکی، پندرہ سال کی۔

انیسویں جلتی ہوئی آگ: روٹینہان خاندان کا نوجوان وارث، نو سال کی عمر کا۔ ایک لڑکا، دس سال کا۔ ایک لڑکا، بارہ سال کا۔

ہیمبرگ کے میئر، جوہانس جونیئس کا اپنی بیٹی کے نام خط، جو بعد میں خود بھی جلایا گیا، ان بدقسمت متاثرین کے بارے میں کچھ بصیرت فراہم کرتا ہے (بر، 1896):

> "لاکھوں شب بخیر، میری پیاری بیٹی ویرونیکا۔ میں بے گناہ جیل میں آیا، بے گناہ مجھے تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اور بے گناہ ہی مجھے مرنا ہوگا۔ کیونکہ جو بھی جادوگرنی کے جیل میں آتا ہے، اسے جادوگر

بننا پڑتا ہے یا اس وقت تک تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے جب تک کہ وہ اپنے سر سے کچھ ایجاد نہ کر لے - اور خدا اس پر رحم کرے - کچھ سوچ ہی لے۔"

"اور پھر - خدا سب سے بلند آسمان میں رحم کرے - جلاد بھی آیا اور میرے انگوٹھوں پر سکرو لگا دیا، دونوں ہاتھوں کو ایک ساتھ باندھ دیا، تاکہ ناخنوں سے اور ہر جگہ سے خون بہہ نکلے، تاکہ چار ہفتوں تک میں اپنے ہاتھ استعمال نہ کر سکا، جیسا کہ آپ میری تحریر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے ننگا کیا، میرے ہاتھوں کو میری پیٹھ کے پیچھے باندھ دیا، اور مجھے سیڑھی پر کھینچ لیا۔ تب مجھے لگا کہ آسمان اور زمین ختم ہو گئے ہیں۔ آٹھ بار انہوں نے مجھے اوپر کھینچا اور پھر نیچے گرایا، جس سے مجھے شدید تکلیف ہوئی۔"

"پھر مجھے بتانا پڑا کہ میں نے کن لوگوں کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں نہیں پہچانا۔ "تم بوڑھے بدمعاش، مجھے تم پر جلاد مقرر کرنا ہو گا۔ بتاؤ - کیا چانسلر وہاں نہیں تھا؟" تو میں نے ہاں کہہ دیا۔ "اس کے علاوہ کون؟" میں نے کسی کو نہیں پہچانا تھا۔ تو اس نے کہا: "ایک ایک گلی لے لو۔ بازار سے شروع کرو، ایک گلی سے باہر نکلو اور دوسری سے واپس آؤ۔" مجھے وہاں کئی لوگوں کے نام بتانے پڑے۔ پھر لمبی گلی آئی۔ میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ وہاں آٹھ لوگوں کے نام بتانے پڑے۔ پھر زنکینورٹ - ایک اور شخص۔ پھر اوپری پل کے اوپر چار جتھور تک، دونوں

طرف۔ پھر کسی کو نہیں پہچانا۔ کیا میں قلعے میں کسی کو نہیں جانتا تھا-چاہے وہ کوئی بھی ہو، مجھے بغیر کسی خوف کے بولنا چاہیے۔ اور اس طرح مسلسل وہ مجھ سے تمام گلیوں کے بارے میں پوچھتے رہے، حالانکہ میں مزید نہیں کہہ سکتا تھا اور نہ کہنا چاہتا تھا۔ تو انہوں نے مجھے جلاد کے حوالے کر دیا، اسے کہا کہ مجھے ننگا کرے، مجھے ہر جگہ سے مونڈ دے، اور مجھے تشدد کا نشانہ بنائے۔ "بدمعاش بازار میں ایک کو جانتا ہے، روزانہ اس کے ساتھ رہتا ہے، اور پھر بھی اس کا نام نہیں لے گا۔" اس سے ان کا مطلب ڈائیٹمیر تھا۔ تو مجھے اس کا نام بھی لینا پڑا۔"

"شب بخیر، کیونکہ تمہارا باپ جوہانس جو نیئس تمہیں دوبارہ کبھی نہیں دیکھے گا۔ 24 جولائی، 1628۔"

مذہبی نظریہ، عقلیت اور سائنس کی جگہ لے لیتا ہے:

جیسے جیسے مذہب انسانی آبادی پر اپنی گرفت مضبوط کرتا ہے، ویسے ویسے یہ دنیا کو ایجاد کرنے اور دریافت کرنے کی ہماری صلاحیت کو بھی محدود کرتا ہے۔ چونکہ بنیادی موضوع ایک غیر مرئی خدا کی خدمت اور اسے خوش کرنا ہے، اس لیے تحقیق اور تنقیدی تجزیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ ایک خدا نے دنیا اور کائنات کو تخلیق کیا ہے تو کیوں سوچیں اور تحقیق کریں؟ اس وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے (اور بڑے پیمانے پر نافذ کیے گئے) رویے کے ساتھ، یورپ فکری جمود کے دور میں داخل ہو گیا اور عقلی تحقیق کا خاتمہ ہو گیا۔ صرف 1600 کی دہائی میں سائنس کی ترقی نے کچھ موجودہ عقائد پر سنجیدگی سے سوال اٹھانا شروع کیا۔ پہلی قدیم دوربین

ایجاد ہوئی، اور گیلیلیو گیلیلی نے جلد ہی اسے بہتر بنایا۔ اس نے مذہب اور سائنس کے درمیان ایک نئے تصادم کا آغاز بھی کیا۔

7 جنوری 1610 کو، گیلیلیو نے اپنی دوربین سے مشتری کے قریب ایک سیدھی لکیر میں "تین ستارے" دیکھے۔ مزید مشاہدے سے پتہ چلا کہ "ستارے" اپنی پوزیشن تبدیل کر رہے ہیں۔ تین راتیں بعد، 10 جنوری کو، گیلیلیو نے ایک ستارے کو غائب ہوتے دیکھا، جسے اس نے بعد میں مشتری کے پیچھے ایک ستارے کی حرکت کا نتیجہ بتایا۔ چند دنوں کے اندر اس کے پاس حل تھا۔ ستارے (چاند) مشتری کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ اس نے جلد ہی کوپرنیکن کے اس نظریے کی حمایت کی کہ زمین خود سورج کے گرد چکر لگاتی ہے، اور یہ کہ زمین کائنات کا مرکز نہیں ہے۔ گیلیلیو کو ان اولین لوگوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے جنہوں نے یہ محسوس کیا کہ کائنات اور زمین کو طبعی قوانین سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت کا مروجہ عالمی نظریہ الہیاتی اصطلاحات میں بیان کیا گیا تھا، اور اسباب اور نتائج خدا کے ارادوں کی وجہ سے تھے۔

جدید سائنس کی ترقی نے انسانیت کے ارتقاء میں ایک اہم قدم کی نمائندگی کی۔ مذہب کے متوازی، اب کائنات کو بیان کرنے کے لیے ایک اور فریم ورک (طبیعیات، کیمیا، وغیرہ) موجود تھا۔ اس نے سکھایا کہ فطرت کے طبعی قوانین ریاضیاتی ہیں، نہ کہ خدا پر مبنی۔ دنیا کو بیان کرنے کے اس نئے ماڈل نے کیتھولک چرچ کی توجہ اور غصے کو جلد ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اسے چرچ، بائبل اور خدا کی براہ راست مخالفت کے طور پر دیکھا گیا۔ اگست 1610 میں، گیلیلیو نے جوہانس کیپلر کو ایک خط میں لکھا:

> "میرے پیارے کیپلر، کاش ہم عام لوگوں کی قابل ذکر حماقت پر ہنس سکیں۔ اس اکیڈمی کے اہم فلسفیوں کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے جو ایک اسپ کی ضد سے بھرے ہوئے ہیں اور نہ تو

سیاروں، چاند یا دور بین کو دیکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ میں نے
آزادانہ اور جان بوجھ کر انہیں ایک ہزار بار موقع فراہم کیا ہے؟
سچ میں، جیسے اسپ اپنے کان بند کر لیتا ہے، ویسے ہی یہ فلسفی سچائی
کی روشنی سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔"

گیلیلیو، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، تفتیش کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اور اس کے ساتھ، تشدد یا موت کا خطرہ۔ بعد کی آزمائشوں کے ساتھ اس کی کتابوں پر پابندی لگا دی گئی اور اسے قید کر دیا گیا۔ اپنی بڑھاپے کی وجہ سے، اسے گھر میں نظر بند کر دیا گیا، جہاں اس کا 77 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

آج بھی، مذہبی لوگ سائنس کے نتائج کی تردید کرتے ہیں جب وہ نتائج ان کے مذہب کی تعلیمات کے خلاف ہوتے ہیں، یہاں تک کہ جب انہیں ثبوت پیش کیے جاتے ہیں اور خود مشاہدات کو دہرانے کا موقع دیا جاتا ہے۔ ارضیات سب سے آسان اور پیروی کرنے میں آسان مثالوں میں سے ایک فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ زمین کیسے اور کب بنی، اور اس کے بعد سے اس کا کیا ہوا، اس کے بارے میں اب بھی بہت سارے سوالات ہیں، لیکن بنیادی خاکے ہمارے پیروں تلے چٹانوں اور تلچھٹ کی تہوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے بہت سی تہوں میں معدوم زندگی کے فوسلز ہیں، اور ہم نے ان کی عمر کا تعین کرنے کے لیے جدید اور مستقل تکنیکیں تیار کی ہیں۔ یہ سب زمین کی قدامت کے ناقابل تردید ثبوت پیش کرتے ہیں، جنہیں پادریوں میں سے کوئی بھی خود دیکھ سکتا ہے۔ تاہم، چونکہ خدا کے ذریعہ زمین کی تخلیق زیادہ تر مذاہب کا ایک مرکزی عقیدہ ہے، اس لیے اچانک تخلیق کے الہیاتی دلیل کے حق میں ثبوتوں کو یکسر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

مذہبی یورپ میں روشنی کی ایک کرن:

دنیا آہستہ آہستہ جمود کے دور میں پھسل گئی کیونکہ موسیٰ کا خدا، جو اب عیسائیت اور اسلام کے خدا میں تبدیل ہو چکا تھا، وسیع پیمانے پر قبولیت پا گیا۔ دنیا کو موسیٰ کی نظر سے دیکھا جانے لگا، جس میں ایک حسد کرنے والا خدا کائنات اور منزل کو کنٹرول کرتا ہے۔ انسان کا واحد کام اس خدا کی قبولیت کی بھیک مانگنا تھا۔

لیکن اس سے پہلے، ایک وقت تھا جب دنیا عقل اور سمجھ بوجھ کی روشنی میں پھٹنے والی تھی۔ رومی سلطنت کے زوال سے پہلے، قدیم یونان میں سقراط، ارسطو اور افلاطون جیسے لوگ فلسفہ کو اخلاقیات، منطق اور سائنس میں ترقی دے رہے تھے۔ ان کے ثقافتی وارث، رومی، ایک قانونی نظام کو مرتب کرنے کے لیے کافی ترقی یافتہ تھے جس میں فیصلے اور فیصلے کرنے کے لیے دلائل اور عقل کا استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن روشن خیالی کا یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکا۔ ایک بار جب رومی شہنشاہ قسطنطین نے 313 عیسوی میں عیسائیت کو قبول کر لیا، اور بعد میں، جیسے ہی اسلامی فوجیں عرب جزیرہ نما میں پھیل گئیں، مغربی دنیا عقائد کے نظاموں سے گھٹ گئی جس کے لیے ایک خدا، اس خدا کی مسلسل عبادت، اس کے ہاتھوں انسان کی نجات، اور یہ عقیدہ کہ اس نے پوری دنیا کو صرف سات دنوں میں تخلیق کیا ہے۔

1000 سال سے زیادہ عرصے تک، تکنیکی اور سائنسی ترقی رک گئی۔ یونانی اور رومی ثقافتوں کے ابھرتے ہوئے خیالات اور فلسفہ صدیوں تک منجمد رہے، اس سے پہلے کہ عقل اور روشن خیالی کی ایک نئی لہر مغربی دنیا میں پھیل گئی، جس سے انسانیت کو یونانی-رومی علمبرداروں کے ذریعہ شروع کی گئی فلسفیانہ، سائنسی اور انسان دوست ترقی کو جاری رکھنے کے قابل بنایا گیا۔ 17 ویں صدی کے وسط تک مذہبی دھند چھٹنا

شروع نہیں ہوئی، کم از کم ایک مختصر مدت کے لیے - ایک ایسا دور جسے روشن خیالی کا دور کہا جاتا ہے۔ یہ ایک شخص کے ذریعہ شروع کی گئی تحریک نہیں تھی، بلکہ متعدد دانشوروں اور فلسفیوں کے ذریعہ نئے خیالات اور دلائل کی ایک خود بخود ترقی تھی تاکہ موجودہ اقدار، عقائد اور چرچ پر تنقید کی جاسکے۔ عقل کو حتمی اختیار کے طور پر پیش کیا گیا۔ پہلی بار، کچھ افراد روایتی سوچ اور عقائد کے عقیدے کو توڑنے میں کامیاب ہوئے تاکہ جمہوریت اور مذہبی آزادی جیسے خیالات تلاش کر سکیں۔

یہ تحریک اتنی گہری تھی کہ اس نے مغربی دنیا کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا، اور باقی دنیا کو بہت زیادہ متاثر کیا۔

سائنس کی تیز رفتار ترقی نے بھی اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ سر آئزک نیوٹن کے ذریعہ کشش ثقل کے قوانین کی تشکیل، دیگر نئی دریافتوں کے ساتھ، کائنات کے لیے ایک متبادل وضاحت فراہم کرتی ہے جو اس عقیدے کے برعکس ہے کہ ایک خدا کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کو کنٹرول کرتا ہے۔

ڈورینڈا آؤٹرم (2005) روشن خیالی کو ایک ایسی خواہش کے طور پر بیان کرتی ہیں کہ انسانی امور عقیدے، توہم پرستی یا وحی کے بجائے عقل سے رہنمائی کریں، کہ انسانی عقل انسان کو رواج اور بے بنیاد عقائد اور عالمی نظریات سے آزاد کرنے میں کامیاب ہو۔ روشن خیالی نے ایک ایسی دنیا کی پیشین گوئی کی جسے مذہب کے بجائے سائنس کے ذریعے دیکھا جائے۔

روشن خیالی کے دوران، ایک نیا قدر نظام پیدا ہوا جسے آج بھی کچھ لوگ شکوک وشبہات سے دیکھتے ہیں، کیونکہ یہ مذہب کی مخالفت میں کھڑا ہے۔ لیکن جدید دنیا اس نئے قدر نظام پر مبنی ہے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ انہی اصولوں پر قائم ہوا تھا۔

تاہم، 20 ویں صدی کے پہلے نصف میں دو عالمی جنگیں، اور اس کے بعد کی سرد جنگ نے روشن خیالی کی مزید توسیع اور ترقی پر وقتی طور پر روک لگا دی۔ مذہب نے اپنی طاقت اور اختیار کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے، خاص طور پر ریاست اور میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے، دوبارہ گروپ بنایا۔

لیکن ایک بار پھر، تبدیلی کا وقت پختہ ہے، جہاں روشن خیالی کے خیالات قدیم عقائد اور عقائد پر فتح یاب ہوں گے، ایک ایسی تحریک میں جو سائنس، فلسفہ، طبیعیات، انسانی اصل، ارتقاء اور مقصد میں ہماری ترقی کو تیز کرے گی۔

کیا مذہب ہمیں اچھا بناتا ہے؟

زیادہ تر مذہبی لوگ دعویٰ کرتے ہیں یا مانتے ہیں کہ مذہب کے بغیر کوئی شخص اچھا نہیں ہو سکتا- کہ مذہب کے بغیر، دنیا انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ وہ لوگ جو مذہب سے باہر ہیں، ان کا ماننا ہے کہ وہ برے ہیں، اور اس طرح ہم ان سے اچھے یا مہربان ہونے کی توقع نہیں کر سکتے۔ ایک خوف ہے کہ اگر مذہب ختم ہو جائے گا تو برائی غالب آ جائے گی۔ اس طرح، مذہب "اچھائی" کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اچھا ہونے کے لیے، کسی کو مذہب سے تعلق رکھنا ہو گا۔ اگر آپ کے پاس مذہب نہیں ہے تو آپ اچھے نہیں ہو سکتے۔ بہت سے مذہبی دعوؤں کی طرح، یہ دلیل بھی گول ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگوں نے ایسے لوگوں کے ساتھ کام کیا ہے یا کسی نہ کسی طرح وابستہ رہے ہیں جو کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو، مذہبی نقطہ نظر سے، برا یا برا سمجھا جاتا ہے، ہمارا ذاتی تجربہ عام طور پر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ہمیں جلد ہی احساس ہو جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہنستے اور مذاق کرتے ہیں، اور اگر وہ کسی کی بیماری یا نقصان کے

بارے میں سنتے ہیں تو وہ فکر مند ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو اس حقیقت کو ایڈجسٹ کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ یہ لوگ، اگرچہ کسی دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن وہ بھی اچھے ہیں۔ یہ احساس ایک علمی اختلاف (عقیدے اور حقیقت کے درمیان تضاد) پیدا کرتا ہے جو انہیں حقیقت کو اندرونی عقائد کے ساتھ جوڑنے کے تمام طریقوں کی تلاش کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ ممکنہ حل یہ ہیں کہ ہم سب کا ایک ہی خدا ہے، لیکن عقیدہ رکھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ یا یہ کہ یہ اچھے لوگ ہیں، اور امید ہے کہ یسوع انہیں مرنے سے پہلے سچائی دکھائے گا۔ ایک بار جب کوئی دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنا شروع کر دیتا ہے، تو اسے فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ ہم سب انسان ہیں، درد، غم، خوف، ہمدردی، محبت اور بہت کچھ کے جذبات رکھتے ہیں۔ ہم سب ذاتی، کیریئر اور خاندانی مسائل اور اہداف کو شیئر کرتے ہیں۔

لیکن سب سے پہلے "اچھائی" کیا ہے - اور کیا ہم خدا پر ایمان کا اعلان کیے بغیر اسے حاصل کر سکتے ہیں؟ جی ہاں، یقیناً ہم کر سکتے ہیں۔ اخلاقیات ایک انسانی ایجاد ہے، اور یہ گروہ سے گروہ میں مختلف ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا قدیم طرز عمل میں ہوئی ہے جس کا مقصد کسی گروہ کے اتحاد اور بقا کو یقینی بنانا ہے۔ جیسے جیسے ہمارے ابتدائی آباؤ اجداد بقا کے لیے اکٹھے ہوتے گئے، انہیں ایک گروہ کے طور پر اسے بنانے کے قابل ہونے کے لیے اپنی کچھ انا پرست خصلتوں کو ترک کرنا پڑا۔ ان سب کو کھانا تلاش کرنے کے لیے مل کر کام کرنا پڑا، اور خطرناک جانوروں سے بچنے کے لیے ایک ساتھ کھڑے ہونا پڑا۔ اگر کوئی شخص گروہ چھوڑ دیتا ہے، تو اس کے زندہ رہنے اور دوبارہ پیدا کرنے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ گروپ نے خود غرض رویے کے لیے افراد کو سزا بھی دی۔ اخلاقیات کا ہمارا

احساس گروہ کی بقا کے جواب میں پیدا ہوا تھا۔

جیسے جیسے اخلاقیات کا تصور تیار ہوا، یہ کسی حد تک ہمارے جینز میں بھی ہارڈ کوڈ ہو گیا۔ ہم میں سے کچھ فطری طور پر دینے والے ہیں، رویے میں ایثار پسند ہیں۔ ہمیں اپنے ساتھیوں اور دیکھ بھال کرنے والوں کے ذریعہ متوقع اخلاقی طرز عمل بھی سکھایا جاتا ہے۔ بچوں کو دوسروں کے بارے میں شیئر کرنا، پرواہ کرنا اور ہمدردی کرنا سکھایا جاتا ہے، جو ان کے جینیاتی رجحانات کو تقویت دیتا ہے۔ دو سال کے بچوں کے پلے گروپ میں شرکت کرنے والا کوئی بھی ماؤں سے اپنے کھلونے بانٹنے، معافی مانگنے، اچھے بننے وغیرہ کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والے گانے کا مشاہدہ کرے گا۔ ان خصلتوں کے نہ ہونے والے بچوں کو گروہ سے الگ تھلگ کر دیا جائے گا۔ ایک بار جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں، تو ہماری اندرونی استدلال ہمارے اخلاقی کوڈ کو تقویت دینے کے لیے ذمہ داری سنبھال لیتی ہے۔

ہم نے اپنے ارتقائی ماضی میں بقا کے ذریعہ کے طور پر اخلاقیات کے لیے اپنے جینیاتی رجحانات کو تیار کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ، معاشروں نے اخلاقی فریم ورک بھی تیار کیے کیونکہ ہم نے آبادیاں بنانا شروع کر دیں۔ چند سو لوگوں کی آبادی کو ایک ساتھ رہنے کے قابل ہونے کے لیے آرڈر کی ضرورت تھی۔ اگر ان بستیوں میں انسانوں کو چوری، قتل اور زیادتی کی اجازت دی جاتی تو انسانی زندگی دکھی ہوتی۔ لہٰذا آباد انسانوں کو سیاسی اقتدار کے بدلے ہم آہنگی کو یقینی بنانے کے لیے ایک مہذب معاشرہ قائم کرنا پڑا۔ ہر معاشرے نے اپنا اخلاقی ضابطہ تیار کیا۔ بعد کی معاشروں نے قانون کا ایک ضابطہ اور ان اخلاقیات یا "رویے کے اصولوں" کو نافذ کرنے کے لیے ایک پولیس فورس تیار کی تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ معاشرہ کام کرتا رہے۔

اخلاقیات انسان کی بنائی ہوئی ہے، خدا کی نہیں۔ خدا کو ایک خاص اخلاقی

ضابطہ قائم کرنے کے لیے خوف کے عنصر کے طور پر استعمال کیا گیا تھا (اور اب بھی کیا جاتا ہے)۔ کوئی بھی مذہب اخلاقیات یا نیکی کو اپنی منفرد ملکیت قرار نہیں دے سکتا۔ اگر ہم مختلف آبادیوں یا عقائد کے عمومی گھنٹی کے منحنی خطوط کا جائزہ لیں تو نتیجہ ایک جیسا ہو گا۔ کچھ لوگ فطری طور پر دوسروں سے "زیادہ اچھے" ہوں گے۔ کچھ کم اچھے ہوں گے۔ یہ منحنی خطوط یہودی-عیسائی، ہندو، اسلامی، یا غیر مذہبی معاشروں میں اپنی زندگیوں میں اخلاقی اقدار کو لاگو کرنے والے انسانوں کی فیصد کو ظاہر کریں گے - اور کچھ قدیم قبائل بہترین اخلاقی اقدار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نہ ہی مذہبی عقیدہ رکھنے والوں اور ملحدین کے درمیان اخلاقی اقدار میں کوئی اعداد و شمار کے لحاظ سے اہم فرق ہے۔

ہماری نسل نے ایک پیچیدہ اخلاقی احساس تیار کیا ہے، جس کی بنیادیں زیادہ تر ثقافتوں اور لوگوں کے لیے عالمگیر ہیں۔ مذہب نے ان میں سے کچھ کو لیا اور پھر دوسری، کبھی کبھی گمراہ کن، اخلاقی اقدار کو شامل کیا (مثال کے طور پر، یہ عقیدہ کہ ہم جنس پرستی ایک گناہ ہے)۔ اس کا استعمال کرتے ہوئے، انہوں نے پھر اپنے حلقوں کے لیے اخلاقی طرز عمل کا ایک مخصوص ضابطہ بنایا۔

آج کل بہت سی قسم کے مذہبی اخلاقی فریم ورک موجود ہیں۔

مثال کے طور پر:

- قبائلی اخلاقی ضابطے۔
- یہودیت کے لیے موسیٰ کا قانون۔
- عیسائیت، یسوع اور پولس کے ذریعہ موسیٰ کے قانون سے ماخوذ ہے۔
- اسلام، محمد ﷺ اور دیگر کے ذریعہ موسیٰ کے قانون سے ماخوذ ہے۔
- بدھ مت، سدھارتھ گوتم کے ذریعہ بیان کردہ زندگی کا ضابطہ۔

- 2000 سال پہلے کا قدیم رومی قانون۔
- ہندو مت۔

ان میں سے بہت سے اخلاقی نظام عالمگیریت کے امتحان میں ناکام ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ صرف اپنے حلقوں پر لاگو ہو سکتے ہیں اور ان میں غیر معقول عقائد ہو سکتے ہیں۔ انسانوں کے لیے ایک عالمگیر اخلاقی ضابطہ کی وضاحت کرنے کی حالیہ کوششیں کی گئی ہیں۔ بین الاقوامی ہیومنزم اینڈ ایتھیکل یونین (IHEU) نے انسانیت کی تعریف اس طرح کی ہے:

> ..."ایک جمہوری اور اخلاقی طرز زندگی، جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ انسانوں کو اپنی زندگیوں کو معنی اور شکل دینے کا حق اور ذمہ داری ہے۔ یہ انسانی اور دیگر قدرتی اقدار پر مبنی اخلاقیات کے ذریعے ایک زیادہ انسانی معاشرے کی تعمیر کے لیے کھڑا ہے، انسانی صلاحیتوں کے ذریعے عقل اور آزاد تحقیق کے جذبے میں۔ یہ وحدانی نہیں ہے، اور یہ حقیقت کے مافوق الفطرت نظریات کو قبول نہیں کرتا ہے۔"

سیکولر ہیومنزم کے لیے کونسل انسانی اقدار کو اس طرح بیان کرتی ہے (ہیومنزم، تاریخ نہیں):

- یہ یقین کہ عقائد، نظریات اور روایات، خواہ مذہبی ہوں، سیاسی ہوں یا سماجی، ہر فرد کے ذریعہ جانچے اور پرکھے جائیں اور صرف ایمان پر قبول نہ کیے جائیں۔
- انسانی مسائل کے حل اور اہم انسانی سوالات کے جوابات تلاش کرنے میں، ایمان اور تصوف کے بجائے، تنقیدی عقل، حقیقی ثبوتوں اور تحقیق کے

سائنسی طریقوں کے استعمال کا عزم۔

- مجموعی طور پر فرد اور انسانیت دونوں کے لیے تکمیل، ترقی اور تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ ایک بنیادی تشویش۔
- معروضی سچائی کی مسلسل تلاش، اس سمجھ کے ساتھ کہ نیا علم اور تجربہ اس کے بارے میں ہماری ناقص تصور کو مسلسل تبدیل کرتا ہے۔
- اس زندگی کے لیے ایک تشویش اور اپنے آپ کو، اپنی تاریخ، اپنی فکری اور فنکارانہ کامیابیوں، اور ان لوگوں کے نقطہ نظر کو بہتر طور پر سمجھنے کے ذریعے اسے بامعنی بنانے کا عزم جو ہم سے مختلف ہیں۔
- اخلاقی طرز عمل کے قابل عمل انفرادی، سماجی اور سیاسی اصولوں کی تلاش، انسانی فلاح و بہبود اور انفرادی ذمہ داری کو بڑھانے کی ان کی صلاحیت پر ان کا فیصلہ کرنا۔
- یہ یقین کہ عقل، خیالات کی ایک کھلی منڈی، نیک نیتی اور رواداری کے ساتھ، اپنے اور اپنے بچوں کے لیے ایک بہتر دنیا کی تعمیر میں پیش رفت کی جا سکتی ہے۔

ہم اب بھی قدیم قدر نظاموں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، جن میں سے کچھ 2000 سال سے زیادہ پرانے ہیں۔ ان مذہبی قدر نظاموں میں سے کچھ اقدار اب متعلقہ نہیں ہیں، اور کچھ کبھی بھی قابل قبول نہیں تھیں جب ان کا مشاہدہ معروضی نقطہ نظر سے کیا جاتا تھا۔ انسانوں کے باہمی تعامل کے بارے میں اپنے نئے حاصل کردہ علم کے ساتھ ساتھ معاشروں اور انسانی نفسیات کے کام کرنے کے ساتھ، ہم انسانی نسل کے لیے اقدار کا ایک بہتر نظام وضع کر سکتے ہیں جو ہماری جذباتی اور مستقبل کی ضروریات کو پورا کرتا ہے، جو غیر معینہ مدت تک سچ ہے: ایک قدر نظام جو ہمیں سمت

فراہم کرتا ہے جس کے ساتھ مشترکہ انسانی اقدار اور انسانیت کی بہتری کی بنیاد پر اخلاقی فیصلے کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ایک غیر فعال قدر نظام نہیں ہوگا، کیونکہ تاریخ نے ہمیں سکھایا ہے کہ جو لوگ بہت زیادہ غیر فعال ہوتے ہیں وہ بہت جلد خود کو جارحیت اور نظریے کے یرغمال پاتے ہیں۔

بد قسمتی سے، ہماری نسل میں ایک چھوٹی سی فیصد ایسے افراد کی ہے جو سماجی اصولوں سے غیر معمولی انحراف کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایک نفسیاتی مریض قتل اور زیادتی کی وازداتوں پر جاسکتا ہے، یا کوئی فرد کسی متاثرہ شخص کا مادی سامان حاصل کرنے کے لیے تشدد آمیز طاقت کا استعمال کر سکتا ہے۔ کئی بار، یہ اعمال ذہنی عوارض کا نتیجہ ہوتے ہیں جو جینیاتی طور پر مبنی ہوتے ہیں یا ماحولیاتی عوامل سے متحرک ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مجرمانہ رویہ ظاہر کرتے ہیں جو ایک قدر نظام کے ساتھ مل کر رہنے کی عمومی انسانی خواہش سے باہر ہے۔ جس معاشرے میں یہ لوگ خود کو پاتے ہیں وہاں ایسے طریقہ کار ہونے چاہئیں جو ایسے لوگوں کو ہٹا دیں اور ان کے معاشرے کو ان سے بچائیں۔ مثال کے طور پر، ایک پولیس فورس اور اس کے بعد قید اور، مثالی طور پر، منحرف افراد کی بحالی۔

باب 4

زندگی کی کہانی

ہمیں زندگی کے لیے ایک نیا معقول ڈھانچہ تشکیل دینے کی ضرورت ہے، ایک ایسا ڈھانچہ جو ہماری انسانی جذباتی ضروریات کو پورا کرے لیکن سائنس اور کائنات کے بارے میں ہماری مشاہدات کے ساتھ ہم آہنگ رہے، تاکہ ہمارے قدیم مذاہب کے خلاف ایک مضبوط قلعہ کے طور پر کام کر سکے۔

ہمارا معمولی انسانی آغاز:

پچھلے ابواب میں، ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح انسانی نسل نے اپنے ابتدائی ماضی اور خانہ بدوش اصل سے لے کر اپنی پہلی آبادکاریوں اور اس سے آگے تک کے سفر کے حصے کے طور پر اپنی مذہبی میراث ایجاد کی اور اسے ترقی دی۔ یہ قدیم مذاہب آج بھی جدید زندگی میں سرایت کر رہے ہیں، ان خداؤں کے ساتھ جو ہم نے ایجاد کیے تھے، اکثر ہزاروں سال پہلے اپنی اصل کے بعد سے بہت کم تبدیل ہوئے ہیں۔ مزید ترقی کا وقت آگیا ہے: ہمیں ابھرنا ہوگا، اپنے قدیم مذاہب پر فتح حاصل کرنی ہوگی، ایک نیا مذہبی اور روحانی انقلاب برپا کرنا ہوگا۔

تبدیلی کی طرف: تبدیلی ذاتی اور خارجی طور پر اضطراب لائے گی۔ یقینی طور

پر، قائم شدہ مذہبی ادارے اپنے خداؤں اور عقائد کو برقرار رکھنے کی کوشش میں مزاحمت کریں گے۔ لیکن جلد ہی، نیا اور متنازعہ معمول بن جائے گا۔ عقل اور سائنس، اسطورہ اور مذہب کی جگہ لے لیں گے۔ اپنے آپ کو سمجھنا، اور نئے معاون ڈھانچے بنانا جو ہمیں ایسا کرنے کے قابل بناتے رہیں، مذہبی معاون ڈھانچے کی جگہ لے لیں گے یا انہیں تبدیل کر دیں گے۔

ایک نیا فلسفہ:

وقت کے ساتھ، یہ متنازعہ نیا فلسفہ پختہ ہو گا اور مذہب کے ایک طاقتور متبادل کے طور پر ابھرے گا۔ یہ دنیا کو ایک معقول آواز دے گا، ان لوگوں کی مدد کرے گا جو قدیم اور غیر معقول عقائد کے بندھنوں سے فرار چاہتے ہیں۔ یہ سائنس کے ساتھ ہم آہنگ، انصاف، انسانیت اور نیکی پر مبنی ایک ڈھانچہ فراہم کرے گا — موجودہ مذاہب کے نفرت اور غیر معقولیت کے برعکس۔ یہ ڈھانچہ انسانی نسل کو ایک نئے مرحلے میں لے جائے گا، اور کائنات کے مزید رازوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے ہماری اچھی طرح خدمت کرے گا۔ جیسے جیسے ہم اپنے ارد گرد وسیع کائنات کو آباد کرنا شروع کریں گے، یہ ایک مضبوط فلسفہ فراہم کرتے ہوئے ہماری حمایت کرتا رہے گا جو مذاہب کی تاریکی اور خارجی پن کے خلاف مضبوطی سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

اس کتاب کا مقصد: اس کتاب کا مقصد دنیا کی مذہبی زمین کی تزئین کو تبدیل کرنا ہے، اور سائنس اور انسانی نفسیات کے جدید علم کو شامل کر کے ہمارے قدیم مذاہب سے سمجھ، عقل اور انسانی اقدار کے اس جدید ڈھانچے میں منتقلی کا آغاز کرنا ہے۔

آزادی کی طرف: ہمیں اپنے مذہبی ورثے کی سختی اور دنیا کے بارے میں اس کی محدود

فہم سے خود کو آزاد کرنا ہو گا۔ ہمیں دنیا کو اپنے بہت زیادہ انسانی خداؤں کے گھٹن زدہ آغوش سے آزاد کرنا ہو گا، اور انسانی فکر اور مذہب کی ترقی اور ارتقاء میں آگے بڑھنا ہو گا۔

علم کو اپنانا: ہمیں پچھلے چند سو سالوں میں حاصل ہونے والے علم کو اس نئے ڈھانچے میں شامل کرنے کی ضرورت ہے —وہ علم جو ہزاروں سال پہلے ہمارے مذاہب کی بنیاد رکھنے کے وقت دستیاب نہیں تھا۔ یہ ہمیں ان مذاہب پر ایک گہرا فائدہ دے گا۔

ہماری دنیا کی تخلیق:

نظام شمسی کی تشکیل کا جدید ماڈل پچھلی صدی میں ہونے والی سب سے گہری دریافتوں میں سے ایک ہے۔ یہ دریافت اتنی پریشان کن رہی ہے کہ آج کے کسی بھی مذہب نے اسے اپنے عقائد کے نظام میں قبول یا شامل نہیں کیا ہے۔ وہ یہ ماننا پسند کرتے ہیں کہ خدا نے سات معیاری دنوں میں زمین کو تخلیق کیا (ابراہیمی مذاہب کے مطابق)، یا خالق کانگ نے ایسا کیا (Kung Bushman)، یا ایک کائناتی انڈا/سنہری رحم دو حصوں میں ٹوٹ گیا (ہندومت) تاکہ دنیا تشکیل پائے۔ (لفظی طور پر سینکڑوں تخلیقی اساطیر ہیں)۔ لیکن سائنس ایک شاندار کہانی بیان کرتی ہے جو ان اساطیر سے اتنی مختلف ہے جتنی ممکن ہو سکتی ہے —اور یہ کہانی جامد ہونے کے بجائے ارتقا پذیر ہے، کیونکہ یہ اندازے کے بجائے سائنس پر مبنی ہے۔

دنیا کی تخلیق کی الٰہیاتی وضاحت کو چیلنج: مغربی دنیا میں، دنیا کی تخلیق کی الٰہیاتی وضاحت کو پہلا سنجیدہ چیلنج 18ویں صدی کے اوائل میں آیا، جب فلسفی ایمانوئل کانٹ نے نظام شمسی کی تشکیل کے لیے اپنا پہلا نظریہ پیش کیا۔ صرف پچھلی

چند دہائیوں میں ہی ابتدائی سائنس دانوں اور فلسفیوں نے اس موضوع سے متعلق مفید شواہد دریافت کیے تھے۔ جیسے جیسے ہمارے اوزار اور آلات زیادہ جدید ہوتے گئے، ہم اپنے سورج کی طرح دوسرے ستاروں کی تشکیل کو دیکھنے کے لیے خلا میں مزید دور تک دیکھ سکتے تھے۔ ہماری دریافتوں کا آغاز دوربین کی ایجاد سے ہوا۔ 20ویں صدی تک، ہم زمین کی سطح پر گرنے والی خلائی اشیاء کی کیمیائی ساخت کا تجزیہ کر سکتے تھے اور زمین کے ماحول کے بالکل باہر خلائی ذرات کو پکڑ سکتے تھے۔ تابکار تاریخ سازی کی دریافت کے ساتھ، ہم ان خلائی ذرات کی عمر کا تعین کرنے کے قابل ہو گئے، نیز زمین کی سطح سے ملنے والے Meteorites اور یہاں تک کہ دوسرے آسمانی اجسام سے ملنے والی چٹانوں کی بھی۔ اب ہمیں اس بات کا کافی اچھا اندازہ ہے کہ ہمارا نظام شمسی کیسے وجود میں آیا۔

نظام شمسی کی پیدائش: یہ دھول اور گیس کے ایک بہت بڑے بادل سے پیدا ہوا تھا، جو ستاروں کی تشکیل دینے والے بہت سے خطوں میں سے ایک ہے جو اب بھی قابل مشاہدہ کائنات میں عام ہیں۔ تقریباً 5.6 بلین سال پہلے یہ بادل، جس کا سائز کئی نوری سال تھا، خود ہی سکڑنا شروع ہو گیا— ممکنہ طور پر کثافت میں بے ترتیب اتار چڑھاؤ، یا قریبی نووا کی بیرونی شاک ویو کی وجہ سے۔ یہ عمل آہستہ آہستہ شروع ہوا لیکن جلد ہی تیز ہو گیا، کیونکہ مرکزی کمیت کی بڑھتی ہوئی کشش ثقل زیادہ سے زیادہ ذرات کو اپنی طرف کھینچتی گئی۔ گیس کے بادل کے گھومنے کی رفتار اس کے سکڑنے کے ساتھ بڑھتی گئی، اسی طرح جیسے کوئی گھومنے والا برف سکیٹر اپنے بازوؤں کو اندر کھینچ کر اپنی رفتار بڑھاتا ہے۔ گیس کا بادل چپٹا ہو گیا، کیونکہ ذرات کو ترقی پذیر مرکزی جسم کے خط استوا کے ساتھ حرکت کرنا آسان لگا۔

سورج کی پیدائش: مرکزی جسم میں کشش ثقل بڑھتی گئی کیونکہ اس کا حجم بڑھتا گیا، جس کی وجہ سے یہ زیادہ گھنا اور گرم ہوتا گیا۔ بالآخر، جزوی ذرات (تقریباً مکمل طور پر ہائیڈروجن گیس) کو اتنی سختی سے ایک ساتھ نچوڑا گیا کہ کمیت کے مرکز میں ایک تھرمونیوکلیئر چین ری ایکشن بھڑک اٹھا۔ ہائیڈروجن ہیلیم میں ضم ہونا شروع ہو گئی، اور ہمارا سورج پیدا ہوا۔ آج بھی، سورج میں ہمارے پورے نظام شمسی کے 99% سے زیادہ کمیت موجود ہے۔ دریں اثنا، جیسے جیسے سورج بن رہا تھا، پروٹو اسٹار کے خط استوائی طیارے کے ساتھ دھول کے ذرات اور گیسیں کشش ثقل کے ذریعے بڑے اجسام بنانے کے لیے اکٹھے ہو گئے، جو بالآخر آپس میں ٹکرا گئے اور مل کر اور بھی بڑے اجسام بن گئے۔ اور اس طرح ہمارے سیارے پیدا ہوئے — ایک ایسے عمل میں جو وسیع کائنات میں روزانہ دہرایا جاتا ہے۔

نظام شمسی کی تشکیل: اس وقت نظام شمسی کے باہر موجود ایک مبصر نے ایک بڑا سورج دیکھا ہو گا جس کے گرد چکر لگانے والے پروٹو سیارے بے شمار ٹریلین چٹان کے ٹکڑوں، برفیلے اجسام اور دھول کے ذرات کے بادل میں گھوم رہے ہیں۔ جیسے جیسے سورج میں ایٹمی تعاملات تیز ہوتے گئے اور نئے ستارے میں پھیلتے گئے، اس نے تیز رفتاری سے ذرات کی شمسی ہوا خارج کرنا شروع کر دی۔ اس نے، درحقیقت، ایک بہت بڑی جھاڑو بن کر کام کیا جس نے باقی رہ جانے والے زیادہ تر غیر مربوط ذرات کو صاف کر دیا۔ ہمارا نظام شمسی پیدا ہوا، بشمول ہمارا سیارہ زمین۔

اگر ہم زمین سے روشنی کی رفتار سے زیادہ تیزی سے دور جانے کے قابل ہوتے، تو ہم بالآخر خلا میں ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے جو اتنا دور ہوتا کہ صرف ہمارے

نظام شمسی کی ابتدا سے نکلنے والی روشنی ہی ہم تک پہنچتی۔ کافی وقت دیا جائے تو ہم سورج کو بنتے ہوئے دیکھ سکتے تھے، ساتھ ہی زمین کو ایک سیارے کے طور پر بنتے ہوئے بھی۔ یہ، پھر، ہمارے نظام شمسی کی تخلیق کی سچی کہانی ہے، جہاں تک ہم اسے اس مقام پر سمجھتے ہیں۔ ایک بار پھر، یہ ایک ایسا عمل ہے جو کائنات میں روزانہ دہرایا جاتا ہے، جسے ہم اپنی طاقتور ترین دوربینوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ بائبل، قرآن اور ویدک آیات میں اس علم میں سے کوئی بھی نہیں ہے، ان صحیفوں کو لکھنے میں مافوق الفطرت مدد کے دعووں کے باوجود۔ یقینی طور پر، ایک ایسا خدا جو سب کچھ جانتا ہے وہ کائنات کی تشکیل کے بارے میں سچائی کو جان لے گا۔ اس کے بجائے، ان مقدس صحیفوں میں دنیا کی تخلیق کے بارے میں صرف کہانیاں ہیں۔

ہم کیسے جانتے ہیں کہ خدا نے زمین کو نہیں بنایا؟

19 ویں صدی کے آخر تک، زیادہ تر سائنس دان (اور باقی دنیا) اب بھی یہ مانتے تھے کہ زمین صرف چند ہزار سال پرانی ہے، یہ مفروضہ بائبل میں فراہم کردہ تاریخ اور پادریوں کے حساب کتاب پر مبنی تھا۔ لیکن جلد ہی، سائنس میں ترقی نے ان عقائد کو بھی چیلنج کرنا شروع کر دیا۔ 1910ء میں، آرتھر ہومز نے چٹانوں کی پہلی یورینیم لیڈ ڈیٹنگ کی، جس نے زمین کے بارے میں ہمارے خیالات کو ہمیشہ کے لیے بدل دیا۔ اس نے جس پہلی چٹان کی پیائش کی اس کی عمر 370 ملین سال نکلی۔

ہومز کی تکنیک: ہومز کی تکنیک اپنے طریقہ کار میں خوبصورت اور سادہ تھی۔ جب کوئی چٹان بنتی ہے تو یورینیم چٹان کے اندر پھنس جاتا ہے۔ یورینیم اربوں سالوں میں آہستہ آہستہ لیڈ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چٹان میں لیڈ اور یورینیم کے تناسب کا استعمال کرتے ہوئے، چٹان کی عمر کا تقریباً تعین کیا جا سکتا ہے۔

زمین کی قدیم ترین چٹانیں: اچانک، زمین پر قدیم ترین چٹانیں تلاش کرنے کی جستجو شروع ہو گئی۔ ہمارے سیارے کی موسمیاتی اور ٹیکٹونک سرگرمیوں کی تاریخ کو دیکھتے ہوئے، زمین کی اصل سطح بہت کم (اگر کوئی ہے تو) قابل رسائی رہ گئی ہے۔ لیکن کچھ بہت پرانی جگہیں دریافت ہوئی ہیں۔ فی الحال، معلوم قدیم ترین چٹانیں کینیڈا کے اکسٹا (Acasta) دریا میں ایک جزیرے پر ایک Outcrop میں ہیں۔ ڈیٹنگ نے ان چٹانوں کو تقریباً 3.962 بلین سال پرانا قرار دیا ہے۔ مغربی آسٹریلیا میں زرقون (Zircon) کے چھوٹے کرسٹل ملے ہیں جن کی عمر 4.404 بلین سال (+- 8 ملین سال) ہے۔ Meteorite مواد اور دیگر Cross References کا استعمال کرتے ہوئے، زمین کی عمر تقریباً 4.54 بلین سال طے کی گئی ہے۔ ہمارے نظام شمسی میں کہیں اور پائے جانے والے مواد کی عمر 4.567 بلین سال پرانی ہے۔ زمین کی تہوں میں سے ہر ایک کی تاریخ کا تعین کر کے اور ان کا کیمیائی تجزیہ کر کے، ہم زمین کی تاریخ کی ایک بہت اچھی تصویر بنا سکتے ہیں۔ کسی عظیم کتاب کے صفحات کی طرح، یہ تہیں ہمیں زمین کی تاریخ بتاتی ہیں، اس کی ابتدا سے لے کر اب تک۔

زمین کی تخلیق کا پہلا ملین سال: زمین کی تخلیق میں پہلا ملین سال ایک پر تشدد دور تھا، اور اسے مناسب طور پر ہدیان (Hadean) دور کہا جاتا ہے، جو جہنم (Hades) کے لیے یونانی لفظ سے ماخوذ ہے۔ نظام شمسی کو تشکیل دینے والے بہت بڑے گیس کے بادل کے سکڑنے کے دوران، زیادہ تر مادہ سورج بنانے کے لیے گاڑھا ہو گیا۔ لیکن کچھ مقامی کثافت کی تبدیلیوں کی وجہ سے، مادے کے دوسرے بڑے ٹکڑے پروٹو سیارے بنانے کے لیے اکٹھے ہو

گئے۔ یہ پروٹو سیارے اصل میں صرف چند کلومیٹر سائز کے تھے۔ وقت کے ساتھ، وہ زیادہ مواد کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بڑے ہوتے گئے، کچھ اتنے بڑے ہو گئے کہ سورج کی کشش ثقل سے بچ نکلے، حالانکہ وہ اس کے مدار میں ہی رہے۔

پروٹوزمین: جیسے جیسے پروٹوسیارہ، جوزمین بننے والا تھا، بچے ہوئے مواد کے مجموعے سے بڑا ہوتا گیا، یہ زیادہ مادے سے ٹکرانے پر منتقل ہونے والی توانائی کی وجہ سے زیادہ گرم بھی ہوتا گیا۔ تابکار مواد سے اضافی حرارت کے ساتھ، ابتدائی زمین پگھل گئی، اور اتنی سیال ہو گئی کہ اسے بنانے والے مواد کی حرکت کی اجازت مل گئی۔ زیادہ تر بھاری دھاتیں زمین کے مرکز میں ڈوب گئیں، اور ہلکی چیزیں اوپر اٹھ گئیں۔ بڑے لوہے کے مرکز کے گھومنے کے نتیجے میں زمین نے ایک مقناطیسی میدان (مقناطیسی کرہ) تیار کیا۔ اس پگھلے ہوئے ماس کے اوپر بالآخر ایک پرت بن گئی، جس کے ارد گرد ہائیڈروجن اور ہیلیم پر مشتمل ایک ماحول تھا۔ یہ سب 10-20 ملین سالوں کے اندر ہوا۔

چاند کی تشکیل: کچھ ہی دیر بعد، ایک اور تباہی آئی۔ دوسرے پروٹو سیاروں میں سے ایک پروٹوزمین سے ٹکرا گیا۔ یہ جسم اتنا بڑا تھا کہ یہ تقریباً زمین میں ضم ہو گیا۔ درحقیقت، اس غیر ملکی جسم کی زیادہ تر بھاری دھاتیں زمین کے ساتھ مل گئیں، جبکہ باقی ہلکی چیزیں (زمین کی اصل پرت اور مینٹل کے ساتھ) ایک نیا جسم، چاند بنانے کے لیے مدار میں خارج کر دی گئیں۔ چاند کی چٹانوں کی تابکار تاریخ سازی سے پتہ چلتا ہے کہ چاند زمین سے 30-55 ملین سال چھوٹا ہے۔ چاند کی کثافت بھی کم ہے، جس کی ساخت زمین کے مینٹل جیسی ہے۔

زمین اور چاند پر بمباری: چونکہ نظام شمسی اب بھی ملبے سے بھرا ہوا تھا، اس لیے زمین اور چاند دونوں پر اس ابتدائی دور میں شدید بمباری ہوئی۔ جہاں کٹاؤ اور ٹیکٹونک سرگرمیوں کی وجہ سے زمین کی سطح سے زیادہ تر شواہد مٹ گئے ہیں، وہیں چاند اب بھی ان زخموں کو سہے ہوئے ہے۔ رات کے وقت اوپر دیکھ کر، انہیں ننگی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ برفیلے اجسام کی زمین پر شدید بمباری نے زمین پر پانی کی مقدار میں بھی اضافہ کیا۔ زمین کا ابتدائی ماحول بدل گیا، کیونکہ ہلکی گیسیں زمین سے نکل گئیں اور آتش فشاں سطح پر گیسیں اور مواد دونوں اگلتے رہے۔ تقریباً 3.8 بلین سال پہلے، بمباری کم ہو گئی، کیونکہ نظام شمسی میں باقی رہ جانے والے زیادہ تر ملبے کو شمسی ہوا نے صاف کر دیا تھا۔

آرکیئن دور کا آغاز: ایک نیا دور شروع ہوا، جسے آرکیئن کا نام دیا گیا—یونانی زبان میں آغاز۔ اس نے ایک زیادہ مستحکم زمین کے آغاز کی بھی نشاندہی کی۔ زمین اب بھی گرم تھی، اور آتش فشاں سرگرمی عام تھی۔ اب تک، اگرچہ، پرت زیادہ تر کاربن ڈائی آکسائیڈ، پانی کے بخارات، اور آتش فشاں سے وابستہ دیگر گیسوں پر مشتمل ماحول سے ڈھکی ہوئی تھی۔ جیسے جیسے سیارہ ٹھنڈا ہوتا گیا، پہلے پانی کے بادل بنے، اور بارش ہونے لگی، جو بالآخر سمندروں میں جمع ہو گئی۔ ہم اس وقت زمین کا تصور بڑے بڑے بنجر، آتش فشاں زمینوں کے طور پر کر سکتے ہیں جو وسیع سمندروں سے گھرے ہوئے ہیں۔ آتش فشاں ماحول میں گیسیں اگلتے رہے۔ کینیڈا کے شمال مغربی علاقوں اور جنوبی افریقہ کے لیمپوپو (Limpopo) صوبے میں، ہم اب بھی زمین کی اصل چٹانیں، جنہیں کریٹنز (Cratons) کہتے ہیں، تلاش کر سکتے ہیں، عام طور

پر ٹیکٹونک پلیٹوں کے اندرونی حصے میں جہاں وہ اربوں سالوں سے براعظموں کے ملنے اور ٹوٹنے سے بننے کے قابل ہیں۔

زندگی کی پہلی اینٹیں: کسی بھی چیز سے زیادہ، یہ کائنات کی تاریخ میں سب سے بڑی ترقی (کم از کم انسانی نقطہ نظر سے!) کے لیے مرحلہ طے کرنے والا تھا۔ اس دور میں زندگی کے پہلے بلاکس بنے —ایک ایسی حیرت انگیز ترقی کہ آج کی لاکھوں انواع زندگی کا سراغ اس تک لگایا جاسکتا ہے۔ اب تک، ان معمولی اصل سے زندگی کے ارتقاء کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔ ارتقاء ہر جگہ واضح ہے: فوسلز (Fossils) میں، ہمارے DNA میں، اور اس زندگی میں جسے ہم روزانہ اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔

ایک ابتدائی سمندر میں زندگی کا ایک ذرہ:

تو: ہم کہاں سے آئے؟ اب ہم جانتے ہیں کہ زمین کیسے بنی، تقریباً 5.6 بلین سال پہلے شروع ہو کر، ایک بہت بڑے گیس کے بادل کی کثافت میں ایک بے ضابطگی سے، جو مادے کے ایک گانٹھ میں گاڑھا ہو گیا جس نے قریبی ملبے کو اپنی طرف متوجہ کیا یہاں تک کہ یہ اپنے موجودہ سائز تک پہنچ گیا۔ سات دیگر بڑے سیاروں اور چھوٹے سیاروں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ، زمین سورج کی کشش ثقل سے بچ گئی، اور سورج کے گرد گھومنا شروع کر دی، جو اس وقت ایک بہت ہی ناگفتہ بہ ماحول تھا۔ یہ نیا تشکیل شدہ سیارہ کہکشاں میں بکھرے ہوئے لاکھوں دوسرے سیاروں سے بہت مختلف نہیں تھا۔ لیکن سورج سے اس کی مخصوص دوری نے اسے دوسروں سے الگ کر دیا، کیونکہ یہ نہ تو بہت ٹھنڈا تھا اور نہ ہی بہت گرم۔ درجہ حرارت کی حد بعض کیمیائی بندھنوں کی تشکیل کے حق میں مثالی تھی۔ یہ مقام اتنا منفرد تھا کہ سطح کے کافی ٹھنڈا ہونے کے بعد

نیاسیارہ زندگی سے بھرنے کے لیے مقدر تھا۔

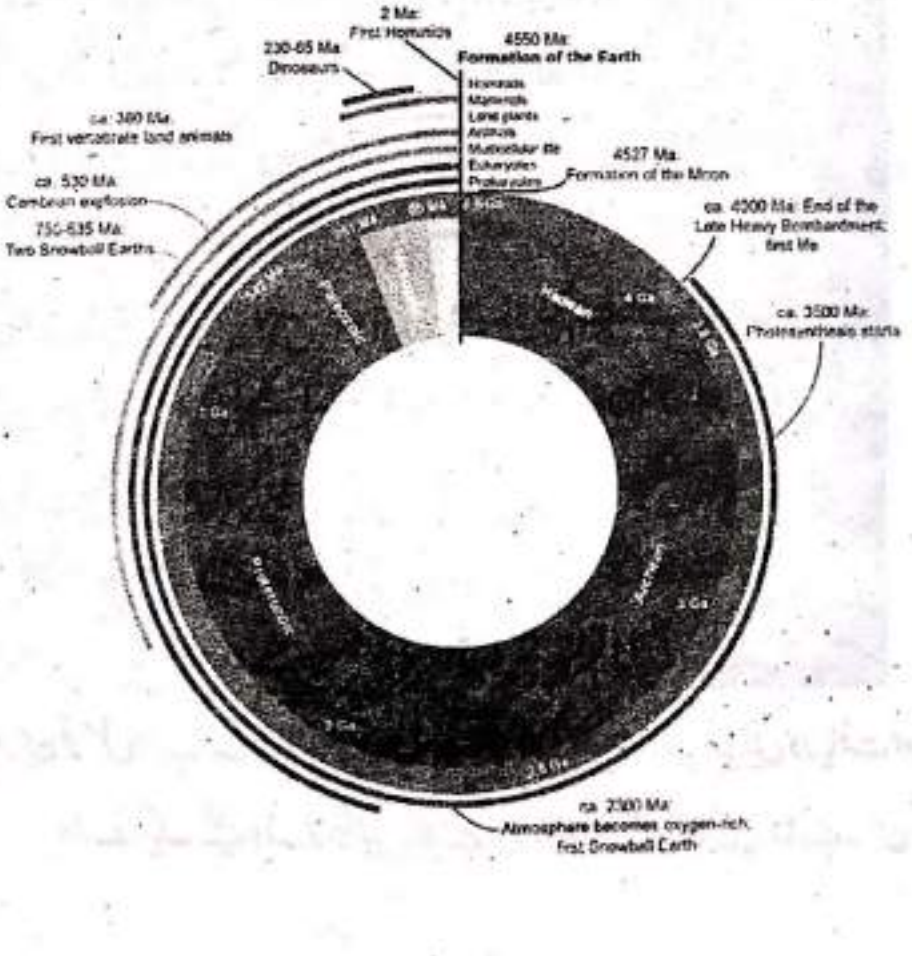
زندگی کے قدیم شواہد: انسانیت، اپنے پورے وجود میں، عجیب و غریب نظر آنے والی اور فوسلائزیشن ہڈیوں، یا بہت پہلے معدوم ہونے والے جانداروں کی خاک پر ٹھوکر کھاتی رہی ہے۔ زمین میں گہرائی میں جانے والے کان کن بعض اوقات ایسے فوسلز دریافت کرتے ہیں۔ زمین کی پرت میں اور بھی گہرائی میں جانے والی مشینیں، کوئلے کی ایک پرت یا تیل کے تالاب میں، اکثر خوردبینی باقیات پر مشتمل نمونے لاتی ہیں، جو ایک طویل عرصے سے معدوم دور کے جانداروں کے شواہد ہیں۔ کچھ اتنی گہرائی میں پائے جاتے ہیں، مٹی اور چٹان کی اتنی تہوں کے نیچے دفن ہوتے ہیں، کہ وہ اربوں نہیں تو سینکڑوں ملین سالوں کی ارتقائی ترقی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

تابکار تاریخ سازی: ایک بار تابکار تاریخ سازی ایجاد ہونے کے بعد، فوسلز والی چٹانوں اور خود فوسلز دونوں کی عمر کا تعین کرنا ممکن ہو گیا، اور ہم تقریباً چار بلین سالوں میں زندگی کی ارتقائی کہانی کو سنجیدگی سے ترتیب دینا شروع کر سکتے تھے۔

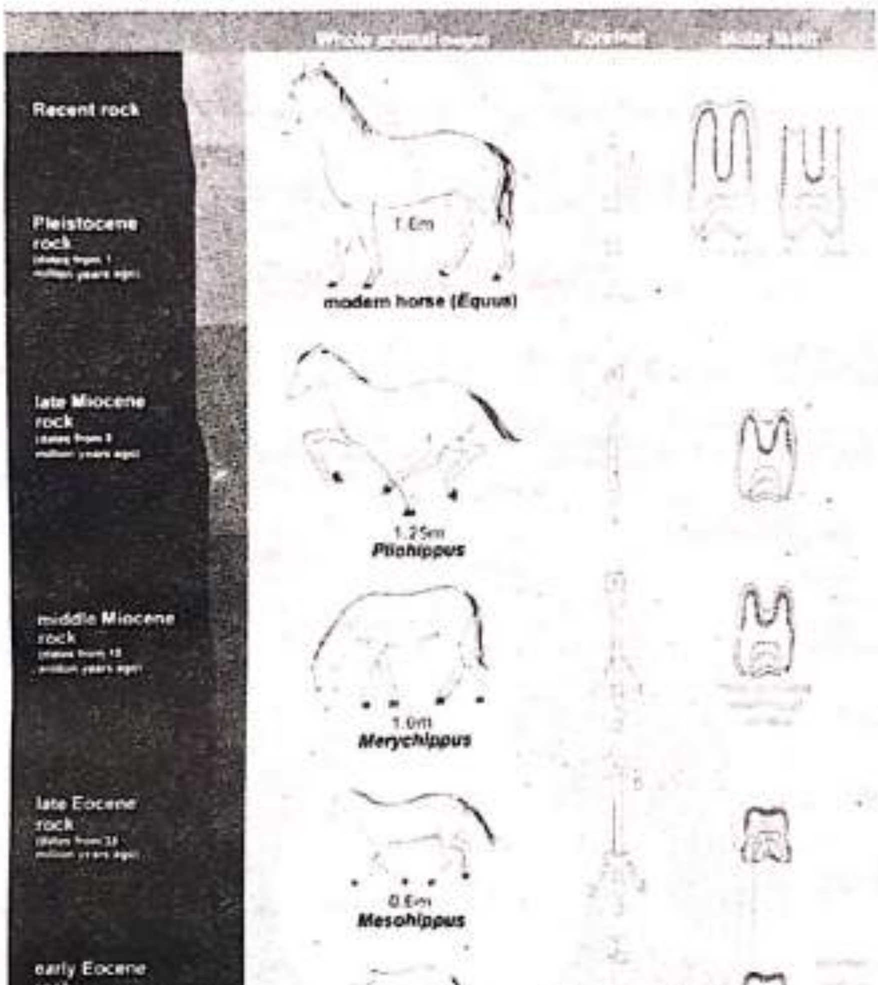
فوسلائزیشن کا عمل: فلولائزیشن ایک نایاب واقعہ ہے، جس کے لیے بہت مخصوص حالات کی ضرورت ہوتی ہے۔ مردہ جانور یا پودے کو تقریباً فوراً تلچھٹ سے ڈھانپنا چاہیے، جس میں فوسلائزیشن کے حق میں بہت مخصوص حالات ہوں۔ اسے طویل عرصے تک سیلاب، آتش فشاں اور زلزلے کے واقعات سے بھی بچنے کی ضرورت ہے۔ پھر اسے دریافت کرنے کی ضرورت ہے۔ زیادہ تر ابتدائی زندگی نے بہت کم شواہد چھوڑے، کیونکہ اس میں صرف نرم بافتوں پر مشتمل تھا۔ لہٰذا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہمارا موجودہ

فوسلز ریکارڈ اب بھی نا مکمل ہے۔ لیکن اس کے باوجود، ہم نے فوسلز کی ایک بھرپور قسم دریافت کی ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے سیارے پر زندگی کیسے ارتقا پذیر ہوئی۔ ان فوسلز کی تاریخ کا تعین اور ترتیب دے کر، ہم زمین پر زندگی کی نشوونما کو دیکھ سکتے ہیں۔

زندگی کا ارتقاء: سادہ زندگی کی شکلیں جدید زندگی کے نیچے والی تہوں میں پائی جاتی ہیں، اور فوسلز ریکارڈ لفظی طور پر اربوں سالوں میں زمین پر زندگی کے مسلسل ارتقاء کو ظاہر کرتا ہے۔ سات دنوں کے معجزات نہیں ہیں؛ مافوق الفطرت ہستیوں کی طرف سے کوئی اچانک تخلیق نہیں ہے۔ زمین کا جدید حیاتیاتی کرہ موجودہ ماحول کے مطابق زندگی کے مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہے، اور عام طور پر سادہ سے زیادہ پیچیدہ تک ترقی پسند رہا ہے۔



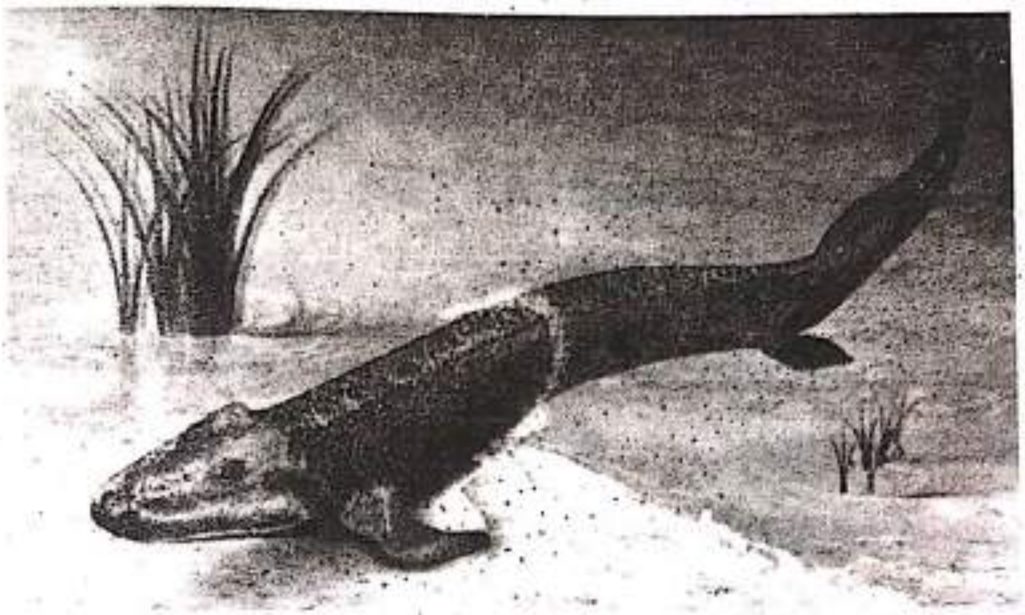
گھوڑے کا ارتقاء: ہمارے پاس کچھ مخصوص اقسام کے جانوروں کے کافی مکمل فوسلز ریکارڈ موجود ہیں، جن میں گھوڑا ایک بہترین مثال ہے۔ گھوڑا تقریباً 54 ملین سال پہلے شمالی امریکہ میں ایک چھوٹے جانور کے طور پر شروع ہوا تھا۔ جیسے جیسے زمین کی آب و ہوا بدلتی گئی، یہ جسم کے ڈھانچے اور سائز میں نمایاں تبدیلیوں کے ذریعے جدید گھوڑے میں تبدیل ہوتا گیا۔ پچھلے 54 ملین سالوں میں گھوڑے کی نشوونما کا خاکہ شکل 6 میں دیا گیا ہے۔



قدیم ترین فوسل: اب تک ملا سب سے قدیم فوسل، مغربی آسٹریلیا میں دریافت ہونے والے ایک خلیے والے بیکٹیریا کا ہے، جو 3.45 بلین سال پرانا ہے۔ ان سادہ

جرثوموں نے پانی، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور سورج کی روشنی کو استعمال کیا جو تقریباً دو بلین سالوں تک زمین پر وافر مقدار میں موجود تھے۔ قدیم ترین کثیر خلوی فوسلز تقریباً 2.1 بلین سال پہلے کا ہے۔ جانوروں کی زندگی، ایک قدیم سپنج کی شکل میں، تقریباً 650 ملین سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ فوسل ریکارڈ بلاشبہ زندگی کے سادہ ترین سے لے کر آج کے پیچیدہ خیاتیات تک بتدریج ارتقاء کو ظاہر کرتا ہے۔ حقائق ناقابل تردید ہیں۔ خدا اپنی عمر کے مطابق مسلسل تہوں میں سادہ ترین سے زیادہ پیچیدہ تک فوسلز کو کیوں جمع کرے گا؟

پانی سے زمین تک: اب ہمارے پاس فوسل شواہد بھی ہیں جو بتاتے ہیں کہ جانوروں کی زندگی سمندر سے زمین پر کیسے منتقل ہوئی۔ 2004 میں، شمالی کینیڈا کے ایلیسمیر (Ellesmere) جزیرے پر 383 ملین سال پرانا، اچھی طرح سے محفوظ فوسل ملا تھا۔ فوسل میں مچھلی کی خصوصیات تھیں، لیکن اگلے پنکھوں میں کلائی کی ہڈیاں اور سادہ انگلیاں تھیں، جو وزن اٹھانے کے لیے استعمال ہونے والی قسم کی ہیں۔ اس کی گردن بھی آزادانہ طور پر حرکت کرنے کے قابل تھی۔ یہ ایک ایسی مچھلی تھی جو اتھلے پانی میں رہتی تھی، جسے زندہ رہنے کے لیے موافقت کرنی پڑتی تھی۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ اتھلے پانی آکسیجن میں کم تھے، جیسا کہ فوسل کے ارد گرد تلچھٹ کی تہوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ شکار کو پکڑنے اور زندہ رہنے کے لیے، "مچھلی" نے اپنے اگلے پنکھوں کو خود کو سہارا دینے اور آگے بڑھانے کے لیے استعمال کیا۔ پانی سے زمین پر ارتقائی منتقلی جاری تھی۔

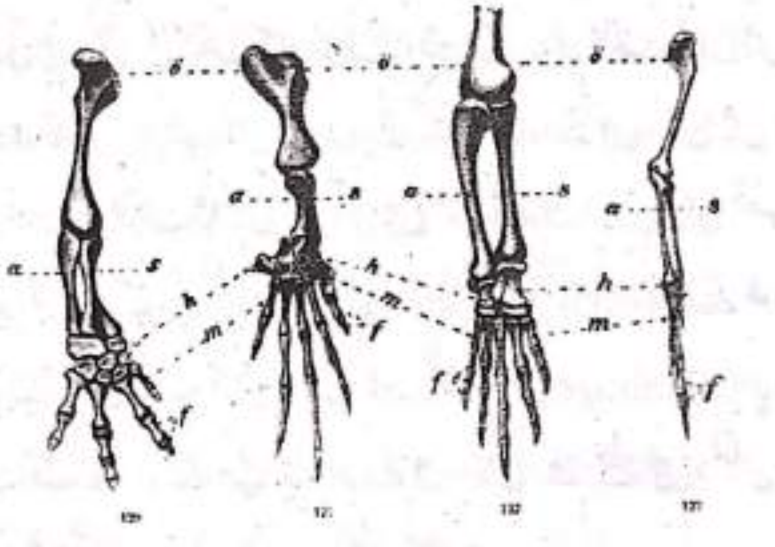


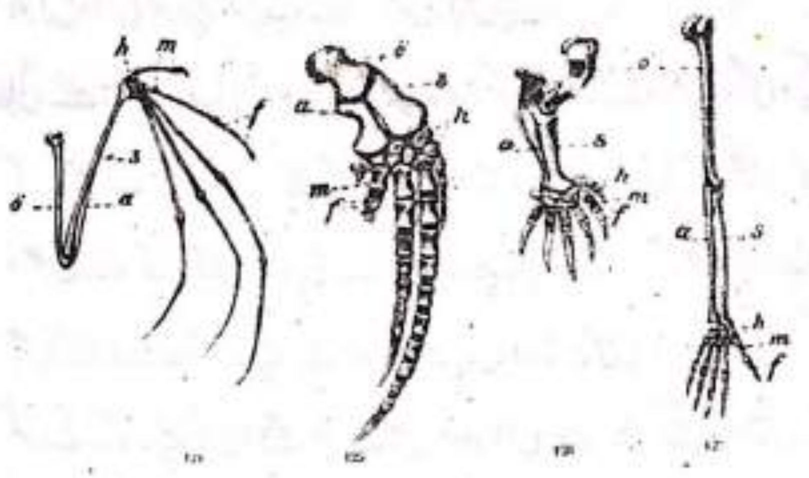
ٹکٹالک مچھلی: اس ٹکٹالک مچھلی (Tiktaalik) نے پانی کی سطح سے اوپر جھانکنے کے لیے موافقت کرنا شروع کر دی تھی۔ اس مقصد کے لیے، آنکھیں اور نتھنے کھوپڑی کے اوپر واقع ہونے کے لیے تیار ہوئے۔ یہ اپنے سر کو گھما سکتی تھی اور پانی اور ہوا دونوں سے آکسیجن حاصل کر سکتی تھی۔ اس کی ہڈیاں مضبوط ہو گئیں، اور جلد ہی یہ مزید ارتقاپذیر ہو گئی کیونکہ جانور شکار کے پیچھے بھاگنے لگا یا ایک تالاب سے دوسرے تالاب میں جانے لگا۔ ایسی خصوصیات تیار ہو رہی تھیں جو بالآخر جسمانی طور پر جدید انسانوں کا باعث بنیں گی ـــــ دوسرے لفظوں میں، ہم۔

ارتقاء کے مزید شواہد:

اس بات کی بہت سی دوسری شواہد موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ ہم کیسے ارتقا پذیر ہوئے۔ اگر ہم اپنے اردگرد موجود جانداروں پر نظر ڈالیں تو ہم ان کے درمیان بہت سی مماثلتوں سے حیران رہ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر پھولوں کو لیں: ان سب کی ایک بنیادی ساخت ہوتی ہے جس میں ایکسٹیمن (Stamen)، پلسٹل (Pistil)،

اُووری(Ovary)، سیپلز (Sepals)اور پنکھڑیاں ہوتی ہیں۔ ان کے مختلف رنگ اور اضافی ڈھانچے ہوسکتے ہیں، لیکن وہ سب ایک ہی بنیادی طریقہ استعمال کرتے ہوئے کام کرتے ہیں۔ تمام جانوروں میں سانس لینے کے نظام ہوتے ہیں جو آکسیجن جذب کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں، دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان، اور افزائش نسل کے لیے ایک جیسے اعضاء ٹیسٹس (Testes) یااُووری(Ovary)، پینس (Penis)یاوجائینا(Vagina) عام طور پر، دو حیاتیات کے درمیان مماثلت کی مقدار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ارتقائی لحاظ سے ایک دوسرے سے کتنے قریب ہیں۔ عام طور پر، دو انواع میں جتنی کم مماثلت ہوتی ہے، ان کے آباؤ اجداد اتنے ہی پیچھے ایک دوسرے سے الگ ہوگئے تھے۔





چمگادڑ، گھوڑے، پرندے اور انسان کی ہڈیوں کی مماثلت: چمگادڑ، گھوڑے، پرندے اور انسان کی ہڈیاں بہت ملتی جلتی ہیں، جو ایک مشترکہ نسب کو ظاہر کرتی ہیں۔ نیچے ایک چارٹ ہے جو سلامینڈر، کچھوے، مگرمچھ، پرندے، چمگادڑ، وہیل، مولز اور انسانوں کے اگلے اعضاء کے درمیان ساختی مماثلت کو ظاہر کرتا ہے۔

جسمانی خصوصیات کی مماثلت: دو جانداروں کے درمیان جسمانی خصوصیات جتنی زیادہ مماثل ہوں گی، حیاتیات اتنے ہی قریب سے متعلق ہوں گے اور اس بات کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا کہ وہ ایک مشترکہ جد امجد کا اشتراک کریں۔ ایک جیسی جسمانی خصوصیات مشترکہ جد امجد کی اصل خصوصیات سے حاصل ہوتی ہیں، جن کی مختلف آبادیوں نے وقت کے ساتھ مختلف انواع میں ڈھل کر ارتقا پایا۔ بلاشبہ، اس اصول کے کچھ استثناءات ہیں، جن میں ارتقائی درخت کی مختلف شاخیں "مل گئی ہیں"، یا آزادانہ طور پر ایسی خصوصیات پیدا کرنے کے لیے تیار ہوئی ہیں جو بہت ملتی جلتی ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ طریقے جن سے بلین وہیل اور فلیمنگو (Flamingos) پانی سے خوراک نکالنے کے لیے تیار ہوئے ہیں، کافی ملتے جلتے ہیں، لیکن دونوں انواع واضح طور پر قریب سے متعلق نہیں ہیں۔

نامکمل جسمانی حصے: ان جسمانی خصوصیات کا مشاہدہ کرتے ہوئے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جسم کے بہت سے حصے کامل سے بہت دور ہیں، جیسا کہ تخلیق کاروں کا دعویٰ ہے کہ انہیں شروع سے ہی ہونا چاہیے تھا۔ واضح طور پر، یہ وراثت میں ملنے والے ڈھانچے کے موافقت پذیر ورژن ہیں —— ورژن جو اکثر کام کرنے کے لیے کافی اچھے ہوتے ہیں، اور اس سے بہتر نہیں۔ مثال کے طور

پر، ہم انسان اپنی کمزور پٹھوں سے جدوجہد کرتے ہیں، کیونکہ انسانی ریڑھ کی ہڈی سیدھے چلنے کے لیے نہیں بنی ہے — اور ہمارے ڈھانچے ابھی تک اس سے نمٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئے ہیں۔

ویسٹیجیئل حصے: ہمارے پاس ویسٹیجیئل حصے یا خصوصیات بھی ہیں جو ابھی تک ارتقاء کے ذریعے ختم نہیں ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر، انسانی جسم میں ایک ٹیل بون (Tailbone) Coccyx ایک کھوئی ہوئی دم کی باقیات — اور کان کے پٹھے شامل ہیں جو اب استعمال نہیں ہوتے ہیں۔ ہمیں گوز بمپس (Goose Bumps) ملتے ہیں، جو ایک قدیم جانوروں کی خصوصیت کی باقیات ہیں جس کا مقصد شکاریوں کو ڈرانے کے لیے بالوں کو کھڑا کرنا تھا۔ انسانوں میں ایک اپینڈکس ہوتا ہے، جو ایک مکمل طور پر بیکار عضو ہے۔ ممالیہ شاخ کے ساتھ ہمارے ارتقاء میں، ہم اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ بعض اوقات یہ ہمیں مار ڈالتا ہے — لیکن دوسرے ممالیہ جانوروں کو اب بھی بیکٹیریا کی مدد سے سبزیوں کے سیلولوز (Cellulose) کو ہضم کرنے کے لیے اپینڈکس کی ضرورت ہوتی ہے۔

غیر ضروری حصوں کی ایک لامتناہی فہرست: انسانوں اور دوسرے جانوروں میں غیر ضروری حصوں کی ایک لامتناہی فہرست ہے۔ مثال کے طور پر، وہیل میں، کوئی اب بھی جسم کے پچھلے حصے میں ٹانگوں کی ہڈیاں تلاش کر سکتا ہے — پچھلی ٹانگوں کی باقیات، ان دنوں سے جب اس کے دور دراز آباؤ اجداد اب بھی زمین پر رہتے تھے۔

ایمبریونک نشوونما میں شواہد: فوسلز اور ساختی مماثلتوں کے علاوہ، ہمارے ارتقائی ماضی کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ ہم اسے ایمبریونک نشوونما میں دیکھتے

ہیں۔ ایک بار جب مرد کا سپرم عورت کے انڈے میں داخل ہو جاتا ہے، تو تیزی سے خلیے کی تقسیم شروع ہو جاتی ہے کیونکہ ایمبریو نشوونما شروع کر دیتا ہے۔ ایمبریونک راستے میں مختلف حیاتیات کے درمیان نشوونما کا موازنہ کرکے، ہمارے ارتقائی اصل کے مزید شواہد سامنے آتے ہیں۔ کشیراتی جانور (Vertebrates)،(ریڑھ کی ہڈی والے حیاتیات ـــ مثلاً زیادہ تر مچھلیاں اور تمام ایمفیبئنز (Amphibians)، رینگنے والے جانور، ممالیہ اور پرندے) میں، ایمبریو ابتدائی مراحل میں بہت ملتے جلتے نظر آتے ہیں، بعد کے مراحل میں زیادہ مختلف ہونے سے پہلے۔ مماثلتیں اتفاقی نہیں ہیں۔ ہم سب ایک مشترکہ جد امجد سے وراثت میں ملنے والے ایک عمومی ترقیاتی نمونے کا اشتراک کرتے ہیں۔

بعد میں ظاہر ہونے والے اختلافات: بعد میں ظاہر ہونے والے اختلافات ان تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں جو مخصوص انواع نے اپنے ماحول کے مطابق ڈھالنے کے لیے کی ہیں۔ انسانی ایمبریو ابتدائی مراحل میں ایک گلپھڑا بناتا ہے، جو بعد میں غائب ہو جاتا ہے ـــ مچھلی کے جد امجد کی ایک باقیات جس سے تمام کشیراتی جانور ارتقا پذیر ہوئے۔ انسانی ایمبریو ایک واضح دم بھی دکھاتا ہے جو چھ ہفتوں میں زیادہ سے زیادہ لمبائی تک پہنچ جاتا ہے۔ دم بعد میں چھوٹی ہو جاتی ہے اور Coccyx کے طور پر رہ جاتی ہے۔

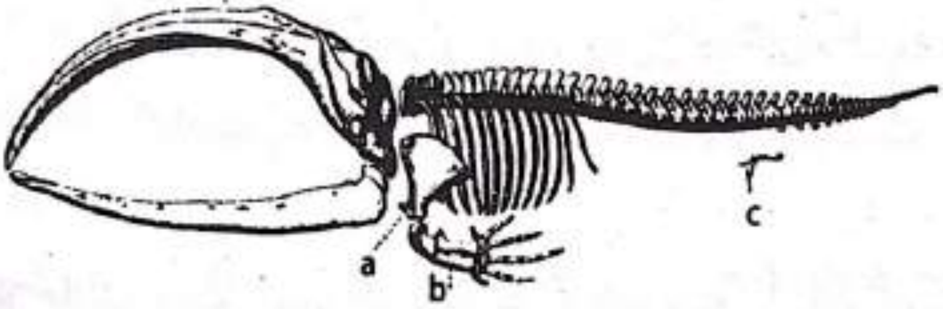
ارتقائی ڈھانچے کی ظاہری شکل: عام طور پر، ایمبریو میں ارتقائی ڈھانچے کی ظاہری شکل انواع کی ارتقائی نشوونما کے ساتھ موافق ہوتی ہے۔ اگر ارتقائی ڈھانچہ جلد تیار ہوا ہے، تو یہ بعد کی ایمبریونک نشوونما سے بھی پہلے کا ہے۔ انسانوں میں، فوربرین (Forebrain) سب سے آخر میں تیار ہوتا ہے۔

ایمبریو ارتقائی راستے کی نقل کیوں کرتا ہے؟: کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ انسانی ایمبریو اپنی نشوونما میں ارتقائی راستے کی نقل کیوں کرتا ہے۔ ایک بار پھر، وجہ غالباً یہ ہے کہ ایمبریو کی نشوونما ہمارے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہے۔ اسے ہمارے مچھلی کے جد امجد سے مچھلی کی خصوصیات وراثت میں ملی ہیں۔ لیکن مچھلی کی خصوصیات بننے کے بعد بھی نشوونما جاری رہتی ہے، کیونکہ دوسرے جین ان خصوصیات میں سے کچھ کو مزید تیار کرنے یا انہیں غائب کرنے کے لیے آن کر دیتے ہیں۔ ایمبریو اس چیز کا استعمال کرتا ہے جو ارتقاء کے ذریعے پہلے ہی تیار ہو چکی ہے، اور پھر اسے اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالتا ہے۔

بلاسٹولا میں سوراخ: اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ فرٹیلائزیشن کے فوراً بعد، جب پہلے تقسیم ہونے والے خلیے ایک کھوکھلی گیند بلاسٹولا (Blastula) بن جاتے ہیں، تو گیند میں ایک سوراخ یا چھید بنتا ہے۔ اس چھید کی مزید نشوونما جانوروں کی بادشاہی کو دو حصوں میں تقسیم کرتی ہے۔ اگر چھید منہ بن جاتا ہے، تو حیاتیات Invertebrate گروپ سے تعلق رکھتے ہیں: مثلاً کیڑے مکوڑے، کیڑے اور Mollusks۔ اگر یہ پہلا چھید مقعد بن جاتا ہے، تو حیاتیات کشیراتی جانور ہے۔ یہ نشوونما کسی مشترکہ جد امجد میں بہت پہلے ہونے والے اختلاف کی بات کرتی ہے۔

پودوں اور جانوروں کی تقسیم: سیارے پر پودوں اور جانوروں کی تقسیم بھی ارتقاء کی حمایت کرتی ہے۔ زندگی زمین کی سطح پر یکساں طور پر نہیں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بجائے، ہم پاتے ہیں کہ انواع اکثر کسی خاص براعظم یا جزیرے کے لیے منفرد ہوتی ہیں۔ افریقہ میں، پودے (Flora) اور جانور (Fauna)

شمالی امریکہ میں پائے جانے والے پودوں اور جانوروں سے مختلف ہیں (یا کم از کم، وہ یورپی رابطے سے پہلے تھے)۔ کچھ انواع متعلقہ ہو سکتی ہیں، لیکن وہ اب ایک جیسی نہیں ہیں۔ اگر زندگی مافوق الفطرت کے ذریعے ایک ہی بار میں تخلیق کی گئی تھی، اور وہ بھی صرف چند ہزار سال پہلے، تو ہمیں تمام براعظموں پر ایک جیسے مگرمچھ یا صرف ایک قسم کی پھل مکھی ملنی چاہیے۔ واضح طور پر، ایسا نہیں ہے؛ تو انواع اتنی مختلف کیوں ہیں؟



ارتقاء کا جواب:

ایک بار پھر، ارتقاء جواب فراہم کرتا ہے۔ ارضیات کے اپنے مطالعے سے، ہم جانتے ہیں کہ بہت دور ماضی میں مختلف مراحل میں، زیادہ تر یا تمام زمینیں متحد تھیں، پلیٹ ٹیکٹونکس کے عمل کے ذریعے مختلف براعظموں کو بنانے کے لیے آہستہ آہستہ الگ ہونے سے پہلے۔ کسی موقع پر، مگرمچھ کی ایک ہی نسل پورے سپر براعظم میں آباد ہو سکتی تھی۔ لیکن ایک بار جب وہ براعظم ٹوٹ گیا اور الگ ہو گیا، تو ہر آبادی اپنے طور پر تھی۔ ہر آبادی ارتقاء پذیر ہوتی رہی، نئی زمین کے آب و ہوا کی تبدیلیوں کے مطابق ڈھلتی رہی جس پر اس نے خود کو پایا۔ اس عمل کو نباتات اور حیوانات دونوں کی لاکھوں مختلف انواع سے ضرب دیں، اور آپ کو وہ ناقابل یقین حیاتیاتی تنوع ملتا ہے جس کا ہم آج تجربہ کرتے ہیں۔ سمندروں سے الگ ہونے والی انواع دور سے

متعلقہ ہو سکتی ہیں، لیکن صرف دور سے۔ ہر ایک حیاتیاتی طور پر ایک الگ نسل ہے۔

سمندری جزیروں پر زندگی: یہ نظریہ سمندری جزیروں پر زندگی کی طرف سے اچھی طرح سے تعاون یافتہ ہے، اور در حقیقت ڈارون نے ارتقاء کا اپنا نظریہ گالاپاگوس (Galapagos) جزیروں میں اپنے تجربات کی بنیاد پر تشکیل دیا تھا۔ آتش فشاں سرگرمی سے بننے والے بہت سے سمندری جزیرے نسبتاً کم عمر ہیں۔ جب ہم ان جزیروں پر زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں، تو یہ دیکھنا آسان ہے کہ پودے اور جانور کتنے قریب سے متعلق ہیں۔ ان جزیروں پر زندگی ان کے قریب ترین زمینوں سے، یا تو سمندر میں تیرتے ہوئے (بیجوں کے طور پر، یا پودوں کے بیڑوں پر جانوروں کے طور پر) یا ہوا کے ذریعے پہنچی۔ ایک بار جب وہ جزیرے پر پہنچ گئے، تو انہوں نے ان جزیروں پر پائے جانے والے منفرد حیاتیاتی گروہوں کو بنانے کے لیے ارتقاء کرنا شروع کر دیا۔

ارتقاء کے شواہد: لہٰذا، ہمارے پاس ارتقاء کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

1. مسلسل ارضیاتی تہوں میں فوسلز کی موجودگی، سادہ زندگی سے زیادہ پیچیدہ تک۔
2. زندہ حیاتیات میں ایک جیسے جسمانی ڈھانچے۔
3. غیر ضروری جسمانی حصوں کی موجودگی۔
4. ایمبریونک نشوونما کا سلسلہ۔
5. زمین پر انواع کی تقسیم۔

زمین پر زندگی کی حیرت انگیز تنوع: آج زمین پر زندگی کی تنوع حیرت انگیز ہے۔ پورے سیارے پر مختلف انواع کی تعداد 10–30 ملین ہونے کا تخمینہ ہے، جن میں سے اب تک 1.9 ملین سے زیادہ انواع کو درجہ بندی اور نام دیا جا چکا ہے۔ کئی

آن لائن ڈیٹا بیس ہیں جہاں قاری ان انواع کو براؤز اور دیکھ سکتا ہے:

1. Catalogue of Life (http://www.catalogueoflife.org)
2. Encyclopedia of Life (http://www.eol.org/)
3. Tree of Life (http://tolweb.org)

یہ انواع خوردبینی بیکٹیریا سے لے کر انٹارکٹیکا میں Lichens تک، چھوٹی اندھی غار کی مچھلیوں سے لے کر نیلی وہیل تک، کیڑے مکوڑوں سے لے کر جانوروں تک ہیں۔ وہ تمام سائز اور شکلوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ متحرک شکاری کے لیے خوشبو کا استعمال کرتے ہیں۔ کچھ کیڑے کے پرؤں کے معمولی کمپن کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ کچھ دنیا کے سمندروں میں تیرتے ہیں یا خود کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کچھ آسمان میں تیرتے ہیں۔ کچھ خود کو زمین میں جڑ دیتے ہیں اور اپنی پوری زندگی ایک ہی جگہ پر رہتے ہیں۔ کچھ اڑتے ہیں، کچھ چلتے ہیں، بہت سے رینگتے ہیں۔ زندگی لامتناہی تنوع اور امتزاج میں رنگوں، جسم کی شکلوں، جسم کی حرکات، نظام ہاضمہ، حسی اعضاء اور دیگر عوامل کے ایک کیلیڈوسکوپ (Kaleidoscope) پر مشتمل ہے۔

انواع: فرد کے علاوہ، زندگی کی سب سے بنیادی گروہ بندی نسل ہے۔ عام طور پر، ہر نسل اپنے مخصوص ماحول میں مہارت رکھتی ہے، جس کے زندہ رہنے کے اپنے مخصوص طریقے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں، اور ہر ایک صرف اس نسل کی جینیاتی حدود کے اندر افزائش نسل کر سکتی ہے تاکہ زرخیز اولاد پیدا ہو سکے۔ ان نایاب صورتوں میں جہاں مختلف انواع کامیابی کے ساتھ افزائش نسل کر سکتی ہیں، انواع ہمیشہ قریب سے متعلق ہوتی ہیں، اور اولاد بانجھ ہوتی ہے (جیسے خچر، گھوڑوں اور گدھوں کی اولاد)۔ لیکن یہ رکاوٹیں کیوں ہیں، اور اتنی تنوع کیوں ہے؟ اسے سمجھنے میں، ہم اپنی نشوونما اور ارتقاء کو سمجھنا شروع کر سکتے ہیں۔

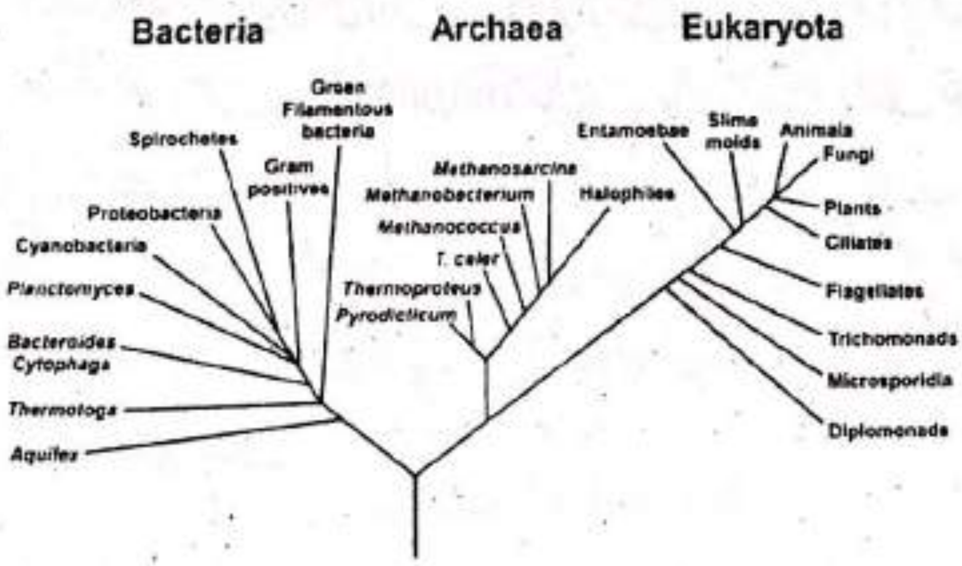
انواع کیوں ہیں؟

صرف پچھلے 150 سالوں میں ہم واقعی یہ سمجھنا شروع کر سکے ہیں کہ انواع کیا ہیں، اور وہ کیوں ہیں۔ اس صورتحال پر غور کریں جس میں کسی خاص علاقے میں اگنے والے پودے کی ایک قسم کئی نسلوں کے دوران آہستہ آہستہ اپنے بیرونی ماحول کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ اب، فرض کریں کہ ٹیکٹونک سرگرمی کا ایک واقعہ پیش آتا ہے، اور اس زمین کی تزئین کے بیچ میں ایک پہاڑی سلسلہ ابھرتا ہے — زمین پر زندگی کی تاریخ میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں۔ پودوں کی آبادی دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ پہاڑی سلسلے کے ایک طرف دوسری طرف سے زیادہ بارش اور سورج کی روشنی ہو سکتی ہے، اس لیے اس طرف پودوں کی آبادی گرم، مرطوب حالات کے حق میں اپنے ارتقائی راستے پر چلے گی۔ آبادی کا دوسرا نصف کم بارش اور سورج والے علاقے میں واقع ہو سکتا ہے، اور ٹھنڈے، خشک حالات کے حق میں اپنے ارتقائی راستے پر چلے گا۔
علیحدگی کا نتیجہ: علیحدگی کی کافی لمبی مدت دی جائے تو، پودوں کی دو آبادیوں میں اب افزائش نسل نہیں ہو سکے گی۔ یعنی، اگر وہ بالکل اولاد پیدا کرتے ہیں تو بھی، کراس (Cross) اب زرخیز اولاد پیدا نہیں کر سکیں گے۔ قابل مشاہدہ تبدیلیاں بھی ہوں گی۔ ایک ہزار سال بعد، دو آبادی تھوڑی مختلف نظر آسکتی ہیں۔ مزید 100,000 سال دیے جائیں تو وہ بالکل مختلف نظر آ سکتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنے نئے ماحول کے مطابق ڈھال لیا ہے، اور تبدیلیاں اتنی وسیع ہو چکی ہیں کہ جین اب صحیح طریقے سے مماثل نہیں ہو سکتے۔ جب کہ ان کا ایک مشترکہ جد امجد ہے، دونوں انواع اب مکمل طور پر الگ ہیں۔

انواع کی کثرت: ہمارے سیارے کی زبردست عمر اور اس دوران ہونے والی بہت سی ٹیکٹونک اور آب وہوا کی تبدیلیوں نے تقسیم در تقسیم کا سبب بنی، جس کے بعد جانوروں اور پودوں کی علیحدہ آبادیوں نے اپنے الگ الگ جینیاتی راستوں پر چلنا جاری رکھا، جو بار بار شاخیں بناتی رہیں، جس کے نتیجے میں انواع کی کثرت پیدا ہوئی جو ہم آج دیکھتے ہیں۔ راستے میں، کچھ انواع ناکام ہو گئیں اور معدوم ہو گئیں۔ کافی وقت دیا جائے تو، تقریباً سبھی ایسا کرتے ہیں۔ اکثر، متعلقہ انواع کے مشترکہ جد امجد اتنے پیچھے وقت میں رہتے ہیں کہ اس کے بہت کم یا کوئی شواہد نہیں رہتے ہیں — سوائے شاید ایک یا دو فوسل کے، اگر پودے یا جانور کے سخت حصے ہوں، یا وہ کسی خاص طور پر محفوظ ماحول میں مر گیا ہو۔

زندگی کا عظیم درخت: زندگی کی مختلف اقسام کو ایک درخت پر شاخوں اور پتوں کے طور پر دکھانا ممکن ہے، جس میں مختلف شاخیں انواع اور اقسام کے درمیان تقسیم کو ظاہر کرتی ہیں۔ DNA اور فوسل شواہد کے بارے میں اپنے علم کا

Phylogenetic Tree of Life



استعمال کرتے ہوئے، ہم زندگی کا ایک بہت بڑا درخت بنانے کے قابل ہو گئے ہیں، یہ سب ان پہلے چند جرثوموں سے شروع ہوتا ہے۔

ارتقاء کا محرک کیا ہے؟

جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، زندگی ان حالات کے مطابق ڈھل جاتی ہے جن میں وہ خود کو پاتی ہے—یا مر جاتی ہے۔ چارلس ڈاروِن سب سے پہلے یہ تجویز کرنے والے تھے کہ موجودہ انواع قدرتی انتخاب کے نتیجے میں مشترکہ نسب سے پیدا ہوئی ہیں۔ قدرتی انتخاب وہ عمل ہے جس کے ذریعے دوسروں پر فوائد کے ساتھ کچھ خاصیتیں آبادی میں بعض افراد کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ کامیابی سے افزائش نسل کی اجازت دیتی ہیں۔ وقت کے ساتھ، ان کی اولاد سب سے زیادہ ہو جاتی ہے، اور یہ خصوصیت پوری نسل میں پھیل جاتی ہے۔ اگر کوئی نیا شکاری دوسروں سے زیادہ تیز ہے، اور ہرنوں کا شکار کرتا ہے (مثال کے طور پر)، تو وقت کے ساتھ تمام سست ہرن پکڑے اور مارے جائیں گے۔ سست ہرن مرنے سے پہلے تیز ہرنوں کی طرح زیادہ اولاد پیدا نہیں کریں گے۔ بالآخر، ہرنوں کی پوری آبادی اپنے آباؤاجداد سے نمایاں طور پر تیز ہو جائے گی۔ اس صورت میں، قدرتی انتخاب نے سست روی کے جین کو ختم کر دیا ہے۔

قدرتی انتخاب کی حالیہ مثالیں: انسانوں نے قدرتی انتخاب کی بہت سی حالیہ مثالیں دیکھی ہیں۔ سب سے مشہور مثالوں میں سے ایک انگلینڈ کا چھوٹا سا Peppered کیڑا ہے۔ اصل میں Peppered کیڑوں کی اکثریت ہلکے رنگ کی تھی، تاکہ وہ ہلکے رنگ کے درختوں اور Lichens کے خلاف خود کو چھپا سکیں جن پر وہ آرام کر رہے تھے۔ تاہم، صنعتی انقلاب کے آغاز کے ساتھ، زیادہ تر Lichens مر گئے اور درخت کاجل سے سیاہ ہو گئے۔ ہلکے

رنگ کے کیڑے اب چھپے نہیں تھے، اور پرندوں کا آسان شکار بن گئے۔ لیکن قدرتی انتخاب کھیل میں آگیا، اور چند دہائیوں کے اندر زیادہ تر Peppered کیڑوں کی آبادی گہرے رنگ کی ہو گئی۔ سفید کیڑے ختم ہو گئے تھے۔

سفید کیڑے ختم ہو گئے: سفید کیڑے سیاہ کیڑے سے زیادہ تعداد میں پکڑے اور کھائے گئے، جبکہ گہرے رنگ والے کیڑے افزائش نسل کے لیے زندہ رہے۔ ہلکے رنگ کے جین غیر فعال ہو گئے، اور گہرے رنگ کے جین غالب ہو گئے۔ اب جب کہ انگریزی زمین کی تزئین اب کاجل سے ڈھکی نہیں ہے، ایسا لگتا ہے کہ یہ عمل خود کو الٹ رہا ہے۔

ارتقاء کے شواہد کی فہرست: اب ارتقاء کے لیے ہمارے شواہد کی فہرست میں شامل ہیں:

1. مسلسل ارضیاتی تہوں میں فوسلز کی موجودگی، سادہ زندگی سے زیادہ پیچیدہ تک۔
2. زندہ حیاتیات میں ایک جیسے جسمانی ڈھانچے۔
3. غیر ضروری جسمانی حصوں کی موجودگی۔
4. ایمبریونک نشوونما کا سلسلہ۔
5. زمین پر انواع کی تقسیم۔
6. زندگی کا فائیلوجنیٹک (Phylogenetic) درخت
7. قدرتی انتخاب

قدرتی انتخاب کی جینیاتی بنیاد:

قدرتی انتخاب کی جینیاتی بنیاد کے بارے میں ہماری سمجھ بشریت کی عظیم

ترین دریافتوں میں سے ایک بن گئی ہے۔ یہ زندگی کی عظیم کہانی ہے، اور ہم کیسے وجود میں آئے۔ پہلا ثبوت راہب گریگور مینڈل نے دریافت کیا، جس نے اپنے خانقاہ میں مٹر کے ساتھ تجربات کی ایک طویل سیریز شروع کی۔ مینڈل نے محسوس کیا کہ بہت سی انواع میں کچھ خاصیتیں والدین سے اولاد میں منتقل ہوتی ہیں۔ وہ سمجھنا چاہتا تھا کہ ایسا کیسے ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے تجربات کے لیے اس نے مٹر کے پودوں کا استعمال کرنا چنا، جو اگانے میں آسان ہیں، جن کی نسلیں مختصر ہوتی ہیں، اور جن میں واضح خصوصیات ہوتی ہیں۔ اس نے سات واضح خصوصیات والے بیج منتخب کیے۔ ان میں شامل ہیں، دیگر چیزوں کے علاوہ:

- گول اور جھرری دار بیجوں کی شکلیں۔
- بیجوں کے پیلے اور سبز رنگ۔
- سبز اور پیلے رنگ کی پھلیاں۔

مینڈل کے تجربات: کوئی یہ توقع کر سکتا ہے کہ سبز اور پیلے رنگ کی پھلیوں والے پودوں کو ملا کر، نتیجہ پیلے سبز رنگ کی پھلیوں والا پودا نکلے گا۔ تاہم، نتائج زیادہ واضح اور چونکا دینے والے ہیں۔ مینڈل کے تجربے سے پتہ چلا کہ سبز پھلیوں والے پودے اور پیلے رنگ کی پھلیوں والے پودے کے درمیان ملاپ سے پہلی نسل میں صرف سبز پھلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تاہم، دوسری نسل کے پودوں میں تقریباً ایک چوتھائی میں پیلے رنگ کی پھلیاں نمودار ہوتی ہیں۔

مینڈل کے نتائج: آخر کار، مینڈل مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے:

- مٹر کے پودوں کی ہر مخصوص خصوصیت ایک اکائی ہے جو اولاد میں منتقل ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، خالص سبز پھلیوں والا پودا اپنے تمام بیجوں

میں سبز پھلی کی اکائی منتقل کرتا ہے، اور خالص پیلے رنگ کی پھلیوں والا پودا صرف پیلے رنگ کی پھلی کی اکائی منتقل کرتا ہے۔

- اگر ہم سبز پھلیوں والے مٹر کے پودوں کو پیلے رنگ کی پھلیوں والے مٹر کے پودوں کے ساتھ کراس فرٹیلائز (Cross Fertilize) کرتے ہیں، تو نئے بیجوں کو پھلی کے رنگ کے لیے پیلی اکائی اور سبز اکائی دونوں ملتی ہیں۔ تاہم، سبز اکائی پیلی اکائی سے زیادہ مضبوط (زیادہ غالب) ہے، اور اس طرح نیا بیج، اگرچہ اس میں سبز اور پیلے رنگ کی پھلی کی اکائیاں دونوں ہیں، سبز پھلیوں والا پودا پیدا کرتا ہے۔
- اگر اس نئے پودے کو اسی قسم کے دوسرے پودے (یعنی، جس میں سبز اور پیلے رنگ کی پھلی کی اکائیاں بھی ہیں) کے ساتھ کراس فرٹیلائز (Cross Fertilize) کیا جاتا ہے تو دونوں میں سے کوئی بھی والدین اپنی اولاد میں سبز یا پیلے رنگ کی پھلی کی اکائی منتقل کر سکتا ہے، لیکن دونوں نہیں۔
- دوسری نسل میں، پیلے رنگ کی پھلیاں والے پودے صرف ان صورتوں میں ہوتے ہیں جن میں دونوں والدین نے اتفاق سے پیلے رنگ کی پھلی کی اکائی منتقل کی ہو، جو 25 فیصد وقت ہوتی ہے۔

جینز: آج ہم ان "اکائیوں" کو جینز سمجھتے ہیں۔ جینز ہمیشہ جوڑوں میں آتے ہیں، ہر والدین سے ایک وراثت میں ملتا ہے۔ مثال کے طور پر، میری آنکھیں نیلی ہیں، کیونکہ مجھے اپنی ماں سے نیلی آنکھوں والا جین اور اپنے والد سے نیلی آنکھوں والا جین ملا ہے۔ اگر میری شادی بھوری آنکھوں والی کسی سے ہو جائے تو میرے بچوں کو مجھ سے نیلی آنکھوں والا جین اور میری بیوی سے بھوری آنکھوں والا جین ملے گا۔ بھوری آنکھوں والا جین غالب ہے۔ لہٰذا

یہ فرض کرتے ہوئے کہ میری بیوی کے پاس دو بھوری آنکھوں والے جین ہیں، اگرچہ میرے بچے کے پاس نیلی اور بھوری آنکھوں والے جین دونوں ہیں، لیکن ان کی آنکھیں بھوری ہوں گی۔

جینز اور ایلیلز: پریز (Prionsاور وائرس) جو شاید صرف Quasi-Living ہوں کے علاوہ، تمام جاندار خلیوں سے بنے ہیں، اور ان خلیوں کے اندر ہمیں ایک نیوکلئس ملتا ہے جس میں تار دار، ہیلیکل (Helical) ریشے ہوتے ہیں جن میں کیمیائی بندھن ہوتے ہیں جو عام عناصر کاربن، ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن، سلفر اور فاسفورس کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔ اس کیمیکل کوڈیوکسائریبونوکلک ایسڈ (Deoxyribonucleic Acid) یا DNA کہتے ہیں۔ یہ تار دار ریشے خود کروموسوم (Chromosomes) کہلاتے ہیں۔ بنیادی طور پر، کروموسوم جینز کی زنجیریں ہیں جن میں پروٹین بنانے کی ہدایات ہوتی ہیں۔ یہ پروٹین ہمارے بالوں، آنکھوں، خون اور ہمارے جسم میں ہر چیز کے لیے اینٹیں ہیں۔ یہ تعمیراتی ہدایات، جینز، ایلیلز نامی مختلف حالتوں کے ساتھ آتی ہیں۔ مثال کے طور پر، ہم سب کے بالوں کے رنگ کے لیے ایک جیسے جینز ہیں، لیکن ہمارے جینز بالکل ایک جیسے نہیں ہیں۔ اور اس طرح میرے جین کا مجموعہ میرے بالوں کو بھورا بناتا ہے، جبکہ کسی دوسرے شخص کے جین اس کے بالوں کو سیاہ بناسکتے ہیں۔

جین پول: ہر شخص کے پاس ہر جین کی دو کاپیاں ہوتی ہیں، ہر والدین سے ایک وراثت میں ملی ہے۔ اور انسانوں کے پاس 20,000-25,000 جین جوڑے ہونے کا تخمینہ ہے جو یہ طے کرتے ہیں کہ ہم کیسے نظر آئیں گے، ہمارا کچھ رویہ، ہماری ایتھلیٹک صلاحیت وغیرہ۔ کوئی بھی انسانیت کے لیے پورے

جین پول نہیں رکھتا ہے۔ جین پول تمام جینز اور جینز کے مجموعوں کی کل تعداد ہے جو کسی نسل میں ہو سکتے ہیں۔ جین پول جتنا بڑا ہو گا اور جتنی زیادہ قسم ہو گی، ماحولیاتی حالات بدلنے پر موافقت کے ہونے کے اتنے ہی زیادہ مواقع ہوں گے۔ جیسا کہ ہم نے Peppered کیڑے کے ساتھ دیکھا ہے، ایک Recessive گہرے رنگ والے جین کی موجودگی نے صنعتی انقلاب کے کاجل والے دنوں میں اس کی کامیابی کو یقینی بنایا۔ اور بعد میں، Peppered کیڑے کے جین پول میں ایک زندہ بچ جانے والے ہلکے رنگ والے جین کی موجودگی نے نسل کی اچھی طرح خدمت کی کیونکہ انگلینڈ دوبارہ صاف ہو گیا۔

انسانی آبادی میں جینز: مجموعی انسانی آبادی (اس تحریر کے مطابق تقریباً 7 بلین افراد) مختلف جینز اور جینز کے مجموعوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان جینز کے نتیجے میں ہم میں سے کچھ کا قد چھوٹا ہوتا ہے، جبکہ دوسرے لمبے یا تیز ہوتے ہیں، کچھ جارحانہ ہوتے ہیں، کچھ اپنے ہاتھوں سے اچھے ہوتے ہیں، اور دوسرے شاندار فن تیار کر سکتے ہیں۔ ہم سب ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن انفرادی سطح پر ہمارے پاس موجود مخصوص جینز کی وجہ سے لطیف اختلافات ہیں۔

جین کے انتخاب کی مشق: کاشتکار ہزاروں سالوں سے اپنی فصلوں اور پالتو جانوروں پر جین کے انتخاب کی مشق کر رہے ہیں، حالانکہ یہ قدرتی انتخاب کے بجائے مصنوعی انتخاب کی نمائندگی کرتا ہے۔ مکئی لگانے والا کاشتکار اگلے سال لگانے کے لیے صرف ان پودوں کے بیج استعمال کرے گا جو سرسبز پودوں اور بڑے Cobs پیدا کرتے ہیں، ان خصوصیات کو پیدا کرنے والے جینز کا

نادانستہ طور پر انتخاب کرتے ہیں۔ اس سے ان جینز کو نسل میں غالب ہونے میں مدد ملی۔ بالآخر، چھوٹے Cobs کے جینز جین پول سے مکمل طور پر ختم ہو گئے۔ اس طرح کی مشقوں سے ہمارے آباؤ اجداد، بغیر جانے، آہستہ آہستہ آج کی فصلیں پیدا کرنے کے لیے جنگلی بیجوں کو پالتے تھے، اور بھیڑیا کتے میں کیسے تبدیل ہوا۔ کیونکہ لوگوں نے مخصوص خصوصیات والے کتے کے بچوں کو پالنے اور افزائش نسل کے لیے منتخب کیا۔

اینٹی بائیو ٹکس کے جواب میں تیز رفتار ارتقاء: آج ہم اینٹی بائیو ٹکس کے ہمارے استعمال کے جواب میں خورد بینی زندگی میں تیز رفتار ارتقاء کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اینٹی بائیو ٹکس اور مزاحمت: اینٹی بائیو ٹکس نقصان دہ بیکٹیریا کو مارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اور ہمارے طبی ہتھیاروں میں بہت اہم ہتھیار بن گئے ہیں۔ لیکن کچھ اینٹی بائیو ٹکس جیسے پینسلن اپنی اصل کے مقابلے میں بہت کم مؤثر ہو گئے ہیں، کیونکہ مخصوص بیکٹیریا اپنی بہت مختصر نسلوں کے ہزاروں میں ان اینٹی بائیو ٹکس کے خلاف مزاحم بننے کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ ایک اینٹی بائیوٹک تمام بیکٹیریا کا 99.9% مار سکتا ہے، لیکن اگر 10,000 میں سے صرف ایک بیکٹیریا میں بے ترتیب جین اتپریورتن ہوا ہے جو اسے اینٹی بائیوٹک کے خلاف مزاحم بناتا ہے، تو یہ کامیابی سے افزائش نسل کے لیے زندہ رہے گا، جیسا کہ اس کی اولاد بھی۔ بالآخر، اس بیکٹیریا کی نسل کے تمام افراد اینٹی بائیوٹک کے خلاف مزاحم ہو جائیں گے۔ فٹ ترین کی بقا نے مخصوص بیکٹیریا کا ایک نیا تناؤ پیدا کیا ہے۔

ڈی این اے اور جینز کا تجزیہ:

چونکہ اب ہمارے پاس تمام حیاتیات کے ڈی این اے اور جینز کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت ہے، اس لیے ہم کئی نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ تمام جانداروں میں در حقیقت ڈی این اے اور جینز ہوتے ہیں۔ تمام—بشمول بیکٹیریا، مکھیاں، درخت، شیر اور انسان—ایک ہی بنیادی تعمیراتی بلاکس استعمال کرتے ہیں۔ در حقیقت، کسی حیاتیات کا ڈی این اے کا ایک بڑا حصہ زمین پر ہر دوسرے جاندار میں موجود ڈی این اے سے مماثل ہے، چاہے کسی بھی قسم کے حیاتیات کا معائنہ کیا جائے۔ یہ حتمی طور پر ظاہر کرتا ہے کہ تمام جاندار انواع ایک مشترکہ اصل سے نکلی ہیں۔ زندگی بہت سادہ شروع ہوئی، پھر ترقی کی اور مختلف زندگی کی شکلوں میں شاخیں نکلیں جو ہم آج دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ آپ کو ناممکن لگتا ہے، تو اس ناقابل یقین وقت کی گہرائی کو یاد رکھیں جس سے زندگی نے ناممکن کو ہونے دیا ہے: تقریباً چار بلین سال۔

جین تبدیلی کے پیچھے محرک قوت: جین کی تبدیلی کے پیچھے اہم محرک قوت اتپریورتن ہے—بے ترتیب کاپی کرنے والی غلطیاں جو مختلف عوامل کی وجہ سے ہوتی ہیں، بشمول سورج اور تابکار مواد سے تابکاری کا سامنا، بعض کیمیکلز کا سامنا، اور خلیے کی تقسیم کے دوران غلطیاں۔ آپ کے پاس ایک جین ہے جو آپ کے بالوں کو ایک مخصوص انداز میں بناتا ہے، لیکن آپ کے خلیوں کی افزائش کے طور پر اس جین میں ایک چھوٹا سا اتپریورتن اسے تھوڑے سے مختلف انداز میں بننے کا سبب بن سکتا ہے—مثال کے طور پر، تاکہ یہ سرخ

بال پیدا کرے۔ اگر آپ کے سپرم یا انڈے کے خلیوں میں اتپریورتن ہوتا ہے، تو یہ اگلی نسل کو منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر اتپریورتن فائدہ مند ہے یا کم از کم نتیجہ میں غیر جانبدار ہے، تو یہ جلد ہی پوری آبادی میں کافی عام ہو سکتا ہے۔ تاہم، زیادہ تر، اتپریورتن ہمیں مار دیتے ہیں یا صحت کے شدید مسائل کا باعث بنتے ہیں۔

سیسٹک فائبروسس: انسانوں میں ایک خطرناک اتپریورتن کی ایک مثال وہ ہے جو ایک جین پر ہوتی ہے جو پسینے، ہاضمے کے جوس اور بلغم کے اجزاء کو منظم کرتی ہے۔ اتپریورتن کے نتیجے میں سیسٹک فائبروسس ہوتا ہے، جو دیگر چیزوں کے علاوہ، بلغم کے جمع ہونے کی وجہ سے کسی کے ایئرویز کو بند کر سکتا ہے۔ اس Mutated جین والوں کے لیے زندگی تکلیف دہ ہے، اور وہ صحت کے مسائل سے دوچار ہیں۔ یہ غریب متاثرہ شخص کی غلطی نہیں ہے، بلکہ ایک بے ترتیب اتپریورتن کا نتیجہ ہے۔ یورپی نسل کے تقریباً 25 میں سے ایک شخص میں سیسٹک فائبروسس کا ایک جین ہوتا ہے۔ انسانی تاریخ میں کہیں، کئی دسیوں ہزار سال پہلے، یورپی آبادی میں اس جین پر ایک اتپریورتن ہوا۔ یہ منتقل ہوا، اور اب انسانی جین پول میں کافی عام ہے۔

فائدہ مند جینیاتی اتپریورتن: بہت کم ہی، ایک جینیاتی اتپریورتن فائدہ مند ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ ایک اتپریورتن تھا جس کی وجہ سے Peppered کیڑے میں پہلی جگہ میں گہرے رنگ پیدا کرنے کا جین تھا۔ جیسے جیسے کیڑے آپس میں ملتے گئے، یہ جین آہستہ آہستہ آبادی میں پھیلتا گیا۔ بعد میں، جیسے جیسے شکاریوں کے لیے ہلکے رنگ کے کیڑوں کو دیکھنا اور ان کا شکار کرنا آسان ہوتا گیا، صرف گہرے رنگ والے ہی افزائش نسل کے

لیے زندہ رہے۔ ہلکا رنگ اب بھی کبھی کبھار ہوتا تھا، لیکن Recessive ہو گیا، کیونکہ افزائش نسل ہونے سے پہلے سفید رنگ موت کا ترجمہ کرتا تھا۔ اب ہلکا رنگ واپسی کر رہا ہے کیونکہ گہرے رنگ کے کیڑوں کو دوبارہ دیکھنا آسان ہو گیا ہے۔

آب وہوا کی تبدیلی اور ارتقاء: شدید آب وہوا کی تبدیلی کی صورت میں بہت زیادہ سرد موسم میں، وہ جانور جن کے پاس لمبے بالوں یا زیادہ جسمانی چربی کے لیے Mutated جین ہوتا ہے، ان کے زندہ رہنے اور افزائش نسل کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ چونکہ انواع کے صرف یہ ارکان ہی آسانی سے زندہ رہ سکتے ہیں، اس لیے پوری آبادی آہستہ آہستہ لمبے بالوں کے ساتھ تیار ہوتی ہے۔

پودوں کی آبادی کا ارتقاء: یہ اس بات کی وضاحت کرنے میں بھی مدد کرتا ہے کہ پودوں کی ہماری اصل آبادی، جو اب پہاڑی سلسلے کے مخالف سمتوں میں بڑھ رہی ہے، ایک دوسرے سے مختلف کیوں ہو گئی ہے۔ خشک پہلو والے پودے کے لیے، ایک Mutated جین نے ایک موٹی جلد پیدا کی جو خشک اوقات میں ایک فائدہ فراہم کرتی تھی، کیونکہ یہ نمی کو زیادہ دیر تک برقرار رکھ سکتی تھی۔ آہستہ آہستہ، اس پوری آبادی نے موٹی کھالیں تیار کیں۔ پہاڑ کے دوسری طرف پودوں کو اس جین کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جین پول میں کہیں ایک جین اتپریورتن تھا جس نے بعض پودوں کی جڑوں کو بہت زیادہ مرطوب حالات میں زندہ رہنے کے قابل بنایا، اور اس طرح اس پودے کی آبادی کے جڑ کے نظام وقت کے ساتھ ساتھ بدل گئے۔ پودوں کی دو آبادیوں کے درمیان جینیاتی اختلافات جمع ہوتے رہے —

یہاں تک کہ انواع دو حصوں میں بٹ گئیں، جس سے زندگی کے درخت پر ایک اور شاخ بن گئی۔

زندگی کا ارتقاء: اس علم کا استعمال کرتے ہوئے کہ ایسی شاخیں جدید دنیا میں بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں — اور مختلف انواع کے ڈی این اے کے ساتھ ساتھ فوسل ریکارڈ کو غور سے دیکھ کر — ہم بعض اوقات کسی بھی دو انواع کے قریب ترین مشترکہ جد امجد کی شناخت کے لیے وقت میں پیچھے کی طرف کام کر سکتے ہیں۔ سائنس اب جانتی ہے کہ زمین پر زندگی کیسے ارتقاپذیر ہوئی۔ یہ بے ترتیب اتپریورتن کا ایک عمل ہے جو کسی نسل میں نئی خصوصیات پیدا کرتا ہے۔ اگر یہ خصوصیات فائدہ مند یا غیر جانبدار ہیں، تو وہ منتقل ہو جاتی ہیں اور غالب ہو سکتی ہیں۔ انسان اور دنیا کے تمام جانوروں کی کوئی اچانک تخلیق نہیں ہوئی تھی، اور ڈی این اے ہمیں یہ بتاتا ہے۔ اگر کچھ ہے تو، تخلیق مسلسل ہے، اور اس اثر کے ساتھ کسی خدا کو کریڈٹ دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

ڈی این اے اور جینز میں مزید سراغ: لیکن اگر ہم ڈی این اے اور جینز پر گہری نظر ڈالیں تو ہمیں اور کیا مل سکتا ہے؟ کیا ہم اپنی ارتقائی نشوونما کے مزید سراغ تلاش کر سکتے ہیں؟ کیا ہم تمام انواع کے ذریعے مشترکہ جینز تلاش کر سکتے ہیں، یا وہ جینز جو اب بھی ہمارے ڈی این اے میں موجود ہیں لیکن اب کسی مقصد کے لیے کام نہیں کر رہے ہیں؟ در حقیقت ہم کر سکتے ہیں، اور یہ ہمارے حادثاتی ارتقائی اصل کا ایک اور ثبوت ہے۔

انسانی جینوم کا نقشہ: 2003ء میں، انسانی جینوم کا مکمل طور پر نقشہ بنایا گیا تھا۔ ہم نے اپنے ڈی این اے کا دوسرے جانوروں سے موازنہ کرتے ہوئے اپنے

قریب ترین انواع کی تلاش شروع کی۔ موازنہ کرنے سے پتہ چلا کہ چمپینزی انسانیت کا قریب ترین زندہ رشتہ دار ہے، جس میں دونوں انواع کے درمیان 94% سے زیادہ ڈی این اے ایک جیسا ہے (اور کچھ اندازوں کے مطابق، 97% سے زیادہ)۔ یہ ان لوگوں کے لیے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جنہوں نے تقابلی فزیالوجی کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا ہے۔ اب ہم اندازہ لگاتے ہیں کہ ہمارا مشترکہ جد امجد تقریباً 7 ملین سال پہلے موجود تھا، جس کے بعد پہلا انسانی جد امجد غالباً جینس آسٹر الوپیتھیکس (Genus Australopithecus) ایک ارتقائی راستے پر چلا گیا، اور آباؤ اجداد چمپینزی دوسرے راستے پر چلے گئے۔

چمپینزی اور انسانوں میں مشترکہ جین: چمپینزی اور انسانوں میں مشترکہ جین کی ایک مثال وہ ہے جو پروٹین مالیکیول سائٹوکوم سی (Cytochrome C) کا خاکہ فراہم کرتا ہے، جو خلیوں کے اندر سانس لینے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ ایک پیچیدہ مالیکیول ہے جس میں 104 امینو ایسڈ ہوتے ہیں جو صحیح طریقے سے کام کرنے کے لیے ایک مخصوص ترتیب میں ہونے چاہئیں۔ ہم چمپینزی اور انسان دونوں میں بالکل وہی پروٹین مالیکیول پاتے ہیں۔ اگر ہم ریسس (Rhesus) بندر کا معائنہ کریں، جو زندگی کے درخت میں انسانی انواع سے دور ہے، تو سائٹوکوم سی مالیکیول ایک امینو ایسڈ سے مختلف ہے۔ گھوڑے کے لیے، فرق 11 امینو ایسڈ کا ہے۔ اور ایک ٹونا (Tuna) کے لیے، 21 اضافی امینو ایسڈ۔

کیا ہم اپنے ڈی این اے کے ذریعے زمین پر تمام زندگی کے پہلے مشترکہ جد امجد تک واپس جاسکتے ہیں؟

یہ ایک سوال پیدا کرتا ہے: اگر ہم ایسا کر سکتے ہیں، تو کیا ہم اپنے ڈی این اے کے ذریعے زمین پر تمام زندگی کے پہلے مشترکہ جد امجد تک واپس جا سکتے ہیں؟ کیا اس بہت قدیم جد امجد کی ابھی بھی کچھ باقیات باقی ہیں؟ اور ہاں، ہم اس کی باقیات اپنے ڈی این اے میں پاتے ہیں۔ وہ عمل جس کے ذریعے نیوکلیئر ڈی این اے میں موجود معلومات پروٹین تک پہنچائی جاتی ہیں وہ تمام حیاتیات کے لیے یکساں ہے۔ ایک ایسا عمل جو اربوں سال پہلے پہلے جانداروں میں تیار ہوا تھا اب بھی استعمال ہو رہا ہے، اور تمام جانداروں کے لیے عام ہے — چاہے وہ جرثومہ ہو، پودا ہو، مچھلی ہو، پرندہ ہو، ممالیہ ہو یا انسان۔ دوسرے عام عمل وہ ہیں جو توانائی اور خلیے کے اجزاء پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

غیر فعال جینز: ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے موجودہ جینز غیر فعال ہیں، کم از کم جہاں تک ہم بتا سکتے ہیں۔ در حقیقت، انسانی جینوم کا 50% تک "Junk DNA" یا انٹرنز "Introns" سمجھا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ پروٹین کوڈنگ کے عمل میں خلل ڈالنے کے سوا کچھ نہیں کرتے ہیں۔ کچھ "پیریڈز" ہو سکتے ہیں تاکہ ایک خاص عمل کو بتایا جا سکے کہ کب رکنا ہے۔ تاہم، کچھ سیڈوجینز (Pseudogenes) ہیں، جو ایسے جینز ہیں جو ہمارے قدیم ماضی میں کچھ کام انجام دیتے تھے لیکن اب کسی چیز کے لیے کوڈ نہیں کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہم انسانوں میں وٹامن سی بنانے والے جین کی تقریباً مکمل باقیات ہیں۔ جین موجود ہے، لیکن جیسا کہ یہ موجود ہے، غیر فعال ہے۔ اگر یہ کام کرتا ہے، تو ہماری انواع کو دوبارہ کبھی بھی وٹامن سی کی کمی کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی — یعنی سکروی (Scurvy)

ایک ایسی بیماری جس کا اکثر ملاحوں کو اس وقت تک سامنا کرنا پڑتا تھا جب تک کہ یہ احساس نہیں ہو جاتا تھا کہ کبھی کبھار کچھ کھٹے پھل اس بیماری کو روک سکتے ہیں، جو مہلک ہو سکتی ہے۔ اس لیے برطانوی ملاحوں کے لیے لیمیز "Limeys" اصطلاح ہے۔

غیر فعال وٹامن سی جین: غیر فعال وٹامن سی جین تمام پریمیٹس (Primates) کے لیے عام ہے، ارتقائی لکیر جس سے انسان نکلتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تقریباً 63 ملین سال پہلے، ایک مشترکہ جد امجد میں اتپریورتن کی وجہ سے کوڈنگ ٹوٹ گئی — اور جین کی صلاحیت اس کی تمام اولادوں سے کھو گئی، بشمول ہم۔ یہ نقصان وٹامن سی سے بھرپور غذا کے جواب میں ہوا ہو گا، جس نے جین کی ضرورت کو ختم کر دیا۔ جب اتپریورتن ہوا، تو اس کے نتائج سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس لیے یہ مسئلہ ارتقاء کے ذریعے کبھی بھی "حل" نہیں ہوا۔

ڈالفن میں غیر فعال جینز: اسی طرح، ڈالفن میں ہمیں ایسے جینز ملتے ہیں جو انہیں سونگھنے کے احساس کو استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن وہ جینز اب فعال نہیں ہیں۔ کچھ دور دراز سیٹاسین (Cetacean) جد امجد نے شاید جین کا کام کھو دیا ہو، جو اس لیے اہم نہیں تھا کیونکہ سمندر میں یہ حس زیادہ تر غیر استعمال شدہ رہ گئی تھی۔

مائٹوکونڈریا(Mitochondria): تمام جانداروں بیکٹیریا اور آثار قدیمہ کے علاوہ کے خلیوں کے اندر ہمیں مائٹوکونڈریا نامی ذیلی اکائیاں بھی ملتی ہیں۔ مائٹوکونڈریا خلیے کے استعمال کے لیے توانائی پیدا کر کے ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ ان کا اپنا ڈی این اے ہے، جو

والدین کے حیاتیات سے مختلف ہے۔ مائٹوکونڈریا تقریباً خلیے کے اندر موجود غیر ملکی اجسام لگتے ہیں، اور در حقیقت یہ ان کی ارتقائی اصل ہو سکتی ہے۔ اس بات کے مضبوط شواہد موجود ہیں کہ زمین پر ابتدائی زندگی کے دوران، مائٹوکونڈریا کو سادہ، آزادانہ طور پر رہنے والے خلیوں میں جذب کیا گیا تھا۔ چونکہ مائٹوکونڈریا نے خلیوں کے لیے توانائی فراہم کی، اس لیے مائٹوکونڈریا اور وہ خلیے جنہوں نے انہیں کھانے کی کوشش کی تھی، نے ایک ایسا تعلق پیدا کیا جو آج بھی جاری ہے۔

مائٹوکونڈریل (Mitochondrial) ڈی این اے: مائٹوکونڈریل ڈی این اے صرف ماں سے وراثت میں ملتا ہے، اور اسے تبدیل ہونے میں بہت وقت لگتا ہے۔ لیکن ہم مائٹوکونڈریل کوڈ میں اتپریورتن دیکھتے ہیں۔ اور جب ایسا اتپریورتن ہوتا ہے، تو یہ منتقل ہو جاتا ہے اور آبادی میں پھیل جاتا ہے اگر یہ غیر جانبدار یا فائدہ مند ہو۔ لہٰذا، ہم دو زندہ افراد کو لے سکتے ہیں اور ان کے مائٹوکونڈریل ڈی این اے کا تجزیہ کر سکتے ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ وہ کتنے قریب سے متعلق ہیں۔ اگر یہ بالکل ایک جیسا ہے، تو نسبتاً حالیہ ماضی میں ان کا ایک مشترکہ مادہ جد امجد ہے۔ مائٹوکونڈریل ڈی این اے میں خاص اتپریورتن کی تلاش کر کے، لوگوں کو مشترکہ آباؤ اجداد "ماؤں" والے گروہوں میں تقسیم کرنا ممکن ہے۔ مائٹوکونڈریل ڈی این اے اتپریورتن ایسی شکلوں میں ہوتے دکھائی دیتے ہیں جو تقریباً 3,500 سالوں میں ایک بار منتقل ہو سکتے ہیں۔

مائٹوکونڈریل ایو (Mitochondrial Eve): اس معلومات کا استعمال کرتے ہوئے، یہ حساب لگایا گیا ہے کہ تمام جدید انسان تقریباً 200,000 سال پہلے رہنے

والی ایک مائٹوکونڈریل ایو سے پیدا ہوئے ہیں۔ اب، براہ کرم نوٹ کریں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ 200,000 سال پہلے صرف ایک ہی مادہ انسان زندہ تھی۔ ہمارا مشترکہ انسانی جد امجد صرف وہ تھا جس کی جینیاتی استعداد سب سے مضبوط تھی اور اس لیے اس نے انسانی جینوم کو کنٹرول کرنے کے لیے "جینیاتی جنگ" جیتی۔ بالآخر، صرف اس کی اولاد زندہ رہی اور غالب رہی۔

ارتقاء کے شواہد کی فہرست: اب ہم ارتقاء کے لیے مزید شواہد شامل کر سکتے ہیں، تاکہ ہماری فہرست میں شامل ہوں:

1. مسلسل ارضیاتی تہوں میں فوسلز کی موجودگی، سادہ زندگی سے زیادہ پیچیدہ تک۔
2. زندہ حیاتیات میں ایک جیسے جسمانی ڈھانچے۔
3. غیر ضروری جسمانی حصوں کی موجودگی۔
4. ایمبریونک نشوونما کا سلسلہ۔
5. زمین پر انواع کی تقسیم۔
6. زندگی کا فائیلوجینیٹک (Phylogenetic) درخت۔
7. قدرتی انتخاب۔
8. تمام جانداروں میں ڈی این اے کی موجودگی اور ساخت۔

ارتقاء کا طریقہ کار

آج ہم ارتقاء کے طریقہ کار کو بخوبی سمجھتے ہیں، اور ہم اسے اپنی لیبارٹریوں میں بھی دوبارہ پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلی زندگی کہاں سے شروع ہوئی—حیاتیات کے

وہ اصل حصے؟

قدیم ترین فوسلز: اب تک ہمیں ملنے والے قدیم ترین فوسلز پروکاریوٹس (سیانو بیکٹریا) Fossils Prokaryotes (Cyanobacteria) کے ہیں، جو بغیر جھلی سے بند نیوکلئس والے خلیے والے حیاتیات ہیں۔ مغربی آسٹریلیا میں ہمیں سٹرومیٹولائٹس (Stromatolites) نامی فوسلائزیشن ڈھانچے ملتے ہیں جہاں سیانو بیکٹریا نے 3.45 بلین سال پہلے تلچھٹ کے دانوں کو ایک ساتھ جوڑ دیا تھا۔ زمین کے کافی ٹھنڈا ہونے کے بعد زیادہ دیر نہیں کہ ہم جس زندگی کو جانتے ہیں وہ مضبوطی سے قائم ہو سکے۔ یہ ایک حیرت انگیز اور قابل ذکر واقعہ تھا، جس میں غیر نامیاتی مرکبات نے نامیاتی، کاربن پر مبنی بندھن بنائے جو بعد میں خود کو نقل کرنے کی صلاحیت پیدا کرتے تھے۔ ایک بار جب ان بنیادی زندگی کی شکلوں میں نقل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی، تو بے ترتیب اتپریورتن نے زندگی کی اعلیٰ شکلوں میں ان کے ارتقاء کو یقینی بنایا۔ ایک بار پھر، ان پہلی تعمیراتی بلاکس کی باقیات اب بھی تمام جانداروں میں موجود ہیں۔

ملر/یوری تجربات: 1952ء میں، سٹینلے ملر اور ہیرالڈ یوری نے ابتدائی زمین کے ماحول کے حالات میں زندگی کی تشکیل کے امکان کی جانچ کے لیے پہلا تجربہ کیا۔ انہوں نے ایک جراثیم سے پاک، بند نظام میں بند میتھین، پانی، امونیا اور ہائیڈروجن کا استعمال کیا۔ پانی کو بخارات بننے کے لیے کافی گرم کیا گیا تھا، اور بجلی کی نقل کرنے کے لیے نظام کے اندر چنگاریاں پیدا کی گئیں۔ ایک ہفتے کے اندر، نظام میں موجود کاربن کا 10-15% نامیاتی مرکبات میں تبدیل ہو گیا تھا، جس میں 2% کئی امینو ایسڈ بناتے ہیں، جو ڈی این اے کی اینٹیں

ہیں۔ جب کہ ملر/یوری تجربات پر اس وقت سے تنقید کی جارہی ہے، زیادہ تر اس لیے کہ ہمیں شبہ ہے کہ زمین کا قدیم ماحول شاید ملر اور یوری کے اندازے سے کافی مختلف تھا، قدیم زمین پر موجود ساخت اور حالات غیر نامیاتی مادوں سے نامیاتی مرکبات بنانے کے لیے سازگار رہے ہوں گے — مرکبات جو آج کی زندگی کی اینٹیں ہیں۔ /

امینو ایسڈ کا قدیم شوربہ: امینو ایسڈ کے اس قدیم شوربے میں، پہلے نیوکلیوٹائیڈز (پانچ کاربن والی شکر) بنے۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ یہ آزادانہ طور پر تیرنے والے مالیکیول گرم سمندر یا دوسرے موافق ماحول میں تیرتے تھے، جہاں وہ لمبے مالیکیول بنانے کے لیے باقاعدگی سے ایک دوسرے سے جڑتے تھے۔ یہ زنجیریں زندگی کی پہلی قدیم شکلیں بننے والی تھیں، اور شاید جدید وائرس سے ملتی جلتی ہوں گی جو آر این اے کے ایک ہی تار کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ لاکھوں مختلف بندھن بنے ہوں گے، صرف دوبارہ ٹوٹنے کے لیے۔ صرف چند منٹ یا گھنٹے سے زیادہ زندہ رہے۔

حفاظتی بلبلے: قدیم زمین پر کہیں، ان میں سے کچھ نیوکلیوٹائیڈ زنجیریں ایک حفاظتی؟ بلبلے کے اندر بن کر یا خود کو ڈھونڈ کر زندہ رہیں۔ یہ ساحل سمندر پر بلبلے ہو سکتے ہیں، جہاں فیٹی ایسڈ نے حفاظت کی ایک پتلی تہہ بنائی ہے۔ اس نے انہیں مزید کیمیائی تعاملات سے گزرنے سے الگ تھلگ کر دیا، اس طرح باہر کی دشمن دنیا کی تباہی کو روک دیا۔ جھلی اور آر این اے نے ایک دوسرے میں باہمی فائدہ پایا، کیونکہ آر این اے نے جھلی کو کھلایا اور اسے برقرار رکھنے میں مدد کی۔

نقل کرنے کی صلاحیت: وہ آر این اے زنجیریں جن کے پاس خود کو بچانے کے لیے

بلبلہ نہیں تھا، یا جو جھلی کو برقرار رکھنے سے قاصر تھیں، وہ صرف ٹوٹ گئیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ، محفوظ شدہ آر این اے نے خود کی نقل کرنے کا ایک طریقہ تلاش کر لیا، کیونکہ آر این اے کا ایک اور سٹر موجودہ سٹر کے گرد بن گیا۔ پھر جھلی تقسیم ہو گئی، ہر ایک میں آر این اے کی ایک کاپی تھی۔ چونکہ اس نئے آر این اے میں زندہ رہنے اور نقل کرنے کی صلاحیت تھی، اس لیے یہ جلد ہی امینو ایسڈ اور نیوکلیوٹائیڈز کے اپنے مخصوص سوپ میں غالب مالیکیول بن گیا۔

پروٹو سیل کی ترقی: آر این اے نے امینو ایسڈ کو ایک ساتھ جوڑنے میں بھی مدد کی، جو پروٹین بنانے کا پہلا قدم ہے۔ پہلے پروٹو سیل کی ترقی کا مرحلہ طے تھا۔ اگلے ایک ارب سال یا اس کے بعد، زمین کے سمندر ان قدیم زندگی کی شکلوں سے بھر گئے کیونکہ وہ آہستہ آہستہ مزید ارتقا پذیر ہوئے۔ آر این اے کو جلد ہی ڈی این اے، واقف ڈبل ہیلکس نے بے گھر کر دیا، شاید اس وقت جب ایک نقل کرنے والے آر این اے سٹر بچے کے سٹر کے مکمل ہونے کے بعد "Unzip" اور الگ ہونے میں ناکام رہا۔ جو بھی معاملہ ہو، ڈی این اے آر این اے سے کہیں زیادہ مستحکم ہے—حالانکہ آر این اے اب بھی تمام جانداروں میں اہم کام انجام دیتا ہے۔ اگلے ارب سالوں کے دوران، پہلے پیچیدہ سنگل سیل والے حیاتیات، یوکریوٹس (Eukaryotes) جن میں جھلی سے بند نیوکلئس اور کروموسوم ہوتے ہیں —ارتقا پذیر ہوئے۔ ایک بار جب جنسی تولید شروع ہو گئی، جس سے دو حیاتیات کو اپنے جینیاتی مواد کو تبدیل کرنے کی اجازت ملی، تو ارتقاء نے رفتار پکڑ لی کیونکہ بے ترتیب اتپریورتن نے جینیاتی مواد کی مختلف حالتوں میں اضافہ کیا۔ وہ

خصوصیات جو کسی حیاتیات کو اپنے ماحولیاتی حالات کے مطابق بہتر طور پر ڈھالنے کی اجازت دیتی ہیں قدرتی انتخاب کے ذریعے محفوظ تھیں۔

زندگی کی ترقی کا ٹائم لائن: ہمارے موجودہ علم کی بنیاد پر زندگی کی ترقی کا ٹائم لائن اس طرح ہے:

1. جھلی میں موجود پہلا آر این اے / ڈی این اے نمودار ہوا۔ یہ ترقی زمین کے ٹھنڈا ہونے کے بعد پہلے ارب سالوں کے اندر ہوئی۔
2. پہلے پیچیدہ سنگل سیل والے حیاتیات یوکریوٹس کو بننے میں 1-2 بلین سال لگے۔
3. یوکریوٹس غالب اور وسیع ہو گئے۔ جیسے جیسے انہوں نے آکسیجن پیدا کی، ماحول آکسیجن سے بھرپور ہو گیا۔ ہم اس کا ثبوت اپنی لوہے کی کانوں میں دیکھتے ہیں۔ ابتدائی لوہے کے بستروں میں کوئی آئرن آکسائڈ نہیں ہوتا ہے، جو اس وقت بنتا ہے جب لوہا آکسیجن کے ساتھ رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ صرف 2.3 بلین سال سے کم عمر تہوں میں ہمیں آئرن آکسائڈ ملتا ہے۔
4. ایک بار جب ماحول میں کافی آکسیجن بن گئی، تو یہ ایروبک (Aerobic) زندگی کے لیے سازگار ہو گیا، جس نے ترقی کو تیز کر دیا۔
5. کولیجن (Collagen) (خلیوں کو ایک ساتھ رکھنے والے ریشے کے باریک تار) تیار ہوئے۔ خلیے ایک دوسرے سے چپکنے لگے۔ پہلی قدیم سیل کالونیاں نمودار ہوئیں۔ کولیجن آج بھی کثیر خلوی حیاتیات کو ایک ساتھ جوڑتا ہے۔
6. ابتدائی کثیر خلوی جاندار مزید ارتقا پذیر ہوئے اور بڑے ہو گئے۔ جسم کے کچھ حصے مخصوص ہونے لگے۔ بالآخر، ان میں سے کچھ بنیادی زندگی کی شکلیں جسم کو سکیڑ کر اور اسے دوبارہ چھوڑ کر جان بوجھ کر حرکت کرنے

لگیں۔ اب وہ خوراک کی تلاش میں سفر کر سکتے تھے۔

7. کسی موقع پر، دو طرفہ توازن تیار ہوا، اور ایک نسل میں، سر اور دم تیار ہوئے۔ آنکھوں کے پیش خیمہ کے طور پر سر میں پہلے قدیم روشنی کے لیے حساس خلیے بنے۔ کچھ جانداروں میں پنجے اور ٹانگیں بھی تیار ہونے لگیں، جس سے آج معلوم ہونے والے زیادہ تر عام جسمانی ڈیزائن تیار ہوئے۔

8. جنسی تولید نے مضبوطی سے قائم ہو گئی۔ جیسے جیسے جینیاتی مواد تبدیل ہوتا گیا، ارتقاء تیز ہوتا گیا۔ ابتدائی جنسی تولید شاید اس طرح کی ہو سکتی ہے جس طرح آج مرجان افزائش نسل کرتے ہیں۔ سال میں ایک بار، بالکل اسی وقت، تمام مرجان سپرم اور انڈے کے خلیوں کے بادل چھوڑتے ہیں۔ یہ نئے مرجان حیاتیات بنانے کے لیے دوبارہ ملتے ہیں۔

9. کیمبرین (Cambrian) دھماکہ تقریباً 570 ملین سال پہلے ہوا تھا۔ ارتقاء کم از کم ایک شدت سے تیز ہوا۔ آج زندگی کی تنوع اس دور سے نکلتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بالآخر پریمیٹس (Primates) پیدا ہوئے، جن میں سے ایک نسل انسانی نسل میں تبدیل ہونے والی تھی۔

انسان کہاں سے آئے؟

ہم میں سے بہت کم لوگ ارتقاء کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں۔ اکثر، مذہبی گروہوں کے دباؤ کی وجہ سے، پرائمری اور سیکنڈری اسکولوں کو ارتقاء سکھانے سے حوصلہ شکنی کی جاتی ہے یا صرف ارتقاء سکھانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ تاہم، سائنسی برادری میں ارتقاء کو تقریباً عالمی سطح پر قبول کر لیا گیا ہے، کیونکہ یہ زندگی کی ابتدا اور نشوونما کی بہترین وضاحت کرتا ہے جیسا کہ طبیعیات اور حیاتیات کے علوم میں

درج ہے۔ اگرچہ تفصیلات پر اب بھی بحث ہو رہی ہے، لیکن کسی بھی شعبے کے چند سائنس دان ارتقاء کے بنیادی تصور پر سوال اٹھاتے ہیں۔

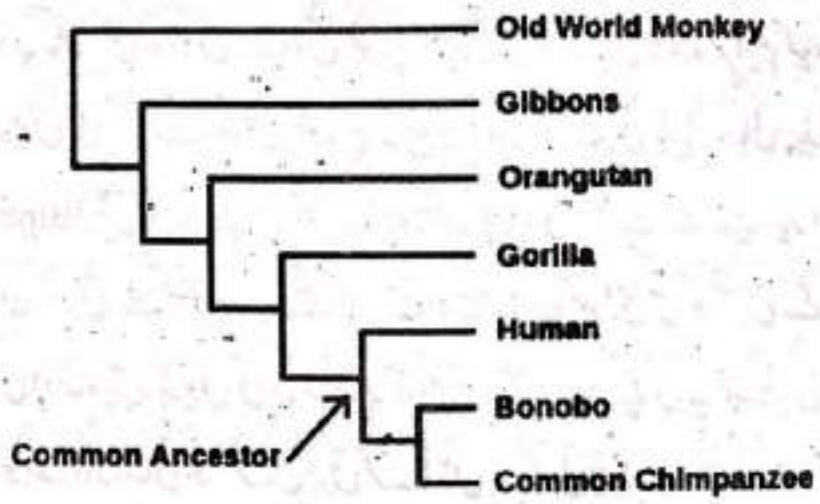
موجودہ مذہبی اداروں کی ناکامی: دریں اثنا، موجودہ مذہبی اداروں میں سے کوئی بھی اس علم کو اپنی تعلیمات میں جذب کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ آخر کار، ارتقاء خدا کی طرف سے انسان اور زمین کی اچانک تخلیق کے بالکل برعکس ہے— اور سائنس دان کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے اپنے مشاہدات کو مجبور کرنے کے بجائے علم پر سوال اٹھانے اور اسے بہتر بنانے کے لیے تیار ہیں، اور پھر کسی بھی ایسی چیز کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ایسا نہیں کرتی ہے۔

انسانی ترقی: زمین پر زندگی کے ارتقاء نے بالآخر انواع Homo Sapiens ہمیں— پیدا کیا۔ ہماری انواع کا ارتقاء ایک شاندار ترقی ہے، بے ترتیب جینیاتی اتپریورتن کے طاقتور نتیجے کا گواہ اور فٹ ترین کی بقا کو یقینی بنانے کے لیے مناسب خصوصیات کا قدرتی انتخاب۔

انسانیت کی ابتدا کی کہانی: ہمارے بچوں کو اب انسانیت کیسے وجود میں آئی اس کے بارے میں جادوئی کہانیاں نہیں سکھائی جائیں گی۔ اس کے بجائے، ہم انہیں زمین کی تخلیق کی دلچسپ سچی کہانی سنا سکتے ہیں، تاریکی نیبولا سے لے کر پگھلی ہوئی چٹان تک جو بالآخر ٹھنڈی ہو کر ایک بنجر دنیا بن گئی —ایک ایسی جگہ جہاں زندگی کے پہلے بیج قدیم کیمیکلز سے بنے جو خود ہی بڑھنے اور ارتقاپذیر ہونے لگے، جس کی وجہ سے اربوں سال بعد آج کی ناقابل یقین حیاتیاتی تنوع پیدا ہوئی۔ ہم انہیں ایک قدیم افریقی جھیل کے کنارے پر پائے جانے والے فوسلائزیشن قدموں کے بارے میں بتا سکتے ہیں، جہاں دو پروٹو انسان 1.6 ملین سال سے زیادہ پہلے آتش فشاں راکھ میں چلتے تھے۔

اپنی انواع کی جڑیں: اپنی انواع کی جڑوں کو تلاش کرنے کے لیے، ہمیں 60 ملین سال سے زیادہ پیچھے جانے کی ضرورت ہے، جب پہلے پریمیٹس ارتقاپذیر ہوئے۔ وہ چھوٹے جانور تھے، سائز میں گلہری جیسے لیکن پاؤں کے ساتھ جو پکڑنے کے لیے تیار ہوتے جا رہے تھے (غالباً اس لیے کہ وہ درختوں کی شاخوں کو بہتر طریقے سے پکڑ سکیں)۔ ان کے پاس دوربین بینائی بھی تھی، آنکھیں چہرے کے سامنے لگی ہوئی تھیں تاکہ ان کے بصری میدان اوورلیپ ہو جائیں، بہتر گہرائی کا ادراک فراہم کریں کیونکہ وہ کیڑے اور پھلوں کا شکار کرتے تھے۔ ان ابتدائی پریمیٹس سے پہلے بندر تیار ہوئے، جو 33 ملین سال پہلے نمودار ہوئے۔ پریمیٹس کے مقابلے میں، ان کے دانت کم تھے؛ کم نمایاں سنوٹس (Snouts)، بڑے دماغ، اور تیزی سے آگے دیکھنے والی آنکھیں تھیں۔

پروٹو بندروں پر نئے انتخابی دباؤ: ان پروٹو بندروں پر نئے انتخابی دباؤ ڈالے گئے، خاص طور پر جب آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے اشنکٹبندیی جنگلات کی جگہ گھاس کے میدانوں اور جھاڑیوں والی زمینوں نے لے لی۔ کچھ انواع زمین پر رہنے کے لیے ڈھل گئیں (زیادہ تر)۔ عظیم بندروں کے آباؤ اجداد تقریباً 30



ملین سال پہلے بندر کے خاندانی درخت سے الگ ہو گئے۔ بندروں کی کئی نسلیں تیار ہوئیں، اور 14 ملین سال پہلے، افریقی بندروں کا گروہ جو بالآخر ہمارے آباؤاجداد میں تبدیل ہو گا قائم ہوا۔

پریمیٹس انواع کا معدوم ہونا: تیزی سے سرد آب وہوا کی وجہ سے پریمیٹس کی بہت سی انواع معدوم ہو گئیں۔ تقریباً 9 ملین سال پہلے، بندروں کی ایک نسل دو لکیروں میں تقسیم ہو گئی: یعنی گوریلا (Gorillas) اور وہ لکیر جو بالآخر انسانوں اور چمپینزیوں کی طرف لے جائے گی۔ نیچے ہماری ترقی کا ایک خاکہ ٹائم لائن ہے۔

کھلے، گھاس والے میدانوں میں ارتقاء:

کھلے، گھاس والے میدانوں نے خوراک تک پہنچنے، شکاریوں کا مشاہدہ کرنے اور ہمیشہ سکڑتے ہوئے افریقی جنگلات میں زندہ رہنے کے لیے نئے موافقتیں پیدا کرنے کے ارتقاء کا حق میں کام کیا۔ ایک تبدیلی نے ہماری انواع کو الگ کر دیا۔ عظیم بندروں کی ایک نسل سیدھے کھڑے ہو کر زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگی۔ کیا یہ درختوں کی اونچی شاخوں پر پھلوں تک پہنچنے کی جستجو کی وجہ سے تھا، یا صرف میدانوں میں دیکھنے کے لیے؟ دونوں؟ وجہ کچھ بھی ہو، اس نے واضح طور پر اس نسل کو ارتقائی فائدہ فراہم کیا، کیونکہ اس کی ہڈیوں کی ساخت، خاص طور پر Pelvis اور کولہے کی ہڈیاں، بائی پیڈل ازم Bipedalism (یعنی دو پیروں پر کھڑے ہونا اور چلنا) کی حمایت کے لیے تیار ہوئیں۔ جدید انسان آسانی سے گھٹنوں سیدھے کھڑے ہو سکتے ہیں، تھوڑی سی کوشش کے ساتھ، صرف اس ارتقاء پذیر ہڈیوں کی ساخت پر آرام کر کے۔ ڈھانچے کی یہ تبدیلیاں ماہرین حیاتیات کو بندر اور انسانی فوسلز میں فرق کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

پچھلی ٹانگوں کا استعمال: حرکت کرنے کے بنیادی ذریعہ کے طور پر پچھلی ٹانگوں کے استعمال کا ایک ثانوی اثر بھی ہوا: اگلی ٹانگیں دوسرے استعمال کے لیے آزاد ہو گئیں، اور اشیاء کو جوڑ توڑ اور اوزار استعمال کرنے کے لیے استعمال ہو سکتی تھیں۔ ان کی گرفت کی ساخت نے اسے مزید آسان بنا دیا۔

انسانی فوسل مجموعوں میں خصوصیات کا ارتقاء: ہم انسانی فوسل مجموعوں میں ان خصوصیات کا ارتقاء دیکھ سکتے ہیں۔ سب سے قابل ذکر فوسل ہومینیڈس (یعنی پروٹو انسانی اور انسانی انواع) میں سے ایک جو ماہرین حیاتیات نے پایا ہے وہ آسٹرالوپیتھیکس آفرنیس (Australopithecus Afarensis) نسل کا ہے۔ تقریباً 3.2 ملین سال پرانا، وہ صرف 1.1 میٹر (3.5 فٹ) لمبا تھا۔ اس کی چال ہماری نسبت کم کامل تھی، اور وہ جھک کر چلتی ہو گی، لیکن وہ یقینی طور پر بائی پیڈل تھی۔

ہمارے قدیم آباؤ اجداد کے قدموں کے نشانات: ہم نے اپنے قدیم آباؤ اجداد کے قدموں کے نشانات بھی دریافت کیے ہیں۔ 1976ء میں، ماہر حیاتیات میری لیکی نے تین افراد کے فوسلائزیشن قدموں کے نشانات دریافت کیے جو 3.5 ملین سال سے زیادہ پہلے نم آتش فشاں راکھ سے آرام سے چلتے تھے۔ راکھ کے سخت ہونے پر قدموں کے نشانات جلدی سے ڈھک گئے اور محفوظ ہو گئے۔ قدموں کے نشانات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک سیدھے چلنے کا انداز اور انسانی پاؤں پہلے ہی تیار ہو چکے تھے۔

ہومینیڈس کی مزید ترقی: بندر کے خاندان سے اپنی ارتقائی تقسیم کے بعد، ہومینیڈس مزید ترقی یافتہ ہوئے۔ ہمارے موجودہ علم کی بنیاد پر، 12 اور 19 کے درمیان مختلف انواع اور ذیلی انواع دو نسلوں میں تیار ہوئیں:

آسٹریلوپیتھیکس (جنوبی بندر نما انسان) اور Homo ("انسان") ہماری اپنی انواع، Homo Sapiens کے علاوہ، اب یہ سب معدوم ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آخری ہومینیڈس جن کے ساتھ ہم نے سیارہ شیئر کیا تھا وہ نینڈر تھلز (Neanderthals) تھے، جو انسانوں کی ایک الگ نسل کے بجائے Homo Sapiens کی ایک "قدیم" ذیلی نسل رہی ہو گی۔ نینڈر تھلز 25,000 سال پہلے معدوم ہو گئے تھے، ممکنہ طور پر ہماری حرکتوں کی وجہ سے معدوم ہونے پر مجبور ہوئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ متنازعہ انواع H. Floresiensis، جو Flores Man یاہوبٹس "Hobbits" کے نام سے جانا جاتا ہے، 13,000-12,000 سال پہلے Flores کے انڈونیشی جزیرے پر مر گیا ہو۔



ہماری اپنی انواع کا ارتقاء:

ہماری اپنی انواع 250,000 سال پہلے ارتقا پذیر ہوئی ہوں گی۔ ہمارے بڑے دماغ اور اوزاروں کا بڑھتا ہوا استعمال ہمیں دوسرے ہومینیڈس سے الگ کرتا ہے) اگرچہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ نینڈرتھلز کے دماغ اور بھی بڑے تھے، اور انہوں نے جدید پتھر کے اوزار بھی بنائے تھے(۔ ہم سب کے پاس قابل ذکر طور پر یکساں ڈی این اے ہے، جو ارضیاتی لحاظ سے حال ہی میں انسانی ارتقائی "Bottleneck" کا ثبوت دکھاتا ہے۔ یہ غالباً کسی تباہ کن واقعے کا نتیجہ تھا، جیسے برفانی دور یا وسیع پیمانے پر آتش فشاں، جس نے ہماری انواع کو بہت کم آبادی تک محدود کر دیا، جس سے پھر یہ دوبارہ پھیل گیا۔ وہ آبادی شاید چند ہزار تک چھوٹی رہی ہو گی۔

جدید انسانوں کی افریقہ سے نقل مکانی: تقریباً 70,000 سے 50,000 سال پہلے، جسمانی طور پر جدید انسانوں کے چھوٹے گروہ افریقہ سے باہر نکلنا شروع ہو گئے، اور الگ تھلگ گروہوں میں نئی اور مخصوص جینیاتی خصوصیات تیار ہوئیں۔ آج ہم ہر فرد کا سراغ ایک مخصوص عالمی خطے تک لگا سکتے ہیں جہاں سے اس کے آباؤ اجداد پیدا ہوئے تھے۔ کسی دی گئی نسل کا ڈی این اے، مثلاً ایشیائی، بھی بہت یکساں ہے۔ جنوبی افریقہ کے سان لوگوں کے پاس سب سے زیادہ متنوع ڈی این اے ہے، جو اس آبادی کی عظیم عمر کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ ہماری پوسٹ Bottleneck بانی آبادی کے براہ راست اولاد ہیں۔

انسانیت کی کہانی: انسانیت کی کہانی، پھر، پہلے ممالیہ اور بعد میں پریمیٹ نسلوں کے ارتقاء کی کہانی ہے، دونوں بالآخر اس پہلے چھوٹے خلیے سے پیدا ہوئے جو

اربوں سال پہلے ایک قدیم سمندر میں بنا تھا۔ ارتقاء کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔ انسان کی کوئی فوری تخلیق نہیں ہوئی، ہاتھ میں بلیو پرنٹ والا کوئی عظیم معمار نہیں تھا۔

اگلا حصہ: اگلے حصے میں ہم دیکھیں گے کہ ہم کیسے کام کرتے ہیں اور اپنے آپ کو کیسے بیان کرتے ہیں۔ تبھی ہم موجودہ مذاہب کی جگہ ایک نئے ڈھانچے کے تناظر میں اپنے مستقبل کی وضاحت کر سکیں گے۔

انسان نامی یہ نسل:

ہمارے ارد گرد کی طبعی دنیا سے جمع کیے گئے شواہد سے (خاص طور پر پچھلے 100 سالوں کے دوران)، ہر چیز اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہم اربوں سالوں میں اپنی موجودہ حالت میں ارتقا پذیر ہوئے ہیں، پہلی بنیادی زندگی کی شکلوں سے لے کر اس نسل تک جو ہم آج ہیں۔ جانوروں کا دماغ، جس میں ابتدا میں روشنی کوڈ کرنے اور اس پر ردعمل ظاہر کرنے کے لیے صرف چند بنیادی روشنی سینسر اور اعصاب تھے، ان زمانوں میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو گیا۔ در حقیقت، یہ اتنا ترقی یافتہ ہو گیا کہ پچھلے 200,000 سالوں میں، ہومینیڈس نے اعلیٰ ذہانت پیدا کی اور خود شناسی کا احساس پیدا کیا۔ حالیہ صدیوں میں، ہم نے ان عملوں اور طریقہ کار کو بھی سمجھنا شروع کر دیا ہے جو ہماری ترقی کے ذمہ دار ہیں۔

ماحول پر کنٹرول: جہاں پہلے ہم صرف ارتقائی کنویئر بیلٹ پر آگے بڑھ رہے تھے، اگر آپ چاہیں تو، اب ہم تیزی سے اپنے ماحول پر قابو پا رہے ہیں۔ ہم معمول کے مطابق زندگی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں، مخصوص خصوصیات کے لیے افزائش نسل کرتے ہیں اور، پچھلی چند دہائیوں میں، براہ راست جینز

میں ہیرا پھیری کرنا شروع کر دی ہے۔ ہم موسم اور آب و ہوا کو متاثر کر سکتے ہیں۔ برقناطیسیت اب کوئی معمہ نہیں ہے، اور اب اسے روشنی سے لے کر مواصلات، تفریح اور صنعتی عمل تک ہر چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم نے جوہری توانائی کو استعمال کرنا سیکھ لیا ہے، اور اگر ہم چاہیں تو سیارے پر تمام زندگی کو تباہ کر سکتے ہیں۔ ایک لحاظ سے، ہم خود خدا بن گئے ہیں۔ ان شرائط میں، Homo Sapiens زمین پر زندگی کی سب سے ترقی یافتہ اور غالب شکل بن گیا ہے ۔۔ پھر بھی صرف پچھلی چند صدیوں میں ہی ہم نے اپنے آپ کو فطرت کے ایک حصے کے طور پر منظم اور معمول کے مطابق سمجھنا شروع کیا ہے۔

ہم کیسے کام کرتے ہیں، برتاؤ کرتے ہیں اور سوچتے ہیں: جیسے جیسے ہم اپنے قدیم مذاہب کے بندھنوں سے فرار ہونے کی تیاری کر رہے ہیں، یہ ضروری ہے کہ ہم سمجھیں کہ ہم کیسے کام کرتے ہیں، برتاؤ کرتے ہیں اور سوچتے ہیں۔ Homo Sapiens نامی یہ نسل کیا ہے؟ اپنے بارے میں مزید جاننے سے ہم اپنی اولاد کے لیے ایک بہتر ماڈل اور مستقبل کی وضاحت کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

ہم سب مختلف ہیں: اپنے اردگرد دیکھنے پر، ہم بہت جلد محسوس کرتے ہیں کہ ہم سب کافی مختلف ہیں، اس حقیقت کے باوجود کہ ہم ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک قریبی جسمانی مماثلت کا اشتراک کرتے ہیں۔ ہم سب کی اپنی شخصیت کی خصوصیات ہیں (ایسی چیز جسے ہم بعد کے حصے میں مزید تلاش کریں گے)۔ ہماری ذہانت کی سطح اور دنیا کے جواب دینے کے طریقے مختلف ہیں۔ والدین کے طور پر ہم اکثر اس بات سے حیران ہوتے ہیں کہ ہمارے

بچے ہم سے کتنے مختلف ہیں۔ کچھ ملنسار ہوتے ہیں اور آسانی سے ہنستے ہیں۔ دوسرے زیادہ خاموش ہیں۔ کچھ جلدی غصہ ہو جاتے ہیں، جبکہ دوسرے صبر کرنے والے اور اچھے مزاج کے ہوتے ہیں۔ کچھ موسیقی اور فن میں اچھے ہیں۔ کچھ ریاضی میں بہتر ہیں۔ لیکن اختلافات کیوں ہیں، اور ہم وہ "میں" کیسے بنتے ہیں جو ہم میں سے ہر ایک ہے؟

شخصیت کی تشکیل: ظاہر ہے، اگر موروثی خصوصیات شخصیت کی تعمیراتی اینٹیں بنتی ہیں، تو بیرونی دنیا اور اندرونی استدلال کو ہر فرد کی شخصیت اور عقائد کے نظام کی حتمی شکل کو ڈھالنا چاہیے۔ شخصیت کو سمجھنے کے لیے شروع کرنے کی بہترین جگہ، پھر، ایک نوزائیدہ بچہ ہے جس نے ابھی تک دنیا کو دریافت نہیں کیا ہے۔

بچے کی نشوونما: ایک بچہ "میں" یا "روح" بننے کے لیے جسمانی اور ذہنی نشوونما کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے، جیسا کہ زیادہ تر مذاہب کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ بچے کے پہلے چھ سال بعد کے بالغ کی نشوونما اور رویے میں اہم ہوتے ہیں، اور بنیادی طور پر مندرجہ ذیل عوامل سے تشکیل پاتے ہیں:

1. بنیادی جینیاتی شخصیت کی خصوصیات۔
2. نگہداشت کرنے والا (والدین)، مثلاً والدین یا آیا۔
3. خاندان اور دوستوں کے ساتھ سماجی تعامل۔
4. بیرونی دنیا کی بچے کی اندرونی تشریح اور تجزیہ۔

نگہداشت کرنے والوں کا اثر: یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ بچے کے نگہداشت کرنے والوں کا بعد کے بالغ پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے، اور بچے کے پہلے لگاؤ سے زیادہ اہم کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس بچے پر افسوس ہے جو ایسی دنیا میں

پیدا ہوا ہے جہاں محبت، گرمجوشی یا سمجھ بوجھ کم ہے۔ قبولیت کی اندرونی خواہش سے چلنے والا بچہ شروع سے ہی مسترد، نظر انداز یا بدسلوکی کا شکار ہوتا ہے۔ بچے کی خود کی تصویر اور ذہنی نشوونما پر شدید حملہ ہوتا ہے، اور وہ کافی اچھا نہ ہونے، شرم اور دفاعی ہونے کا احساس پیدا کرتا ہے، جس کے نتیجے میں کم خود اعتمادی، ناخوشی اور ڈپریشن ہوتا ہے۔

بچے اور والدین / نگہداشت کرنے والے کے درمیان قریبی، گرمجوشی کا رشتہ: بچے اور والدین / نگہداشت کرنے والے کے درمیان قریبی، گرمجوشی کا رشتہ بچے کی صحت مند ذہنی نشوونما کا باعث بنتا ہے۔ ایک حساس، جوابدہ بالغ کے ساتھ لگاؤ بننے سے بچہ دنیا کو تلاش کرنے میں محفوظ محسوس کرتا ہے۔ مطالعات نے بتایا ہے کہ ان صورتوں میں جہاں ایک بالغ اور بچے کے درمیان ایک محفوظ لگاؤ موجود ہوتا ہے،، بچہ مناسب سماجی مہارت، عقل اور سماجی شناخت کی تشکیل کرتا ہے۔ 18 ماہ سے کم عمر کے 45 بچوں والے ایک ادارے کا اچھی طرح سے مطالعہ کیا گیا معاملہ، جس کی دیکھ بھال صرف چھ نرسیں کم سے کم رابطے میں کرتی تھیں، نے دکھایا کہ بچے اپنی نشوونما میں بری طرح پیچھے رہ گئے، اور ساتھ ہی شخصیت کی سنگین کمیاں بھی تھیں۔

بچے پر پہلا بڑا اور دیرپا اثر: بچے کے لگاؤ کی قسم کے ساتھ مرحلہ طے ہوتا ہے —اور ایک بار پھر یہ بچے پر پہلا بڑا اور دیرپا اثر ہے۔ جب بچہ خود کو بالغوں کی دنیا میں پاتا ہے، تو اس کے ابھی تک غیر تشکیل شدہ دماغ کو اپنے ارد گرد کے لوگوں سے تشریح اور اشارے لینے چاہئیں۔ اس کے نگہداشت کرنے والوں کی طرف سے فراہم کردہ تاثرات اور حدود اس عمل میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ایک بچے کی پرورش چار بنیادی والدین کی طرزوں میں

سے ایک کے تحت کی جاسکتی ہے۔

والدین کی چار بنیادی طرزیں:

1. **آمرانہ والدین (Authoritarian Parenting)**:اس والدین کی طرز میں، والدین سخت اصول وضع کرتے ہیں اور بچوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کی پیروی بغیر کسی سوال کے کریں گے۔ نافرمانی کی سزا ملتی ہے، اور بحث کی بہت کم (اگر کوئی ہے تو) گنجائش ہے۔ یہ والدین بچے کو سزا دینے کی اپنی وجوہات نہیں بتاتے۔ نافرمانی یا سوال کرنا ان کے اختیار کو چیلنج سمجھا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ بچے فرمانبردار اور قابل ہوتے ہیں، لیکن خوشی، سماجی قابلیت اور خود اعتمادی میں کم درجہ رکھتے ہیں۔
2. **بااختیار والدین (Authoritative Parenting)**:یہ والدین اپنے بچوں کے رویے کی واضح حدود کو سختی اور مستقل مزاجی سے نافذ کرتے ہیں۔ تاہم، وہ ان بچوں کے سوالات کو سنتے ہیں اور ان کا جواب دیتے ہیں۔ تادیبی کارروائیاں بچے کو سزا دینے کے بجائے اس کی حمایت اور رہنمائی کے لیے کی جاتی ہیں۔ سزا کی وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ یہ والدین اپنے بچوں کے لیے قبولیت، ہمدردی اور مدد دکھاتے ہیں۔ استدلال آمرانہ اصولوں پر غالب آتا ہے۔ مجموعی طور پر ان بچوں میں خود اعتمادی زیادہ ہوتی ہے، خوشی کی اعلیٰ سطح دکھاتے ہیں، اور عام طور پر ذہنی طور پر زیادہ صحت مند اور کامیاب ہوتے ہیں۔
3. **اجازت دینے والے والدین (Permissive Parenting)**:یہ والدین شاذ و نادر ہی اپنے بچوں کو نظم و ضبط سکھاتے ہیں۔ وہ محبت اور پیار دکھا سکتے

ہیں، لیکن رویے کی کوئی حد مقرر نہیں کرتے۔ وہ اپنے بچوں سے بہت کم مطالبات کرتے ہیں اور تصادم سے بچتے ہیں۔ وہ بعض اوقات والدین سے زیادہ دوست ہوتے ہیں۔ بچہ رشتے پر قابو رکھتا ہے۔ عام طور پر، یہ بچے خوشی اور خود کام کرنے کی صلاحیت پر کم پیمائش کرتے ہیں۔ وہ اکثر اسکول میں خراب کارکردگی دکھاتے ہیں، انہیں سماجی طور پر ایڈجسٹ کرنے میں دشواری ہوتی ہے، اور انہیں اختیار کے ساتھ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

4. **غیر جانبدار والدین** (Uninvolved Parenting) بچے کی بنیادی ضروریات پوری ہوتی ہیں، لیکن بچے کے ساتھ حمایت اور مواصلت کی کمی ہے۔ بچے کے پاس رجوع کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور اسے بہت کم یا کوئی پیار اور مدد نہیں دی جاتی ہے۔ والدین کو بچے کی زندگی کے بارے میں بہت کم بصیرت ہوتی ہے اور وہ اپنے بچے سے الگ زندگی گزارتے ہیں۔ مجموعی طور پر، ان بچوں میں خود اعتمادی کم ہوتی ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرح قابل نہیں ہوتے ہیں۔

والدین کے طریقوں میں استثناءات: یقینی طور پر، مذکورہ بالا والدین کے طریقوں میں استثناءات ہیں، اس کا ذکر نہیں کرنا کہ ان میں شامل بچے ان پر کیسے ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ کچھ بچوں میں فطری لچک ہوتی ہے، اور اپنے بیرونی حالات کے باوجود کامیاب، خوش بالغ بننے کے لیے ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

ساتھیوں کے ساتھ تعامل: جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا ہے، وہ اپنے ساتھیوں (دوسرے بچوں) کے ساتھ تعامل کرنا شروع کر دیتا ہے، اور وہ اس کی شخصیت کو مزید تشکیل دیتے ہیں اور اسے متاثر کرتے ہیں۔ جہاں خاندان میں اس نے ایک خاص مقام اور کردار ادا کیا ہے، وہ غائب ہو جاتا ہے یا ارتقا پذیر ہوتا ہے

کیونکہ بچہ خود کو کسی پلے گروپ میں یا دوسرے بچوں کی صحبت میں پاتا ہے۔ اس گروپ کے اندر بچے کو اب خاندان کے رکن کے طور پر ممتاز نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ وہ اپنے ساتھیوں کے برابر ہوتا ہے۔

گروپ میں قبولیت: بچے کو گروپ میں اپنے لیے پہچان اور قبولیت تلاش کرنی چاہیے۔ کوئی اس کے لیے ایسا نہیں کرنے والا ہے۔ ایک فرد کے طور پر قبولیت اور توثیق کے لیے اندرونی محرک اسے دوست تلاش کرنے اور ان کے ذریعے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ بچے کو مذاق اڑانے یا چھیڑنے سے بچنے کے لیے چوکس رہنا چاہیے۔ بچے کو نگران بالغ کی تعریف اور پیار بھی جیتنا چاہیے، اور (آخر کار) مخالف جنس کے ساتھ قبولیت حاصل کرنی چاہیے۔ پلے گروپ سے اسے ملنے والے تاثرات بچے کی طرف سے خود کی رائے بنانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اور یہ اس کی شخصیت کو مزید تشکیل دیتا ہے۔

چینی تارکین وطن کی مثال: مثال کے طور پر، امریکہ میں چینی تارکین وطن کا ایک بچہ امریکی اسکول گروپ کے مطابق ہوگا۔ بچہ گھر میں اس کے منتظر بہت مختلف ثقافت کے باوجود اسکول گروپ کے تقریری نمونوں، سوچ اور اصولوں کو اپنائے گا۔ یہ، پھر، بچے پر دوسرا بڑا اثر بن جاتا ہے۔

اندرونی عمل: تیسرا — اور یہ وہ جگہ ہے جہاں بچے کے عقائد، اخلاقیات اور دنیا کا نظریہ تیار ہوتا ہے — اندرونی عمل ہے۔ بچہ دنیا کے اپنے تجربے اور اسے ملنے والی رہنمائی کو لیتا ہے اور اندرونی استدلال کا استعمال کرتے ہوئے، اپنے رویے، عقیدے اور سوچ کی رہنمائی کے لیے اپنا ڈھانچہ اور فلسفہ بناتا ہے۔ ہم سب کے اندر اخلاقی معیار ہیں جو ہم اپنے لیے مقرر کرتے ہیں، رہنمائی کی ایک

اندرونی شکل۔ یہ اخلاقی ڈھانچہ اتنا مضبوط ہے کہ ہم بعض اوقات اس کی خاطر خود کو ترک کر دیں گے۔

اندرونی عمل اور اصولوں کو اپنانا: کئی صورتوں میں، اندرونی عمل بااثر شخصیات یا رول ماڈلز کی مثالوں کے ذریعے فراہم کردہ اصولوں کو قبول کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ عمل ایک اصول سیکھنے سے شروع ہوتا ہے، اور پھر بچہ اس کے اور اس کی قدر کے بارے میں اندرونی طور پر تجزیہ اور بحث کرنے کے عمل سے گزرتا ہے۔ آخر کار، بچہ اسے اپنالیتا ہے، اور یہ اندرونی فلسفہ/ڈھانچے میں ضم ہو جاتا ہے جو اس کے اعمال کی رہنمائی کرتا ہے۔ اب اصول طے ہو گیا ہے۔

مذاہب کا مقصد:

مذاہب کا مقصد اسی عمل کا استعمال کرتے ہوئے اپنے اصولوں اور اقدار کو طے کرنا ہے۔ اگرچہ اس طرح سیکھے گئے کچھ مذہبی اصول اچھی نیت سے ہوتے ہیں، لیکن غیر معقول عقائد کا پیکج جو اکثر کسی بھی مذہبی اصول کے ساتھ آتا ہے، اسے اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کی بحثوں سے گزرنے اور دوسروں کے حقوق اور عقائد کو تباہ کرنے کے لیے ایک کند آلہ بنا دیتا ہے۔

سماجی کاری اور شخصیت کی نشوونما: ہم اپنی شخصیت اور رویے کو ان گروہوں کے جواب میں بھی تیار کرتے ہیں جن کے ساتھ ہم خود کو پاتے ہیں۔ جوڈتھ رچ ہیرس نے نوجوانوں میں سماجی کاری اور شخصیت کی نشوونما کے لیے تین طریقہ کار تجویز کیے ہیں، یعنی:

- فائدہ مند تعلقات بنانا اور برقرار رکھنا (رشتہ نظام)۔
- کسی گروپ کا قبول شدہ رکن بننا اور رہنا (سماجی کاری کا نظام)۔

• اپنے حریفوں کے ساتھ کامیابی سے مقابلہ کرنا (سٹیٹس سسٹم)۔

رشتہ نظام: رشتہ نظام میں، ہم ان انفرادی لوگوں کے بارے مں معلومات اور فیصلے جمع کرتے رہتے ہیں جن سے ہم ملتے ہیں یا بات چیت کرتے ہیں۔ ارتقاء نے ہمیں اس طریقہ کار سے اچھی طرح لیس کیا ہے، کیونکہ اگر ہمیں زندہ رہنا ہے، تو ہمیں بہتر طور پر یہ جاننا ہو گا کہ ہم کس سے نمٹ رہے ہیں۔ بالآخر، ہمارے تعلقات ہماری سوچ اور رویے کا ایک بڑا حصہ لیتے ہیں۔

سماجی کاری کا نظام: سماجی کاری کے نظام میں، ہم لوگوں کی مخصوص اقسام کے بارے میں معلومات جمع کرتے ہیں۔ ایک نسل کے طور پر ہماری طاقتوں میں سے ایک تعلق کا احساس ہے۔ ہم میں سے بہت کم لوگ مکمل طور پر اکیلے کام کر سکتے ہیں۔ تنہائی ناخوشی لاتی ہے، جبکہ ایک گروہ سماجی مدد اور تعلق کا احساس فراہم کرتا ہے — چاہے وہ چرچ گروپ ہو، بوائے اسکاؤٹس ٹروپ ہو یا شطرنج کلب ہو۔ ایک گروہ رویے کے ساتھ اصولوں اور ضوابط کو بھی جوڑتا ہے۔ سماجی کاری ایک انتہائی پر کشش عمل ہے، اور ایک بچہ عام طور پر اپنے ساتھیوں کے سماجی رویے کے مطابق ہو گا۔ ایک بار پھر، ارتقاء نے ہمیں یہ یقینی بنانے پر مجبور کیا ہے کہ ہم قبول کیے جائیں، کیونکہ جن کے پاس گروپ نہیں ہے ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے، انہیں کنارے لگا دیا جاتا ہے، اور انہیں تحفظ سے محروم کر دیا جاتا ہے — اس لیے وہ اکثر افزائش نسل کے بغیر جلد ہی مر جاتے ہیں۔ یہاں پیغام یہ ہے کہ سماجی بنیں یا مصیبت اٹھائیں!

سٹیٹس سسٹم: سٹیٹس سسٹم میں، ہم اپنے آپ کا موازنہ اپنے ارد گرد کے لوگوں سے کرتے ہیں۔ ہم خود کو ایک ایسے گروپ میں ایک جگہ پاتے ہیں جہاں ہم پر دوسروں کا غلبہ نہ ہو۔ ہم پوزیشن کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے خود کو

ڈھالتے ہیں۔ جو لڑکی خود کو زیادہ خوبصورت محسوس کرتی ہے وہ زیادہ ملنسار اور پر اعتماد ہو سکتی ہے کہ اس طرح اس پر دوسروں کی توجہ ہے۔ ہمارے رویے ہمارے سٹیٹس اور سٹیٹس کے لیے ڈرائیو کے مطابق تیار ہوتے ہیں۔

اخلاقی نشوونما:

جیسے جیسے ہماری شخصیات مضبوط ہوتی ہیں، اخلاقی نشوونما بھی ہوتی ہے۔ لیکن اخلاقیات بالکل کیا ہیں ——اور یہ کون طے کرتا ہے کہ کیا صحیح ہے یا غلط؟ مذاہب عام طور پر اخلاقیات کی خصوصی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں، چیزوں کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ صرف مذہب ہی اخلاقی اقدار کو یقینی بنا سکتا ہے اور طے کر سکتا ہے۔ وہ خود کو ہمارے اخلاقی نگہبان مقرر کرتے ہیں۔ تاہم، مذاہب تقریباً ہمیشہ اخلاقی رویے کے خام، قدیم ماڈل پیش کرتے ہیں، جو چند تاریخی افراد پر مبنی ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے عقائد، ثقافت اور تکنیکی علم کے مطابق اصول بنائے تھے۔ موسیٰ کی اخلاقیات اور قوانین اس کی ایک اچھی مثال پیش کرتے ہیں۔ آج، وہ اکثر اخلاقی سے کم لگتے ہیں، خاص طور پر نمبر، لیویٹکس اور پرانے عہد نامے کے متن کی دیگر کتابوں کو پڑھنے کے بعد۔ درحقیقت، موسیٰ کے کچھ اعمال آج کے معیار کے مطابق برے لگتے ہیں۔

قدیم، نامکمل اخلاقیات کا سایہ: ان دنوں ہم دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں، لیکن ہم اب بھی ان قدیم، نامکمل اخلاقیات کے سائے میں رہتے ہیں۔

اخلاقیات پیدائش کے وقت سے ہی تیار ہونا شروع ہو جاتی ہیں، اور یہ زیادہ تر بچے کے نگہداشت کرنے والوں اور اس برادری کے سماجی اصولوں سے طے ہوتی ہے جس میں وہ خود کو پاتا ہے۔ لارنس کولبرگ نے اخلاقی نشوونما کو تین سطحوں میں گروپ کیا ہے۔

روایتی اخلاقیات سے پہلے (Pre-Conventional Morality): یہ بچے کے ابتدائی سالوں میں ہوتی ہے، وہ اصولوں کو طے شدہ دیکھتا ہے اور متوقع اخلاقیات کو سمجھنے اور ان کی تشریح کے ذریعہ کے طور پر بیرونی تاثرات (درد، ڈانٹ، انعام) کا استعمال کرتا ہے۔

روایتی اخلاقیات (Conventional Morality): بچے یا نوجوان بالغ اخلاقیات کو اچھے طریقے سے برتاؤ کرنے، معاشرے میں کام کرنے اور اپنے خاندان اور ساتھیوں کی منظوری حاصل کرنے کے طریقے کے طور پر دیکھتے ہیں۔ یہ مزید ارتقاپذیر ہو کر کسی کی ثقافتی اخلاقیات کو معاشرے کے کام کرنے کے فطری طریقے کے طور پر دیکھتا ہے۔

روایتی اخلاقیات کے بعد (Post-Conventional Morality): شخص کو احساس ہوتا ہے کہ اخلاقی معیار سابجیکٹ ہیں، اور یہ کہ کوئی مطلق صحیح یا غلط نہیں ہے۔ کسی معاشرے کے مسلسل کام کرنے کو یقینی بنانے کے لیے اخلاقیات پر اتفاق کیا جاتا ہے، اور بعض اوقات شخص مختلف اخلاقی اقدار کا بھی جائزہ لیتا ہے، جو کسی دوسرے معاشرے کے لیے بہتر ہوتی ہیں۔ اس نے اپنے اخلاقی اصولوں کو اپنی تشخیص اور استدلال کی بنیاد پر قبول اور اندرونی بھی بنایا ہے، جو اس کے معاشرے کے رائج نظریے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

بہت سے لوگ اس تیسرے مرحلے کو کبھی حاصل نہیں کرتے: بہت سے لوگ اس تیسرے مرحلے کو کبھی حاصل نہیں کرتے، یا اگر وہ کرتے بھی ہیں، تو پچھلے مرحلے میں واپس جا سکتے ہیں۔ لہٰذا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ہم ثقافت سے ثقافت میں اخلاقی اقدار کے سیٹوں کے درمیان مختلف حالتیں دیکھتے ہیں۔ ایک ثقافت عریانی پر ناپسندیدگی کا اظہار کر سکتی ہے، جبکہ

دوسری اس کے لیے زیادہ کھلی ہوتی ہے۔ انتہائی صورتوں میں، ہمیں بہت ہی غیر معمولی ثقافتی اقدار مل سکتی ہیں، جیسے کہ برونڈی میں ایک بچہ سپاہی قتل میں حصہ لے رہا ہے۔ اس کی سماجی اور اخلاقی دنیا اس رویے میں کچھ بھی غلط نہیں دیکھتی ہے۔ درحقیقت، یہ اس طرح کے رویے کی حوصلہ افزائی اور منظوری دیتا ہے۔

کچھ آفاقی انسانی اخلاقیات: یقینی طور پر، کچھ آفاقی انسانی اخلاقیات ہیں جو ہمیں تقریباً ہر ثقافت میں ملتی ہیں، کیونکہ وہ ہمیں دوسروں کے ساتھ رہنے کے قابل بناتی ہیں: مثال کے طور پر قتل اور زناکاری کی ممانعت۔ بدقسمتی سے، ہمارے پاس نفسیاتی طور پر پریشان افراد ہیں جو ان اخلاقی قوانین کو توڑتے ہیں، جس کے بعد معاشرہ انہیں فوری طور پر سزا دیتا ہے یا انہیں مجموعی طور پر معاشرے کے لیے خطرہ کے طور پر ہٹا دیتا ہے۔

اخلاقیات انسان ساختہ ہیں: اخلاقیات انسان ساختہ ہیں فطرت اخلاقیات کی پرواہ نہیں کرتی اور نہ ہی کر سکتی ہے۔ فطرت میں، ہم شیروں کے ایک غول کو بھینسے کو زندہ نگلتے ہوئے، یا چھوٹی اولاد کی ماں کو قتل کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔

وہ کردار جو ہم ادا کرتے ہیں:

جب ایک نوجوان بالغ اسکول چھوڑتا ہے، تو اس کی شخصیت کا زیادہ تر حصہ اس کی جینیاتی ساخت، ثقافت، نگہداشت کرنے والوں، ساتھی گروہوں اور عقائد کے نظام سے تشکیل پاتا ہے۔ اس وقت تک، (مثال کے طور پر) پاکستان اور جرمنی میں نوجوان پہلے ہی بہت مختلف ڈھانچے کے ذریعے اپنی زندگیوں کی تشریح کرتے ہیں۔ اس فرد کے لیے اگلی بڑی تبدیلی بلوغت ہے۔ ان کے پہلے چند سالوں میں تشکیل پانے والی شخصیت

اب ایک بالغ کے طور پر اپنی جگہ لینے کے لیے تیار ہے۔ نیا بالغ شاید جلد ہی خود ایک نگہداشت کرنے والا بن جائے گا، اور اسے اپنے اور اپنے خاندان کو سہارا دینا ہوگا۔

زندگی کے مختلف راستے: بے شمار متغیرات شامل ہیں — مثلاً دوست بنانا، زندگی کا ساتھی ملنا، نوکری تلاش کرنا۔ ہم سب کو زندگی میں مختلف راستوں پر گامزن کرتے ہیں۔ کبھی شرمیلی لڑکی ایک کامیاب کمپنی ایگزیکٹو بن جاتی ہے۔ پیاری اور مشہور لڑکی کا انجام ایک بدسلوکی کرنے والے شوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اپنے پرانے ہم جماعتوں سے ملنا اور ان کے بارے میں سننا ان بہت سے راستوں کا گواہ ہے جن پر ہم سب چلتے ہیں۔ ہمارے راستے اور تجربات ہمیں مزید تشکیل دیتے ہیں کیونکہ ہم زندگی میں دوسرے مقامات سے گزرتے ہیں: بچے پیدا کرنا، شادی کرنا، نئی نوکری تلاش کرنا، ریٹائر ہونا۔

زندگی بھر مختلف کردار: ہم زندگی بھر مختلف کردار بھی ادا کرتے ہیں، کردار کے لیے مخصوص اصولوں اور ضوابط پر عمل کرتے ہیں۔ ایک عورت اپنے بچوں کے لیے ماں کا کردار ادا کر سکتی ہے، جس کردار میں اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ دیکھ بھال کرنے والی، پرسکون اور صبر کرنے والی ہوگی۔ وہ ایک استاد بھی ہو سکتی ہے، اس صورت میں اسے پختہ، فیصلہ کن اور بعض اوقات سخت ہونا چاہیے۔ رات کو وہ ایک عاشق ہو سکتی ہے، جس پر وہ شہوانی، شرارتی ہو جاتی ہے۔

دفتر کے مینیجر کی مثال: اسی طرح، ایک دفتر کے مینیجر کو کام پر سخت اور خوفناک ہونے کے طور پر جانا جا سکتا ہے، جبکہ اس کی اپنی ماں اسے ایک پیار کرنے والے اور دیکھ بھال کرنے والے نوجوان کے طور پر دیکھتی ہے۔

بیرونی دنیا میں مضبوط رہنا: بیرونی دنیا میں مضبوط اور ثابت قدم رہنا کوئی آسان کارنامہ

نہیں ہے۔ ہر فرد کو اپنے ارد گرد کی ثقافت سے بات چیت کرنے کے طریقے تلاش کرنے چاہئیں، ہمیشہ تعلق، قبولیت اور مقصد کے احساس کی تلاش (اور امید ہے کہ تلاش) کرنا چاہیے۔ "میں" ہمیشہ خود کی تصدیق کے لیے محبت اور قبولیت کی تلاش میں رہتا ہے۔ ہم سب اپنے اندر ایک مثالی خود (جس طرح ہم بننا چاہتے ہیں) اور حقیقی خود کا تصور رکھتے ہیں۔ ہم اپنا جائزہ لیتے رہتے ہیں، اور اگر ہم خود کو ناکام کرتے ہیں، تو ہم مایوس ہو سکتے ہیں۔ ذاتی طور پر، میں ایسا بننا چاہتا ہوں جو جلدی اٹھے اور پیداواری کام کرے۔ بعض اوقات میں کامیاب ہو جاتا ہوں اور اپنے بارے میں اچھا محسوس کرتا ہوں۔ دوسری بار میں ناکام ہو جاتا ہوں، اور اپنے بارے میں برا محسوس کرتا ہوں۔

مذہب اور متوقع رویہ: مذہب بھی متوقع رویہ طے کرتا ہے۔ اور ماننے والا ہمیشہ اپنے حقیقی خود اور اپنے مذہبی عقائد کے مطلوبہ مثالی ماڈل کے درمیان مسلسل جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ چونکہ ایک خدا اور آخرت شامل ہے، اس لیے جدوجہد بہت تکلیف دہ اور شدید ہو سکتی ہے، خاص طور پر اگر کچھ اہداف آسانی سے (یا کبھی بھی) حاصل نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ ماننے والا خود کو ایسی حالت میں بھی پا سکتا ہے جہاں اسے خوف ہو کہ اس نے شاید کوئی چھوٹی سی چیز کھو دی ہے، اور اس کے جواب میں اس کا خدا اسے سزا دے گا۔ ہر قدم کو تول کر اور جانچا جاتا ہے، اس صورت میں کہ یہ مثالی مذہبی خود کی خلاف ورزی ہے۔

بے شمار نظریات اور عقائد:

اس وسیع و عریض قسم کے اندر، ہمیں اتنے مختلف نظریات اور عقائد ملتے

ہیں کہ وہ سب بے شمار ہیں۔ کچھ اس ثقافت اور معاشرے کے نتیجے میں ابھرتے ہیں جس میں ایک شخص پیدا ہوا تھا۔ کچھ وہ اپنے نگہداشت کرنے والوں سے، کتابیں پڑھنے سے، ٹیلی ویژن دیکھنے سے، یا اپنے اندرونی عقائد کا جائزہ لینے سے حاصل کرتا ہے۔ ایک شخص نے اپنی زندگی میں کفایت شعار ہونے کی خواہش کو اندرونی بنایا ہوگا۔ دوسرے نے کبھی کسی کو تکلیف نہ پہنچانے کی خواہش کو اندرونی بنایا ہوگا۔ دنیا مختلف اور اکثر متضاد عقائد اور عقائد سے بھری ہوئی ہے۔ لہٰذا، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ دنیا کی تاریخ تنازعات کا تقریباً ایک بے لگام نقشہ ہے، جو اکثر مذہبی اختلافات کی وجہ سے شروع ہوتا ہے۔

ہم سب کے پاس تقریباً ہر موضوع پر قائل کرنے یا رویے ہوتے ہیں: ہم سب کے پاس تقریباً ہر موضوع پر قائل کرنے یا رویے ہوتے ہیں، سیاست اور شادی سے پہلے جنسی تعلقات سے لے کر بچے کی پرورش کیسے کی جائے اور یہ دنیا کیسے وجود میں آئی۔ ہم جانتے ہیں کہ والدین کا اپنے بچوں کے رویوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے، اگر صرف اس لیے کہ وہ متوقع رویے کے لیے تعریف اور انعام کا استعمال کرتے ہوئے اپنے رویے کو پہنچاتے ہیں۔ بچوں کے رویے زیادہ تر اپنے والدین کی عکاسی کرتے ہیں۔ دوست بھی رویے پیدا کر سکتے ہیں، اور بعض اوقات یہ اتنے مضبوط ہو سکتے ہیں کہ والدین کی جگہ لے لیں۔ یہ مذہب کی گرفت کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ مذہبی والدین کے بچوں کے اپنے والدین کے مذہبی رویے ہوتے ہیں، اور اکثر وہ ان پر یقین رکھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ حقائق کیا ہیں۔

دنیا کے بارے میں مختلف رویوں کے اس معمے کو حل کرنے کے بارے میں ہم کیسے جاتے ہیں؟: تمام اکاؤنٹس کے ذریعے، بہترین حل یہ ہے کہ ہم اپنی جذبات اور

تعصبات کو اس عمل کو خراب کرنے کی اجازت دیے بغیر، حقائق اور وجہ کا استعمال کرتے ہوئے سب سے زیادہ قابل فہم وضاحتوں اور عقائد تک پہنچیں۔

شخصیت کی خصوصیات: ہمیں اس سوال پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے پاس پہلی جگہ میں مختلف شخصیت کی خصوصیات کیوں ہیں۔ اس بات کے بڑھتے ہوئے شواہد ہیں کہ موجودہ شخصیت کی خصوصیات ہمارے ارتقائی ماضی کے نتیجے میں تیار ہوئی ہیں۔ ایک Extrovert ہونے کے ناطے ایک شخص دوسروں کے ساتھ آسانی سے مل جل سکتا ہے اور دوسروں کی صحبت تلاش کر سکتا ہے، ایک ایسی خصوصیت جو (دوسری چیزوں کے علاوہ) ایک فرد کو افزائش نسل کا فائدہ فراہم کرتی ہے۔ دوسری طرف، خوش مزاجی کی خصوصیت (مثلاً ہمدرد اور تعاون کرنے والا ہونا) ایک شخص کو زیادہ قبول کرنے میں مدد کرتی ہے، جس سے برادری کی طرف سے تحفظ کا امکان بڑھ جاتا ہے، ایک بار پھر ان کی بقا کو یقینی بناتا ہے۔ کھلے پن، عقل اور تخلیقی صلاحیت کسی شخص کو زندہ رہنے یا افزائش نسل کے ساتھی جیتنے کے جدید اور چالاک طریقے تلاش کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔

انسانی آبادی میں شخصیت کی خصوصیات: انسانی آبادی ان مختلف شخصیت کی خصوصیات سے بھری ہوئی ہے، ان میں سے کوئی بھی اتنا غالب نہیں ہے کہ دوسروں کو حذف کر دے۔ اگر آبادی کا ہر فرد مہربان اور تعاون کرنے والا ہوتا، تو چند دھوکے باز دوسروں کے نقصان کے لیے اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے۔ یہ دھوکے باز ناگزیر طور پر تعداد میں بڑھ جائیں گے۔ اسی طرح، Impulsiveness — جس کے کچھ حالات میں کچھ افراد میں اپنے فوائد ہیں — اگر ہر کوئی اس خصوصیت کو برداشت کرتا ہے تو جلد ہی پوری آبادی

کی موت کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ وہ ممکنہ طور پر خطرناک فیصلے کرنے سے پہلے تمام حقائق کو مد نظر نہیں رکھتے۔

بنیادی شخصیت کی اقسام: بالآخر، انسانی آبادیوں میں موجود شخصیت کی خصوصیات جینیاتی خصوصیات کا اظہار ہیں جن کا آبادی یا انواع کی بقا کے ساتھ ساتھ ان افراد کے لیے بھی کچھ فائدہ تھا جو انہیں ابتدا میں برداشت کرتے تھے۔ در حقیقت، ارتقاء نے جدید انسانی نسل کے اندر کئی بنیادی شخصیت کی اقسام پیدا کی ہیں۔ نفسیاتی محققین نے بڑے پیمانے پر پانچ زمروں کی درجہ بندی کی ہے، جنہیں ایک وسیع ٹیسٹ کے استعمال کے ذریعے ظاہر کیا جا سکتا ہے جس میں فرد ہر قسم پر پوائنٹس حاصل کرتا ہے، جس میں سب سے زیادہ سکور اس کی سب سے غالب خصوصیات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایک بار پھر، اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ یہ وسیع زمروں ہیں۔

شخصیت کی اقسام:

انسانی شخصیات پانچ وسیع شعبوں میں موجود ہیں: Extraversion، Agreeableness، Conscientiousness، Neuroticism اور Openness

ہم سب کچھ حد تک پانچوں خصوصیات کے حامل ہیں، جن میں سے ایک دوسروں کے مقابلے میں زیادہ غالب ہے۔

1. **Extraversion:** دوسروں کی صحبت تلاش کرنے اور ان کے ساتھ رہنے سے لطفِ اندوز ہونے کا رجحان ہے۔ Extraverts کو عام طور پر عمل پر مبنی اور توانا سمجھا جاتا ہے۔ اس میں سماجی اور باتونی ہونا، اور اپنے جذبات کا اظہار کرنا جیسی خصوصیات شامل ہیں۔

2. **Agreeableness**: اس میں ہمدردی، تعاون اور دوسروں کے ساتھ ملنے کی قدر شامل ہے۔ ان لوگوں کو دوستانہ اور مددگار کے طور پر دیکھا جاتا ہے، اور وہ اپنی بجائے دوسروں کے مفادات کو ترجیح دے سکتے ہیں۔
3. **Conscientiousness**: اس خصوصیت پر زیادہ سکور کرنے والے منظم ہوتے ہیں، اور بے قابو اقدامات کرنے کے بجائے احتیاط سے منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ وہ سوچنے والے اور خود نظم وضبط والے ہوتے ہیں، جن کا خود پر اچھا کنٹرول ہوتا ہے، اور اہداف طے کرنا پسند کرتے ہیں۔
4. **Neuroticism**: ان افراد کو منفی جذبات جیسے اضطراب اور ڈپریشن کنٹرول کر سکتے ہیں۔ وہ بعض اوقات آسانی سے غصے اور بدمزاج، اور یہاں تک کہ جذباتی طور پر غیر مستحکم بھی ہو سکتے ہیں۔ زندگی میں چیلنجز کو منفی سمجھا جاتا ہے۔
5. **Openness**: اس خصوصیت والے لوگ نئے خیالات کے لیے کھلے ہوتے ہیں اور فکری طور پر متجسس ہوتے ہیں۔ ان افراد میں تخیل اور بصیرت زیادہ ہوتی ہے، اور وہ فن اور خوبصورتی کی بھی تعریف کر سکتے ہیں۔ وہ غیر روایتی خیالات رکھ سکتے ہیں اور بہت تخلیقی ہو سکتے ہیں۔

ارتقائی ترقی کے ذریعے، ہم نے ایک بہت ہی گہرا اور حساس جذباتی پتہ لگانے والا نظام بھی تیار کیا ہے: چہروں کے ہجوم میں، ہم جلدی سے غصے والے چہرے کی شناخت کر سکتے ہیں۔ لوگوں کے ایک گروہ میں خود کو پانے پر، ہم اپنے اردگرد کے لوگوں کو پڑھتے ہیں اور ان کی شخصیت کی اقسام کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ ہم ان کی شخصیت کی خصوصیات کی بنیاد پر افزائش نسل کے ساتھی تلاش کرتے ہیں، اور یہ پھر ہماری زندگی کے معیار کا تعین بھی کرتے

ہیں۔ وہ عورت جو کم Conscientiousness والا ساتھی منتخب کرتی ہے وہ خراب ملازمت کی کارکردگی اور آمدنی میں کمی کی قیمت ادا کر سکتی ہے۔ Agreeableness سکور پر زیادہ فرد خود کو کسی گروہ یا دوستوں کی طرف سے آسانی سے قبول کر لے گا۔

ہماری زندگیوں کا بہت زیادہ انحصار ہماری دوستیوں، اتحادوں اور شراکت داری پر ہے: ہم نے زندہ رہنے کے بے شمار طریقے تیار کیے ہیں۔ ہم میں سے کچھ مہربان اور ہمدرد ہیں، بقا کی حکمت عملی کے طور پر گروپ کی طرف سے قبولیت کی اجازت دینے کے لیے۔ ہم میں سے کچھ جارحانہ اور بدسلوکی کرنے والے ہیں، کیونکہ یہ خصوصیات غلبہ کی ایسی صورتحال پیدا کر سکتی ہیں، جس نے کسی موقع پر، افراد کو زندہ رہنے میں مدد کی۔ ہم جانوروں میں بھی شخصیت کی خصوصیات پاتے ہیں، جیسا کہ ہم سب نے پالتو جانوروں کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے۔ تاہم، انواع کی دماغی نشوونما جتنی زیادہ ہو گی، شخصیت کی خصوصیات کی موجودگی اتنی ہی مضبوط ہو گی۔

قدیم مذاہب کے آخری 100 سال:

گزشتہ دو سو سالوں میں ہم نے جو علم جمع کیا ہے اس نے ہمارے مذہبی ماڈلز کو تیزی سے خطرے میں ڈال دیا ہے —اس مقام تک کہ مذاہب اور سائنس کے درمیان موجودہ فرق ناقابلِ تلافی ہو گیا ہے، اور مذہب کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے۔ اس نے مذہبی زمین کی تزئین کو بہت زیادہ متاثر کرنا شروع کر دیا ہے۔ لوگ 1) اپنے مذہبی عقائد کے حق میں سائنسی حقائق کو نظر انداز کر کے نمٹتے ہیں۔ 2) تبدیل شدہ عقائد کے نظام کے ساتھ اپنے آپ میں کچھ سمجھ بوجھ تلاش کرنا۔ یا 3) کسی مخصوص

مذہب سے اپنی جذباتی وابستگی کو توڑنا۔

سائنس بمقابلہ مذہب: جہاں پہلے مذہب دنیا کی تخلیق کی وضاحت کرتا تھا، اب سائنس اس کے وجود میں آنے کے بارے میں بہتر اور زیادہ مستقل فہم فراہم کر رہی ہے۔ مذہب نے پہلے انسانی رویے کی وضاحت اور ترتیب دی تھی۔ اب اس کی جگہ اس علم نے لے لی ہے کہ ہم انسان کیسے کام کرتے ہیں اور ہم مخصوص طریقوں سے کیوں کام کرتے ہیں۔ خدا پہلے ناانصافی کے لیے حتمی اصلاح کنندہ تھا—یعنی، وہ برائی کو جہنم سے سزا دے گا، اور نیکوں کو جنت سے نوازے گا۔ اب اس مذہبی آمریت کی جگہ انسانی قانونی نظام نے لے لی ہے، جہاں قابلِ قبول انسانی اقدار کو غلط کام کرنے والوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

مذہبی ماڈل اب خود کو برقرار نہیں رکھ سکتا: مسلسل بڑھتی ہوئی جانچ پڑتال کے تحت چلتے ہوئے، یہ اگلے 100 سالوں میں تبدیل یا غائب ہونے کے لیے پابند ہے۔ تبدیلی پہلے ہی جاری ہے۔ لیکن ہم یہ جان کر تسلی لے سکتے ہیں کہ ہمارے مذاہب کا ارتقاء کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اگر ہم اپنے ماضی میں پیچھے مڑ کر دیکھیں تو ہمیں جلد ہی احساس ہو جائے گا کہ مذہب تغیر پذیر ہے، مسلسل تبدیل اور ترقی کر رہا ہے، اور ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے۔

مذہبی عقائد کا ارتقاء: ہم نے حال ہی میں نسبتاً مستحکم مذہبی عقائد کا ایک طویل عرصہ گزارا ہو گا، لیکن ہم تبدیلی کے دہانے پر ہیں۔ ہمارے پہلے مذاہب کو یاد رکھیں، جنہیں ہمارے آباؤ اجداد جادو اور روحانیت کے ذریعے اپنے اردگرد کی دنیا کو سمجھنے اور سمجھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان مذاہب میں، غیر مرئی دنیا سے رابطہ کرنے کے لیے رسومات استعمال کی جاتی تھیں،

اور بعد میں مادی دنیا پر اثر انداز ہونے یا اسے متاثر کرنے کے لیے۔ ہمارے بہت سے خدا ان ابتدائی قدیم مذاہب سے تیار ہوئے یہاں تک کہ وہ منحوس، قادر مطلق دیوتاؤں میں تبدیل ہو گئے جن پر آج بہت سے لوگ یقین رکھتے ہیں۔ ان کے متوازی، دوسرے مذہبی ڈھانچے تیار ہوئے ـــ مثلاً بدھ مت، کنفیوشس وغیرہ۔

ہم نے حال ہی میں نسبتاً مستحکم مذہبی عقائد کا ایک طویل عرصہ گزارا ہو گا، لیکن ہم تبدیلی کے دہانے پر ہیں۔ ہمارے پہلے مذاہب کو یاد رکھیں، جنہیں ہمارے آباؤاجداد جادو اور روحانیت کے ذریعے اپنے اردگرد کی دنیا کو سمجھنے اور سمجھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان مذاہب میں، غیر مرئی دنیا سے رابطہ کرنے کے لیے رسومات استعمال کی جاتی تھیں، اور بعد میں مادی دنیا پر اثر انداز ہونے یا اسے متاثر کرنے کے لیے۔ ہمارے بہت سے خدا ان ابتدائی قدیم مذاہب سے تیار ہوئے یہاں تک کہ وہ منحوس، قادر مطلق دیوتاؤں میں تبدیل ہو گئے جن پر آج بہت سے لوگ یقین رکھتے ہیں۔ ان کے متوازی، دوسرے مذہبی ڈھانچے تیار ہوئے ـــ مثلاً بدھ مت، کنفیوشس وغیرہ۔

مذہب سے ماورا دنیا میں منتقلی: مذہب سے ماورا دنیا میں منتقلی پہلے ہی ہو رہی ہے، روایتی مذہب کو اس کی جڑوں تک ہلا رہی ہے۔ اگلی صدی کے دوران، کائنات کے بارے میں حقیقت پسندانہ عقائد، جو ہمارے علم اور عقل پر مبنی ہیں، ہمارے قدیم مذاہب اور ان کے خداؤں کی جگہ لینا شروع کر دیں گے۔ مذہب کے کسی بھی باقی ماندہ آثار اپنے عقیدے میں نمایاں طور پر مختلف ہوں گے، کیونکہ انہیں ہمارے سائنسی علم کو شامل کرنا شروع کرنا پڑے گا یا مکمل طور پر غائب ہو جانا پڑے گا۔ اب سے سو سال بعد، ہمارا مذہب نمایاں

طور پر تبدیل ہو جائے گا، موجودہ مذاہب کمزور ہو جائیں گے اور اکثریت کی جگہ خود اور دنیا کے بارے میں ایک نئی سمجھ بوجھ لے گی۔

مختلف مذاہب کے درمیان تناؤ: مختلف مذاہب کے درمیان تناؤ، قدرتی دنیا کو مناسب طریقے سے بیان کرنے میں ان کی ناکامی، اور کائنات اور زندگی کے کام کرنے کے بارے میں ہماری بڑھتی ہوئی سمجھ بوجھ کے لیے ضروری ہے کہ ہم تبدیل ہوں، اپنے صوفیانہ، قدیم خداؤں سے آگے بڑھ کر دنیا اور اپنے بارے میں ایک نئی اور جدید فہم کی طرف بڑھیں۔ خدا، اگر وہ موجود ہیں، تو ہمیشہ اپنے انسانی مضامین کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے جسمانی طور پر نمودار ہو سکتے ہیں۔ یہ ان پر منحصر ہے!

لیکن ہم نے کم از کم پچھلے 2,000 سالوں میں ان خداؤں کو نہ تو دیکھا ہے اور نہ ہی سنا ہے۔ اور کوئی بھی دعویٰ اس کے برعکس دعووں سے زیادہ کچھ نہیں ہے، مکمل طور پر ناقابل اصلاح۔ ہمارے خدا کبھی ہمارے سامنے نہیں آئے اور نہ ہی کبھی آئیں گے۔ ہم نے انہیں تخلیق کرنے اور ان پر یقین کرنے میں خود کو بیوقوف بنایا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی روحانی اور ثقافتی ترقی کے اگلے مرحلے کی تجویز اور تشکیل دیں۔

نیا غیر مذہبی ڈھانچہ:

کائنات کے بارے میں اپنے موجودہ علم، زندگی کی نشوونما اور خود کی سمجھ بوجھ کا استعمال کرتے ہوئے، ایک نیا ثقافتی ڈھانچہ تجویز کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ معلومات ہمیں بتاتی ہیں:

- نظام شمسی 4.6 بلین سال پہلے تخلیق ہوا تھا جب بیرونی خلا میں دھول

اور گیس کا ایک بادل گرنے لگا تھا، ممکنہ طور پر کسی قسم کی شاک ویو (ممکنہ طور پر نووا یا سپر نووا کی وجہ سے) اور اس کی اپنی کشش ثقل کے تعامل کی وجہ سے۔

- زمین پر زندگی 3.4 بلین سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ یہ بہت سادہ زندگی تھی، جو فٹ ترین کی بقا کے طریقہ کار کا استعمال کرتے ہوئے بتدریج زیادہ پیچیدہ ہوتی گئی۔
- ہماری اپنی نسل 200,000 سال پہلے نمودار ہوئی تھی، جو تقریباً 4 ملین سال پہلے نمودار ہونے والی بہت سی Hominid انواع میں سے ایک ہے۔
- کائنات طبیعیات، کیمیا اور دیگر طبعی علوم کے قابلِ پیش گوئی اور دریافت کرنے کے قابل قوانین کے زیرِ حکومت ہے۔
- مذہب کے برعکس، سائنس ابھی تک سب کچھ نہیں جانتی ہے۔ اور نہ ہی یہ ایسا دعویٰ کرتی ہے۔ عظیم اسرار میں شامل ہیں:
  - کائنات سب سے پہلے کیوں اور کیسے وجود میں آئی۔
  - پہلی بنیادی زندگی کی شکل کیسے وجود میں آئی۔

ہمارے پاس ان اسرار کے بارے میں خیالات ہیں: اور ایک بار پھر، خدا کی پرانی وضاحت پر واپس آنا آسان ہو گا جو مندرجہ بالا سب کے ذمہ دار ہیں۔ تاہم، خداؤں کا مفروضہ ناکام ہو جاتا ہے، کیونکہ ہم انہیں دیکھ یا تلاش نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس صدیوں سے ہمارے لیے مندرجہ ذیل کو بیان کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے:

1. انسانی نسل غیر ہدایت یافتہ ارتقاء کا نتیجہ ہے، پہلی بنیادی زندگی کی شکلوں سے لے کر زیادہ پیچیدہ تک۔ یہ عمل اب بھی جاری ہے اور

فطرت میں قابلِ مشاہدہ ہے۔

2. ہم کائنات میں رائج حالات اور طبعی قوانین کے مطابق تیار ہوئے۔ حالات خاص طور پر ہماری موجودگی کی اجازت دینے کے لیے مقرر نہیں کیے گئے تھے۔

3. کوئی مافوق الفطرت خدا نہیں ہیں۔ ہمارے اردگرد کی دنیا، اور اس سے آگے کی کائنات، طبعی قوانین کے تعاملات کے نتائج کی بنیاد پر ارتقا پذیر ہوئی ہے۔

4. مافوق الفطرت کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہم بیان نہیں کر سکتے وہ اس وقت ہمارے ناکافی علم کی وجہ سے ہے، اور اس کی وضاحت بعد میں کی جاسکتی ہے۔

5. ہم مافوق الفطرت اثرورسوخ کے بغیر اپنے انسانی مقاصد کی وضاحت کرتے ہیں۔

6. علم سائنسی تجزیہ، مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ متضاد مقدس متنوں سے جو سینکڑوں سال بعد کمیٹی کے ذریعے مرتب کیے گئے تھے۔

7. انسانی شخصیت حیاتیات اور کیمیا کا ایک کام ہے۔ یہ موروثی خصوصیات (وراثت میں ملنے والے جینز کے ذریعے) کے ایک مخصوص سماجی ماحول کے ساتھ تعامل کے ذریعے تشکیل پاتا ہے۔

8. اخلاقیات اور اقدار معاشرے کے انسان ساختہ کام ہیں، جن کا مقصد یہ یقینی بنانا ہے کہ ہم ہم آہنگی کے ساتھ رہ سکیں۔

9. آخرت یا روح کا کوئی حقیقی ثبوت نہیں ہے۔ تاہم، یہ ہمیں فکر مند

نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی آخرت ہے تو یہ سب کے لیے دستیاب ہوگی اور سب کے لیے قابلِ رسائی ہوگی۔ اسے حاصل کرنے کے لیے کسی کو مخصوص عقیدہ یا خدا کو اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نیا غیر مذہبی فریم ورک:

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ہمارے موجودہ مذاہب اور زندگی میں ہمارے مقصد کے بارے میں ان کے تصورات سے ایک بنیادی تبدیلی ہے۔ کوئی عظیم منصوبہ نہیں ہے، صرف وہ منصوبہ ہے جو ہم اپنے اور اپنے معاشروں کے لیے بناتے ہیں۔ ہماری مدد کے لیے کوئی سپر پاور والا خدا موجود نہیں ہے۔ ہم جو کچھ بھی انجام دیتے ہیں اس کے لیے ہمیں کریڈٹ یا الزام قبول کرنا چاہیے۔ ہم چھوٹے اور بے نقاب ہو کر کھڑے ہیں، کیونکہ اب ہمیں احساس ہے کہ اس وسیع کائنات میں ہم کتنے تنہا اور چھوٹے ہیں۔ پھر بھی، اس کے نتیجے میں، ہم زیادہ آزاد ہیں، مستقبل کے لیے بہتر طور پر لیس ہیں۔ ہم وسیع کائنات میں پیچیدہ زندگی کا ایک مشعل بن گئے ہیں — جہاں تک ہم جانتے ہیں، واحد ایسا مشعل — اور یہ وہ ذمہ داری ہے جو ہمارے کندھوں پر بھاری ہے۔ اگر ہم زمین پر جو کچھ رکھتے ہیں اسے کھو دیتے ہیں، تو پیچیدہ زندگی کائنات سے ہمیشہ کے لیے کھو سکتی ہے۔ ہمارے خداؤں کے افسانے کے بے نقاب ہونے کے ساتھ، ہم نفسیاتی اور جذباتی طور پر اپنے لیے زندگی کا معنی تلاش کرنے پر مجبور ہیں۔ **ہمیں اب خداؤں کو مقصد دینے کے لیے نہیں دیکھنا چاہیے:** اب یہ ہماری واحد ذمہ داری ہے، جو انفرادی سطح تک منتقل ہوتی ہے۔ یہ ہم میں سے ہر ایک پر منحصر ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو معنی دینے کا طریقہ فیصلہ کرے، اور ان زندگیوں کو خلوص اور پیار سے گزارنا سیکھے۔ سوال اب یہ نہیں ہے کہ

"زندگی کا کیا مطلب ہے؟" اب یہ ہے کہ "میری زندگی کا کیا مطلب ہے؟" ہر صورت میں، انا کو جذباتی درد اور چیلنجز پر قابو پانے کے طریقے تلاش کرنے چاہئیں جو زندگی کے ساتھ ہیں۔ ہمیں اس زندگی کو گزارنے، ذاتی تکمیل تلاش کرنے، اپنے ارد گرد کے لوگوں کو جاننے اور بالآخر زندگی اور انسانیت کی بہتری کی خواہش کرنے کی ذمہ داری لینی چاہیے۔

کیونکہ سب سے بڑھ کر، انسان سماجی جانور ہیں، قبولیت اور تصدیق تلاش کرنے کے لیے ان کے ارد گرد دوسروں کی ضرورت ہوتی ہے: خدا کی عقیدت اور اطاعت کا پچھلا دور اب زندگی، عقل، علم، انسانیت اور سائنس کے تصور سے بدل رہا ہے۔ اب ہم اپنی فلاح و بہبود، عام طور پر انسانیت کی فلاح و بہبود، زندگی اور علم و سائنس کی ترقی پر زور دیتے ہیں۔ آراء اور عقائد سائنس، منطق اور عقل کی بنیاد پر تشکیل پاتے ہیں، اور مثالی طور پر ہمارے جذبات، غیر معقول عقائد، یا مافوق الفطرت سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک علم اور عقل سے ثابت نہ ہو جائے کوئی چیز سچ نہیں ہے۔

ہم قدیم تعلیمات سے انسانی شعور کی آزادی کے لیے جاگ رہے ہیں: ہم غیر منطقی اور جہالت پر مبنی قدیم تعلیمات سے انسانی شعور کی آزادی کے لیے جاگ رہے ہیں۔ ہم انسان بن رہے ہیں — ارتقاء کا عروج، ہمارے اپنے سائنسی عہدہ کا سچا "عقلمند، عقلمند انسان"۔ ہم وسیع کائنات میں شعور کی نمائندگی کرتے ہیں — شاید یہ واحد ایسا مینار ہے۔ ہمارے پاس پہلے سے ہی دنیا کو بدلنے کا علم ہے، اچھے یا برے کے لیے، ایسے طریقوں سے جن کا قدیم خداؤں کے تخلیق کاروں نے کبھی خواب نہیں دیکھا تھا۔

ہم خود خدا بن گئے ہیں:

یہ ہمیں کیسے بدلے گا؟ آیئے جم نامی ایک فرضی شخص پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جم ہم میں سے بہت سے لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے: اس کے پاس ایک اوسط ملازمت، دوست اور ایک خاندان ہے۔ خداؤں کے زمانے میں، جم کے مندرجہ ذیل عقائد تھے: ایک خدا ہے جس کی مجھے خدمت کرنے کی ضرورت ہے، اور ایک کتاب بھی ہے جس میں ان اصولوں پر مشتمل ہے جو مجھ سے توقع کی جاتی ہے۔ کبھی کبھار میں ایسی جگہ جاتا ہوں جہاں مجھے دوسرے لوگ اسی خدا پر یقین رکھتے ہوئے ملتے ہیں۔ مل کر ہم کسی کو اپنے خدا کے بارے میں اور مجھ سے کیا توقع کی جاتی ہے اس کے بارے میں سنتے ہیں تاکہ میرے خدا کے مطابق زندگی گزاریں۔

جم کے ساتھی ہیں جن کے دوسرے عقائد ہیں: وہ ان کے لیے افسوس محسوس کرتا ہے، کیونکہ اس کا ماننا ہے کہ وہ غلط راستے پر ہیں۔ اسے سکھایا گیا ہے کہ اس کا خدا ہی واحد سچا خدا ہے۔ جم ان سائنسی دریافتوں کو بھی ہم آہنگ کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے جن سے اسے آگاہ کیا گیا ہے جس طرح سے اسے سکھایا گیا ہے۔ جم موت سے ڈرتا ہے، لیکن اسے امید ہے کہ اپنے خدا کو خوش کر کے اور اس سے جو کچھ مطلوب ہے وہ کر کے، یہ خدا اسے آخرت عطا کر سکتا ہے۔

اب آیئے جم کو خداؤں کے بعد کے نئے دور میں دیکھتے ہیں: اس جم کے پاس بھی ایک اوسط ملازمت، دوست اور ایک خاندان ہے۔ جم خداؤں سے واقف ہی نہیں ہے، کیونکہ یہ بہت پہلے کے دور کا عقیدہ تھا۔ جم سمجھتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اور وہ زمین پر زندگی کی قابل ذکر طور پر متنوع کثرت کا باعث

بننے والے ارتقاء کے شاندار عمل پر حیران اور فخر کرتا ہے۔ جم کے پاس ارتقاء اور اپنے اردگرد کی دنیا کے بارے میں ایک مناسب فہم ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ نظام شمسی اور زمین کیسے بنے، اور اسے یہ خیال دلچسپ اور منطقی لگتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو اس کی وضاحت کرنے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ جم زندگی اور دنیا اور کائنات کی خوبصورتی کا بھی معترف ہے، اور وہ اس کی جیونت کو اپنے اردگرد محسوس کرتا ہے۔

جم کے پاس اخلاقی اقدار کا ایک مجموعہ ہے جسے اس نے برسوں پہلے اندرونی بنایا تھا، اپنے بچپن اور ابتدائی بلوغت کے دوران: یہ اخلاقی اقدار جم کو اس برادری میں جگہ تلاش کرنے میں مدد کرتی ہیں جس میں وہ رہتا ہے، اور دوسرے افراد اور اس کے خاندان کے ساتھ اس کے تعامل میں بھی۔ جم جانتا ہے کہ ایک دن وہ مر جائے گا، اور اس میں شامل حیاتیاتی عمل کو سمجھتا ہے۔ اسے آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ اگر کوئی آخرت ہے تو وہ سب کے لیے ہوگی۔ وہ اپنی موجودہ زندگی میں معنی تلاش کرتا ہے، اسے پوری طرح جیتا ہے، اور اس دنیا کو واپس دیتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زندگی ایک شخص کو بہت سے مواقع فراہم کرتی ہے، اور یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ اس حقیقت کا پورا فائدہ اٹھائے۔

جیسے جیسے ہم زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ اور معنی تلاش کرتے ہیں، ہمارا معاشرہ اور ثقافت دوسرے جم کی عکاسی کرنا شروع کر دیں گے: زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک نے پہلے ہی مذہب کو حکومت سے الگ کر دیا ہے، اور فیصلے کرنے کے لیے عقل اور حقیقت کو استعمال کرنے کے لیے ڈھانچے موجود ہیں — مثلاً قانونی نظام اور آئینی عدالتیں۔ جیسے جیسے قدیم مذاہب بے گھر ہوتے جائیں گے، ممالک

خدا کے موجودہ تعصب کے بجائے عقل اور انسانی سیکولرزم کا موقف اپنانا شروع کر دیں گے۔ باقی ماندہ مذاہب خود کو عقل، عقلیت اور انصاف کے انتظامی نظام میں موجود پائیں گے ۔۔آج کے رائج حالات کے بالکل برعکس، جس میں عقل اور سائنس کو مذہبی عقیدے اور غیر معقول نظریے کے چھتری تلے رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عقل اور عقلیت کی نئی بیداری ہر ملک کے نظم و نسق کے ڈھانچے کو طے کرے گی: بشمول اس کے کہ وہ دنیا کے ساتھ کیسے تعامل کرتا ہے۔ ایک بار پھر، یہ کوئی غیر فعال فلسفہ نہیں ہے۔ یہ ممالک جارحیت کے خلاف خود کا دفاع کرنے کے لیے، اگر ضرورت ہو تو، جارحانہ انداز میں کام کریں گے، بشمول غیر مشروط عقیدے، بے بنیاد توہم پرستی، دوسروں کے خاتمے کا مطالبہ کرنے والے عقائد، نفرت، اور دیگر تباہ کن فلسفوں سے پیدا ہونے والی جارحیت ۔۔جن میں سے بہت سے کی افسوسناک طور پر الہیاتی بنیاد ہے۔

ہم تصور کر سکتے ہیں کہ ایسے ملک میں مداخلت، تعصب یا جذبات کے بغیر معاملات کو دیکھنے کے لیے ایک غیر جانبدار اور معروضی قانونی ادارہ ہوگا، فیصلہ سازی کے عمل میں عقل اور حقائق کا استعمال کیا جائے گا۔ ریاست کی طاقتوں کو الگ کرنے اور چیک اینڈ بیلنس کو یقینی بنانے کا ایک نظام موجود ہوگا۔ جیسا کہ جارج سمتھ نے اپنی 1979 کی کتاب الحاد: خدا کے خلاف کیس میں کہا تھا، ایک مہذب معاشرے کی ایک ضرورت ایک قانونی نظام ہے جو فرد کو اپنے ارد گرد کے لوگوں کی جارحانہ سرگرمیوں سے بچائے۔

باب 5

مذہب کے آخری 100 سال

میں ایک ایسا مستقبل دیکھ سکتا ہوں جہاں مذہب کی دھند چھٹ رہی ہے۔ میں ایک نئی دنیا دیکھ سکتا ہوں جہاں مذہب اب موجود نہیں ہے۔ میں انسانی نسل کو آخر کار اپنی اصل اصل کو سمجھتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں، اور اس وسیع اور شاندار کائنات کے اندر اپنی سمجھ بوجھ، مقصد اور عقل کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی عقل کا استعمال کرتے ہوئے۔

خداؤں کے بغیر ایک نیا دور:

ہم انسان اپنی دنیا کے بارے میں زیادہ جانکاری اور شعور حاصل کر رہے ہیں۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں، زمین پر کوئی دوسری نسل کبھی بھی ترقی کی اسی سطح تک نہیں پہنچی ہے۔ یہ بہت بڑی کائنات، طبیعیات کے قوانین کے زیرِ حکومت ہے جس نے بالآخر زندگی کو بھی پیدا کیا اور ارتقاء کے طریقہ کار کے ذریعے اسے بہتر بنایا؛ اب اس میں ایک ایسی نسل ہے جو اس کا مشاہدہ کرتی ہے، دستاویز کرتی ہے اور اسے سمجھتی ہے۔ یہ نسل کائنات کے بارے میں اور خود کے بارے میں بھی شدید طور پر باشعور ہو گئی ہے۔ یہ نسل ہماری وسیع کائنات کے عظیم منظر نامے کے اندر فرد کی مختصر زندگی

سے بھی دردناک حد تک واقف ہو گئی ہے۔ ایک عام انسان زیادہ سے زیادہ 80-100 سال تک زندہ رہ سکتا ہے، جس کی واحد ممکنہ میراث اس کے ڈی این اے کو اس کی اولاد میں منتقل کرنا ہے، ممکنہ طور پر فن اور ادب کے چند نمونے، اور خود نسل کے اندر لائے گئے کوئی بھی ثقافتی تبدیلیاں (یعنی ایک بچے کی پرورش ایک خاص طریقے سے کرنا، سیاسی سوچ کو تشکیل دینا، یا کچھ ایجاد کرنا)۔

علم اور شعور ہماری نسل کو بے پناہ طاقت دیتا ہے، لیکن درد بھی: اب ہم شعوری طور پر کائنات کو تبدیل کر سکتے ہیں، یا جینوم کی تنظیم نو کر کے زندگی میں ہیرا پھیری کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی ترقی کے باوجود، ہم اب بھی ارتقاء کی پیداوار ہیں، ناقابلِ یقین دماغوں اور عقائد کے ڈھانچے کے ساتھ۔ ہم توہم پرستی کا شکار ہیں۔ بعض اوقات، ہمارے جذباتی، ثقافتی یا مذہبی عقائد ہمیں صحیح فیصلے کرنے سے روکتے ہیں۔ ہماری نسل اب بھی کائنات میں اپنی جگہ اور خود کائنات کو سمجھنے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ خود شناسی کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اگر ہم خود کو تباہ کر دیتے ہیں—اور اب ہم نسبتاً کم کوشش سے کر سکتے ہیں—تو کائنات پہلے کی طرح آگے بڑھتی رہے گی: اس کے باوجود کہ ہم کیا ماننا چاہتے ہیں، اسے ہم انسانوں کی پرواہ نہیں ہے۔ اگر زندگی باقی ہے، تو وہ زندگی اپنے ارتقائی راستے پر چلتی رہے گی، اور کسی دور دراز دن ایک نئی نسل خود کو شعوری سوچ کے دور میں اٹھا سکتی ہے۔

حیاتیاتی عمر اور فرد کی موت:

اگر آپ جیلی فش کی نسل Turritopsis Nutricula کے رکن نہیں

ہیں، جو اپنے خلیوں کو مسلسل صحت مند خلیوں سے بدلتی رہتی ہے اور حادثے یا شکار ہونے تک زندہ رہتی ہے، تو آپ کی زندگی کی ایک محدود مدت ہو گی۔

نئی زندگی کا آغاز: جب انسانی انڈا اور سپرم ملتے ہیں، ہر ایک میں 23 کروموسوم ہوتے ہیں جو کل 46 بناتے ہیں، تو ایک نیا فرد ایک منفرد جینیاتی کوڈ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے جو ماں اور باپ کے جینز کے ملاپ سے بنتا ہے۔ یہی عمل قدرتی دنیا میں مختلف شکلوں میں دہرایا جاتا ہے— سمندری مرجان سے جو نئی زندگی بنانے کے لیے دودھیا بادل میں سپرم اور انڈے چھوڑتے ہیں، شہد کی مکھی تک جو ایک پھول سے دوسرے پھول تک جرگ لے جاتی ہے۔ یہ سب ایک ارتقائی عمل کا حصہ ہے جس کی ابتدا اربوں سال پہلے ہوئی تھی۔ لیکن یہاں تک کہ جب یہ نئی زندگی پیدا کرتا ہے، تو یہ عمل بالآخر موت کا باعث بنتا ہے، جب تمام حیاتیاتی افعال ختم ہو جاتے ہیں۔

حیاتیاتی عمر بڑھنے: تقریباً تمام زندگی حیاتیاتی عمر بڑھنے سے گزرتی ہے۔ عمر بڑھنے کی شرح ہر نسل میں مختلف ہوتی ہے۔ Bristlecone پائن کا درخت 5,000 سال تک زندہ رہ سکتا ہے، عام پھل مکھی 30 دن تک۔ ہم Homo Sapiens کے نمونے تقریباً 85 سال کی توقع کر سکتے ہیں، کم یا زیادہ۔ ایک بار جب جسمانی پختگی آجاتی ہے، تو حیاتیاتی عمر بڑھنے کا عمل فوراً شروع ہو جاتا ہے۔ ہم اب بھی عمر بڑھنے میں شامل عین مطابق طریقہ کار نہیں جانتے ہیں، کیونکہ اس میں بہت سے عوامل معاون ہیں۔ انسانوں میں، ایک اہم عنصر Telomeres کا چھوٹا ہونا ہے، یا کروموسوم کے آخری ٹکڑے۔ ہر بار جب خلیہ تقسیم ہوتا ہے تو وہ 50-200 بیس جوڑوں سے چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ وقت کے ساتھ، Telomeres اتنے ختم ہو جاتے ہیں کہ وہ

کروموسوم کی حفاظت کرنے کی اپنی صلاحیت کھو دیتے ہیں، تاکہ ہر تکرار کے ساتھ سیل کا معیار کم ہو جائے۔ اسے سیل Senescence کہتے ہیں۔

عمر بڑھنے میں شامل دیگر عوامل: عمر بڑھنے میں شامل دیگر عوامل میں پس منظر کی تابکاری، فری ریڈیکلز اور وائرل انفیکشن سے ڈی این اے کو نقصان، نیز تقسیم کی غلطیاں شامل ہیں۔ سب صحت مند پروٹین اور خلیوں کے مزید









نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ اب اس بات کے بھی شواہد ہیں کہ ہمارے خلیوں میں ایسے جینز ہوتے ہیں جو دراصل عمر بڑھنے کا سبب بنتے ہیں ــــ دوسرے لفظوں میں، موت ہمارے جینوم میں کوڈ کی گئی ہے۔ ہم جینیاتی طور پر عمر بڑھنے کے لیے پروگرام کیے گئے ہیں۔

عمر بڑھنے اور موت ارتقائی طریقہ کار کا حصہ ہیں: زندگی بھر نقصان کے جمع ہونے سے ماحولیاتی دباؤ سے نمٹنے کی صلاحیت میں کمی آتی ہے۔ وہ دل جو کبھی مضبوط اور صحت مند تھا اب نیا نہیں رہا۔ اس کی خراب صلاحیت، بلڈ پریشر میں اضافے کے ساتھ، بالآخر اس کی ناکامی کا سبب بن سکتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے، تو حیاتیاتی حیاتیات جو اپنے خلیوں کو آکسیجن کی فراہمی پر انحصار کرتی ہیں، ٹوٹ جاتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح، ایک بہت بوڑھے شخص کا مدافعتی نظام کسی غیر ملکی وائرس یا بیکٹیریا کے حملے سے مغلوب ہو سکتا ہے، حملہ آور کے خلاف بے دفاع ہو جاتا ہے۔

عمر بڑھنے کے علاوہ، دیگر حیاتیاتی تبدیلیاں ہمیں مار سکتی ہیں: کینسر، خطرناک خلیوں کی بے قابو نشوونما، صحت مند ٹشوز پر حملہ کر سکتا ہے اور ان کی جگہ لے سکتا ہے۔ زندگی کو سہارا دینے والے افعال کو وسیع پیمانے پر صدمے کی وجہ سے انسانی جسم بھی کام کرنا چھوڑ سکتا ہے ــــ مثلاً کسی بڑی شریان میں چاقو کا بلیڈ داخل ہونا۔ عمر بڑھنے اور موت ارتقائی طریقہ کار کا حصہ ہیں۔ ایک بار جب ہم اولاد پیدا کر لیتے ہیں اور اپنے جینز منتقل کر دیتے ہیں، تو عظیم ارتقائی عمل میں ہمارے لیے بہت کم استعمال باقی رہ جاتا ہے۔ ایک نسل جو جوان مر جاتی ہے لیکن بہت سی اولاد چھوڑ جاتی ہے اس میں زندہ رہنے اور ارتقا پذیر ہونے کی زیادہ صلاحیت ہوگی۔ جوان رہنے کا کوئی ارتقائی فائدہ نہیں ہے

(پچھلی نسل کو نئے جینز کے ساتھ نئی نسل کے لیے راستہ بنانے کی ضرورت ہے)، اور ارتقاء ان جینز کے انتخاب میں فائدہ نہیں اٹھاتا ہے جو ہمیں زیادہ عرصہ تک زندہ رکھ سکتے ہیں۔ اب تک، کسی نسل کے ارتقاء کے لیے موت ایک شرط رہی ہے۔

خود شناسی اور موت: جیسے جیسے ہماری نسل ارتقا پذیر ہوئی، ہم اپنے اور اپنے ارد گرد کی دنیا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ واقف ہوتے گئے۔ ہم باشعور ہو گئے — اور اس کے لیے، ہمیں ایک قیمت ادا کرنی پڑی۔ ہم ذاتی موت کے تصور اور اس کے ناگزیر ہونے کو سمجھنے لگے۔ اس سب کے باوجود جو ہم نے کیا ہے — محبت ملی اور پروان چڑھی، لگاؤ بنے، خود اور دوسروں کے لیے ہماری قدر — یہ سب گزر جائے گا۔ ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے، اگر ہم اس کے بارے میں سوچنے کی زحمت کریں، کہ ایک دن ہماری موت ہو جائے گی۔ کسی کا جسم دوبارہ حیاتیاتی جیو کیمیکل سائیکل کا حصہ بن جائے گا، دوبارہ اپنے کیمیائی اجزاء میں ٹوٹ جائے گا یا خوراک کی زنجیر کا حصہ بن جائے گا۔

اس طرح کے احساس کا نفسیاتی اثر: اس طرح کے احساس کا نفسیاتی اثر فرد پر گہرا اثر ڈال سکتا ہے، جس سے ایک بنیادی اضطراب پیدا ہوتا ہے، کیونکہ موت کسی بھی وقت حملہ کر سکتی ہے۔ کوئی آنے والی کار کے سامنے قدم رکھ سکتا ہے، یا کوئی لاعلاج بیماری حملہ کر سکتی ہے۔ تاہم، ایسا ہو گا۔ ہم زندہ رہنے کے اپنے امکانات کو بڑھانے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں اور سالانہ صحت کی جانچ پڑتاں کے لیے جا سکتے ہیں، لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ ہم ایک اور سال زندہ رہیں گے۔

موت سے نمٹنے کے لیے رسومات اور ثقافتی عادات: خود شناسی کے آغاز سے ہی، موت

نے انسانوں کو اس سے نمٹنے کے لیے ہر قسم کی رسومات اور ثقافتی عادات ایجاد کرنے کا سبب بنا ہے۔ لہٰذا، ایک بڑی حد تک، رسم اور مذہب کی ہماری ترقی اپنی موت کے بارے میں ہماری آگاہی اور شعور کے ساتھ براہ راست تعلق میں ہوئی، ایک ایسی ترقی جو آج کے خداؤں اور مذاہب میں ختم ہوئی۔ یہ مذاہب، کسی خاص خدا کی طاقت پر، آخرت کی یقین دہانی کراتے ہیں — موت کے ناگزیر ہونے سے فرار۔

ہمیشہ کی بے فکر زندگی کی خواہش: ہمیشہ کی بے فکر زندگی کی خواہش، جو پیاروں کے ساتھ گزاری جائے، درحقیقت، تقریباً ہر مذہب کی طرف سے اپنے پیروکاروں پر کنٹرول برقرار رکھنے کے لیے استعمال ہونے والا بنیادی لالچ ہے۔ موت کا یہ خوف ہم میں سے بہت سے لوگوں کو ان شواہد کو نظر انداز کرنے پر مجبور کرتا ہے جو ہم نے زیادہ تر مذاہب کے نظریات کی مخالفت میں مرتب کیے ہیں۔ لیکن اب تک شواہد بہت زیادہ ہو چکے ہیں، اور جیسے جیسے سائنس اور علم میں ہماری ترقی جاری ہے، ہم مذہب کے پرہیزگار دھوکوں سے بیدار ہو رہے ہیں۔ قدیم مذاہب اور ان کے خدا تیزی سے حملے کی زد میں ہیں۔ ان کی حمایت کرنے والے صحیفے قدیم مصنفین کی تالیفات کے طور پر بے نقاب ہو چکے ہیں، جن میں سے بہت سے ان نبیوں اور مسیحاؤں سے براہ راست وابستہ نہیں ہیں جن کے الفاظ کی وہ اطلاع دینے کا دعویٰ کرتے ہیں، انہیں بعد میں آنے والوں نے چن لیا، ڈھال لیا اور ان میں ترمیم کی تاکہ وہ مقدس متن کے بارے میں ان کے تصورات کے مطابق بہتر ہو سکیں۔

ایک طرف، خدا موت سے فرار فراہم کرنے کی تسلی دیتے ہیں: دوسری طرف، ہماری

عقل اور علم ہمیں بتاتا ہے کہ مذاہب اور ان کے خدا غیر معقول ہیں—اور ان میں سے کوئی بھی خدا اپنی موجودگی نہیں دکھاتا یا اپنے وجود کو ثابت نہیں کرتا۔ تاہم، مذاہب اسے ایمان کی آزمائش کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ لیکن ہم سب سچائی جانتے ہیں، دل کی گہرائیوں میں۔ موت کسی مافوق الفطرت ہستی کی طرف سے کوئی پہلے سے طے شدہ یا منصوبہ بند سرگرمی نہیں ہے۔ یہ صرف حیاتیاتی زندگی کی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

اگر ہم مذہب کی گرفت سے خود کو آزاد کر سکتے ہیں: اور اس تصور سے کہ آخرت (اگر یہ موجود ہے) صرف ایمان والوں کے لیے مخصوص ہے، تو اپنے سائنسی علم کی مدد سے ہم خود کو ایسے جدید انسانوں میں تبدیل کر سکتے ہیں جو واقعی اپنے آپ کو اور اپنے اردگرد کی دنیا کو سمجھتے ہیں۔ مجھے کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے سے، ہم خود اور کائنات کے بارے میں اپنی سمجھ بوجھ کو تیز کریں گے، جس سے ہم بہتر زندگی گزار سکیں گے، خود کے ارتقاء، عام طور پر زندگی اور مجموعی طور پر کائنات کو آگے بڑھا سکیں گے۔

خدا کے بغیر مقصد اور معنی:

مذہبی لوگوں کی طرف سے پوچھے جانے والے سب سے عام سوالات میں سے ایک یہ ہے کہ غیر مذہبی لوگ زندگی میں مقصد کیسے تلاش کرتے ہیں۔ آخر کار، زیادہ تر مذہبی تعلیمات یہ کہتی ہیں کہ زندگی کا پورا مقصد خدا کی قبولیت اور رحمت حاصل کرنا ہے۔ ان کا استدلال ہے کہ اس عقیدے کے بغیر، ہم مایوسی اور ڈپریشن کا شکار ہو جائیں گے۔ زندگی اتنی بے معنی ہو جائے گی کہ ہم بغیر کسی سمت کے ہو جائیں گے، جس کی وجہ سے ہم امید چھوڑ دیں گے، دوسروں کو اپنے ساتھ تباہ کر دیں گے۔

اگر ہم ایک اتفاقی کیمیائی بندھن کی ضمنی پیداوار سے زیادہ کچھ نہیں ہیں جس کی وجہ سے ایک خاص مالیکیول بنا ہے جو کسی طرح خود کو نقل کرنے کے طریقہ کار پر ٹھوکر کھا گیا، اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، تو زندگی کیوں اہمیت رکھتی ہے — اور اس کا مقصد کیسے ہو سکتا ہے؟ کوئی آخرت نہیں ہے، بیرونی تاریکی میں ہم سے ملنے اور ہمیں دوبارہ زندہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ **ہم سب یہ سوالات خود سے اور دنیا سے پوچھتے ہیں:**

- ہم یہاں کیوں ہیں؟
- کائنات کیوں ہے؟
- زندگی کیا ہے؟
- ان سب کا کیا مطلب ہے؟

یقینی طور پر، ہمارا مقصد صرف خدا کی خدمت کرنا اور اس کی خیر خواہی کی بھیک مانگنا نہیں ہے: پھر بھی اربوں لوگوں نے اسے اپنی زندگیوں کا مرکزی عقیدہ بنا لیا ہے۔ زیادہ تر لوگوں کے لیے، موت سے پہلے کے آخری چند سالوں میں، زیادہ تر وقت اپنی زندگی پر غور کرنے، اپنے اعمال کو تولنے اور یہ سوچنے میں صرف ہوتا ہے کہ آیا انہوں نے کافی کام کیا ہے اور آخرت میں جگہ پانے کے لیے کافی فرمانبردار تھے۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں، مرکزی عقیدہ خدا یا اللہ پر اپنا ایمان ظاہر کر کے رحمت حاصل کرنا ہے۔ غیر یقین رکھنے والوں کو ان کے "محبت کرنے والے" خدا کی طرف سے ہمیشہ کی اذیت میں مبتلا کیا جائے گا، اور ہمیشہ کے لیے تکلیف اٹھائی جائے گی۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ خدا ہمیں اس کی عبادت اور محبت کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے — اگرچہ اس نے کبھی بھی خود کو ہم پر ظاہر نہیں کیا۔ یہ کہ یہ کافی متکبر اور خود پسند لگتا ہے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن کسی بھی صورت میں یہ

سب ایک وہم ہے — خدا انسان ساختہ ہے، مٹی کے پاؤں والا۔ ہمیں سزا دینے والا کوئی نہیں ہے۔ تو یہاں واقعی خوشخبری ہے: کوئی جہنم نہیں ہے۔ اگر آخرت ہے تو وہ سب کے لیے کھلی ہو گی۔

لیکن مذہبی لوگ پکارتے ہیں، "اگر ہمارے پاس خدا نہیں ہیں، تو زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کیا ہم اپنے خداؤں کے بغیر مقصد تلاش کر سکتے ہیں؟"

تاہم، خدا کی عدم موجودگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے، یا ہماری زندگی بے معنی یا ناامید ہے، حقیقت میں، زندگی میں ان محدود، غیر اہم وجوہات سے کہیں زیادہ مقصد ہے جو Pseudo-Religions فراہم کرتے ہیں۔ ایڈم لی نے اس کا خلاصہ یوں کیا:

"درحقیقت، میری زندگی مقصد سے لبریز ہے۔ یہ معنی سے بھری ہوئی ہے۔ میرے لیے، الحاد حیرت کی زندگی ہے۔ میں اسے دوستوں کی سادہ صحبت اور کسی ایسے شخص کی گہری اور زیادہ گہری صحبت میں پاتا ہوں جس سے میں پیار کرتا ہوں۔ میں اسے طلوع فجر کے وقت سورج کو طلوع ہوتے دیکھ کر پاتا ہوں۔ میں اسے خزاں میں جنگل میں گھومتے ہوئے اور رنگوں کی جیونت اور پتوں پر سورج کی روشنی کے کھیل پر حیران ہوتے ہوئے، گرمیوں میں اسی جنگل میں گھومتے ہوئے، فوٹو سنتھیس اور ارتقاء کے لاکھوں سالوں سے پیدا ہونے والی زندگی کے باہم مربوط اور متحرک جال کا مشاہدہ کرتے ہوئے، سردیوں میں اس جنگل میں واپس آ کر شاخوں اور ٹھنڈ کے فریکٹل نمونوں اور ہوا میں بھاپ بننے والی میری سانس کی ہلچل

کو دیکھ کر پاتا ہوں۔ میں اسے پرندوں کی اڑان دیکھ کر پاتا ہوں۔ میں اسے دن میں بادلوں کو دیکھ کر اور یہ سوچ کر پاتا ہوں کہ سورج کی روشنی کا ماحولیاتی بکھراؤ آسمان کو نیلا کیسے دکھاتا ہے، یا رات کو ستاروں کو دیکھ کر اور اپنی تخیل کو کائنات کی بے مثال وسعت اور عظمت میں بھٹکنے دیتا ہوں، یہ سوچ کر کہ آیا وہاں کوئی اور ذہین زندگی ہے جو اس وقت وہی سوچ رہی ہوگی۔ میں اسے اپنے وجود کی گہری سچائیوں پر غور کرتے ہوئے، اپنے خیالات کو نیوران اور Synapses کے نیٹ ورک میں برقی کیمیائی چمک کے طور پر تصور کرتے ہوئے، اپنے جسم کو خود کو نقل کرنے والے ڈبل ہیلکسز، Shearing اور دوبارہ ملانے، تبدیل کرنے اور گہرے وقت کے ذریعے خود کو پھیلانے والے پروٹین کے طور پر تصور کرتے ہوئے، اپنے ڈھانچے کو مادے کے چمکتے ہوئے ذرات، ایٹمی مرکزے کے گرد الیکٹرانوں کی گردش، کائنات کی طرح پرانے اور بے حیثیتی کی طرح عارضی چھوٹے ناقابلِ تغیر ذرات کے طور پر تصور کرتے ہوئے پاتا ہوں، یہ سب پیچیدگی کی کئی سطحوں پر ایک سوچنے والے، شعوری ذہن میں خود کو جمع کرتے ہیں جو اپنے وجود پر غور کر سکتا ہے۔ میں اسے مستقبل پر غور کرنے اور یہ سوچنے میں پاتا ہوں کہ آگے کیا ہوگا۔ اس دنیا میں لطف اندوز ہونے کے لیے بہت کچھ ہے، اور خدا پر یقین نہ کرنے سے ان میں سے کوئی بھی کم درست یا قابلِ خواہش نہیں ہے۔ اس

کے بجائے، یہ صرف میری حیرت میں اضافہ کرتا ہے کہ ہم
موجود ہیں، کہ ہم زندہ ہیں اور سوچتے ہیں، کہ ہم خود ہی یہاں
تک پہنچے ہیں۔ ہمارے لیے پیار کرنے کے لیے بہت کچھ ہے،
ہماری قدر کرنے کے لیے بہت کچھ ہے، اور ہمارے سیکھنے کے
لیے ابھی بہت کچھ ہے۔ یہ نحیل ازم (Nihilism) نہیں ہے،
اور اس کے ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس، الحاد
زندگی کی زبردست تصدیق سے کم نہیں ہے"۔

مذہبی لوگوں کا رونا: مذہبی لوگ روتے ہیں، "اگر ہمارے پاس خدا نہیں ہیں، تو زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کیا ہم اپنے خداؤں کے بغیر مقصد تلاش کر سکتے ہیں؟"

ہماری دنیا کے بارے میں مزید جاننے سے ایک شخص اسے دیکھنے کی زیادہ تعریف کرتا ہے: فرض کریں کہ کوئی شخص گرینڈ کینین کو دیکھ رہا ہے۔ بے خبر ماننے والا اسے خدا کی تخلیق کے طور پر دیکھے گا اور اس کی خوبصورتی کی تعریف خدا کی عظمت کے ثبوت کے طور پر کرے گا۔ ایک غیر ماننے والا بھی کینین کو کٹاؤ کے ذریعے آہستہ آہستہ تراشنے میں لگنے والے لاکھوں سالوں پر حیرت اور تعریف سے بھر جائے گا۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ ماضی میں کیسا لگتا ہو گا، اور ہمارے قدیم آباؤ اجداد نے اسے دیکھ کر کیا سوچا ہو گا۔ اسی طرح، اگرچہ ایک ماننے والا خدا کی طاقت کے مظاہرے کے طور پر دور دراز پہاڑی سلسلے کی عظمت اور حیرت سے خوفزدہ ہو سکتا ہے، عقلیت پسند کی حیرت اس میں شامل ناقابل یقین ارضیاتی عمل پر ہو گی، اور ٹیکٹونک پلیٹوں کے قابلِ وضاحت کام پر جو پہاڑی سلسلے کو اوپر دھکیلتی ہیں۔ آیئے مختلف مذاہب کے ذریعے زندگی کے مختلف معنیوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، اور ان کا موازنہ

غیر مذہبی نقطہ نظر سے کرتے ہیں:

- **یہودیت**: خدا کی خدمت کرنا، اور آنے والی دنیا کی تیاری کرنا۔
- **عیسائیت**: آخرت حاصل کرنے کے لیے یسوع مسیح کے ذریعے خدا کی رحمت سے نجات حاصل کرنا۔
- **اسلام**: آخرت حاصل کرنے کے لیے اللہ اور اس کی تعلیمات کی خدمت کرنا۔
- **ہندومت**: زندگی کے معنی کے چار مراحل ہیں۔ آخری میں، ہم مادی دنیا سے آزادی، موکش تک پہنچتے ہیں۔
- **بدھ مت**: نروان تک پہنچنے کے لیے دنیا کی خواہشات اور مصائب سے خود کو الگ کرنا۔
- **سیکولر ہیومنزم**: تمام لوگوں کے لیے انفرادی مقصد اور مشترکہ بھلائی تلاش کرتا ہے۔
- **غیر عقیدہ**: دنیا، کائنات اور ہماری ارتقائی اصل کے عجائبات میں سکون پاتا ہے۔ ہر شخص زندگی میں اپنا مقصد خود طے کرتا ہے، اور علم، زندگی اور دنیا کی مزید ترقی کی خواہش رکھتا ہے۔

ہمارے پاس جاری رکھنے، خود کو اور کائنات کے بارے میں اپنی سمجھ بوجھ کو آگے بڑھانے، کائنات میں اپنے اور زندگی کے مستقبل کو تشکیل دینے کی ذمہ داری ہے: جہاں تک ہم جانتے ہیں، صرف انسانی نسل ہی اس مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے موجود ہے۔ اور یہاں تک کہ اگر ہم کائنات میں اکیلے نہیں ہیں، تو ایک یا دوسرے لحاظ سے ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اپنے اور اپنے ارد گرد کی دنیا کے بارے میں کچھ گہری سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ ہمیں ان

لوگوں سے بچنے میں خاص طور پر محتاط رہنا چاہیے جو ہمیں توہم پرستی اور بے بنیاد نظریے کی دنیا میں واپس کھینچنا چاہتے ہیں۔

ہماری ارتقائی اصل کے نتیجے میں، ہم سب مختلف ہیں:

ہمارے موروثی جینز اور بیرونی ماحول کے تعامل کے نتیجے میں مختلف قسم کی صلاحیتوں، احساسات اور جذبات کے ساتھ چھڑکا ہوا ہے۔ ہم سب اپنی زندگیوں میں مختلف راستے اختیار کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں انفرادی تجربات اور تصورات ہوتے ہیں۔ ہماری مختلف بناوٹ ہم میں سے ہر ایک کو زندگی کو مختلف طریقے سے سمجھنے اور سنبھالنے پر مجبور کرتی ہے۔ ہم میں سے کچھ امیر ہیں، کچھ غریب ہیں۔ ہم میں سے کچھ اقتصادی طور پر اوسط ہیں لیکن امیر زندگی گزارتے ہیں۔ ہم میں سے کچھ ناخوش اور ناراض ہو کر مرتے ہیں۔

اندرونی سکون اور دنیا میں جگہ: یہ ہم میں سے ہر ایک پر منحصر ہے، انفرادی طور پر، اندرونی سکون اور دنیا میں جگہ تلاش کرنا۔ دنیا خود کو جذباتی طور پر برقرار رکھنے اور اس وسیع اور شاندار کائنات میں اپنی جگہ تلاش کرنے کے مواقع سے بھری ہوئی ہے۔ راستے پیچیدہ یا آسان ہو سکتے ہیں۔ کوئی خالی ساحل پر چہل قدمی کر سکتا ہے، رات کو ستاروں سے بھرے آسمان کی طرف دیکھ سکتا ہے، باغ یا پہاڑوں میں وقت گزار سکتا ہے، یا شہر کے مصروف ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے کنارے پر بیٹھ سکتا ہے۔ بہت کچھ ہے جو ہم کر سکتے ہیں اور کرنا چاہیے۔

اور اگرچہ مندرجہ بالا ہماری جذباتی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے، اگلا حصہ ہمیں خود اور دنیا کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد کرنے کے لیے ایک نیا ڈھانچہ پیش کرتا ہے۔

نئی آنکھوں سے دنیا کو دیکھنا:

جیسے جیسے ہم اپنے قدیم مذاہب اور عقائد کو پیچھے چھوڑتے ہیں، ہم دنیا کو مختلف طریقے سے سمجھیں گے اور اس کی تشریح کریں گے۔ مذہب کے آلودہ لینز سے دنیا کو دیکھنے کے بجائے، ہم اسے کائنات اور خود کے بارے میں اپنے علم اور فہم کی بنیاد پر دیکھیں گے اور سمجھیں گے۔ "میں" جانوں گا کہ ہماری نسل کہاں سے آئی ہے، اور اس کی ترقی اور علم پر فخر کرے گا۔ "میں" جانوں گا کہ زمین واقعی کیسے تخلیق ہوئی، اور اس بات کا احساس ہو گا کہ انسانی نسل ایک قدیم سمندر میں پیدا ہونے والی زندگی کی ایک طویل ارتقائی زنجیر کا نتیجہ ہے۔ یہ علم عجیب طور پر آزادی بخشتا ہے، کیونکہ یہ "میں" کو تعلق کا احساس فراہم کرتا ہے، اور افراد کو بڑے پیمانے پر زندگی اور کائنات کے بارے میں اپنی فہم کو بڑھانے کی اجازت دیتا ہے۔

جیسے جیسے "میں" رات کو ستاروں کی طرف دیکھتا ہے، وہ کائنات کی بے پناہی کو محسوس کرے گا: "میں" اپنے اردگرد کی چھوٹی دنیا، ان خوردبینی ذرات اور چھوٹی توانائیوں کے بارے میں بہتر، صحت مند فہم تیار کرے گا جو بڑی دنیا پر مشتمل ہیں۔ "میں" اس دنیا میں اپنی اہمیت کو صرف ایک چھوٹے سے جاندار سے زیادہ سمجھنے لگے گا جو صرف ایک خدا کو پوجنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ "میں" اس دنیا کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کرے گا، چاہے جذباتی لحاظ سے یا سائنسی لحاظ سے جو ہماری دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ "میں" جانوں گا کہ اس کے اندر ڈی این اے ہے جو زندگی کا خاکہ ہے۔

جیسے جیسے "میں" اردگرد دیکھتا ہے، وہ دوسرے انسانوں کو دیکھے گا، اور "میں" انسانی خصوصیات کو بہتر طور پر سمجھے گا: "میں" اپنے نفسیاتی میک اپ کے بارے

میں جانے گا، اور سمجھے گا کہ وہ مخصوص طریقے سے کیوں برتاؤ کرتا ہے۔

"میں "عقل اور علم کی تلاش کی وکالت میں مضبوط ہو گا، اور علم، زندگی اور دنیا کی مزید ترقی کی خواہش کرے گا۔

سماجی جانوروں کے طور پر ہماری نسل کے لیے مدد:

کسی کو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ موجودہ مذہبی ادارے اپنے پیروکاروں کے لیے معاون ڈھانچے بنانے میں بہت کامیاب رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے لیے جن کے لیے کوئی امید نہیں ہے — جہاں غربت نے انہیں بھکاری بنا دیا ہے، یا بحران میں مبتلا لوگوں کے لیے — مذہبی ادارہ مدد فراہم کرتا ہے۔ مظلوم، بے سہارا، تنہا اور جدوجہد کرنے والے لوگ محبت اور قبولیت کے لیے اپنے مذہبی ادارے کا رخ کر سکتے ہیں — ایک ایسی جگہ جہاں فرد (مثالی طور پر) اس کی کامیابیوں یا مادی دولت سے نہیں جانچا جائے گا، لیکن جہاں اس شخص کو ایک فرد یا روح کے طور پر لیا جاتا ہے جو برابر ہے اور محبت اور قبولیت کا مستحق ہے۔ کوئی بھی ہماری نسل کی سماجی ضروریات کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مذاہب مدد فراہم کرتے ہیں: ایسے ماحول میں جہاں دوسرے ماننے والوں کے وقت اور وسائل کو بدقسمت لوگوں کی حمایت اور مدد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (پہلے، قبیلہ اسے سنبھالتا تھا، لیکن صنعتی انقلاب کے آغاز کے ساتھ یہ معاون ڈھانچے غائب ہو گئے)۔ مسجد، چرچ یا خانقاہ میں پرعزم لوگوں کا ایک گروہ شامل ہو سکتا ہے جو بغیر کسی معاوضے کے ضرورت مندوں کو محبت، خوراک اور توجہ فراہم کرتے ہیں۔ غربت اور بدسلوکی کرنے والے خاندانوں کے بہت سے بچوں نے مذہبی ادارے کے اندر پناہ گاہ اور مدد کی

بنیادیں تلاش کی ہیں۔

تو جیسے جیسے ہم اپنے مذہبی دور سے آگے بڑھتے ہیں ان مقاصد کی خدمت کون کرے گا؟: ایک جیسے معاون ڈھانچے کون فراہم کرے گا، جس میں ضرورت مندوں کو غیر خود غرض لگن اور دیکھ بھال دی جا سکے؟ ہم ان معاون ڈھانچے کو ان لوگوں سے کیسے بچائیں گے جو اقتدار اور پہچان کے لیے لالچی ہیں؟ اس صورت میں، آخرت میں اجر کا محرک موجود نہیں ہے۔ کوئی بھی مدد زندگی، ہماری نسل اور سب کے لیے بہتر مستقبل کے لیے فرض اور شراکت کے طور پر فراہم کی جانی چاہیے — ایک غیر خود غرض فرض جو ہمیں آگے بڑھاتا ہے جیسے جیسے ہم اپنے قدیم مذاہب کو پیچھے چھوڑتے ہیں۔

انسانی ضروریات: 1943ء میں، ابراہم مسلو نے ایک مقالہ شائع کیا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ انسانی ضروریات کو کیا چیز متحرک اور مطمئن کرتی ہے۔ اس کی تحقیق کی بنیاد ان افراد کا ایک نمونہ تھا جن کا انہوں نے ان کے محرکات، ضروریات اور خوشی کی سطح کا تعین کرنے کے لیے مشاہدہ کیا۔ اگرچہ مسلو کے ماڈل کو اس کے بعد سے بہتر بنایا گیا ہے، لیکن یہ اب بھی ہمیں چلانے والی چیزوں کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی ماڈل کے طور پر کام کرتا ہے۔ مسلو نے پانچ بنیادی سطحوں کی نشاندہی کی۔

پہلی سطح: پہلے میں، ایک انسان کی بنیادی ضروریات ہیں، یعنی سانس لینا، خوراک اور پانی۔ ایک بھوکا آدمی زندہ رہنے میں اتنا مصروف ہے کہ اس کی پوری ہستی اور اعمال اس کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ محبت، خوبصورتی، سیاست اور دیگر ضروریات غیر ضروری ہو جاتی ہیں یا ایک طرف دھکیل دی جاتی ہیں۔ بقا سب سے اہم ہے۔ مذہبی ادارے ضرورت مندوں کو خوراک، پانی اور

رہائش فراہم کرتے ہیں۔ اگرچہ آج، بہت سی حکومتیں بھی سماجی مدد فراہم کرتی ہیں، جس سے مذہبی اداروں کو اسے فراہم کرنے کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔

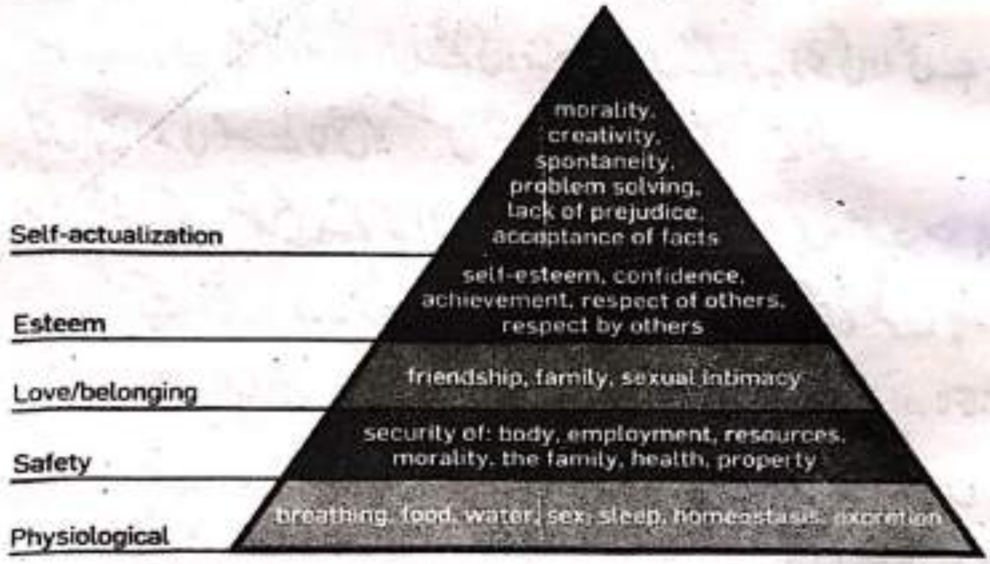
دوسری سطح: ایک بار جب یہ سطح مطمئن ہو جاتی ہے، تو اگلی ضرورت پیدا ہو گی: محفوظ رہنا، بشمول مالی تحفظ، صحت اور تندرستی۔ مذہب اس سطح پر ایک کردار ادا کرنا شروع کر دیتا ہے، کیونکہ تعلق کسی کو خطرہ لاحق ہونے پر ایک محفوظ پناہ گاہ فراہم کرتا ہے۔ یہ خطرناک محلے میں خاص طور پر اہم ہے، جہاں گینگ یا بدسلوکی کرنے والے والدین بچے کے لیے خطرہ ہو سکتے ہیں، اور بچہ چرچ یا سپورٹ گروپس میں حفاظت پاتا ہے۔

تیسری سطح: تیسری سطح پر، محبت اور تعلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم سب کو پیار اور قبولیت کی ضرورت ہے، اور قریبی تعلقات یا دوست ہونے چاہئیں۔ ایک مذہبی گروہ ان ضروریات کو پورا کر سکتا ہے، یا انہیں پورا کرنے کے مواقع پیدا کر سکتا ہے: مثلاً اجتماع کا اہتمام کرنا، جوڑنا اور مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینا۔ تنہا یا ناپسندیدہ شخص کو مذہبی ادارے میں قبولیت یا محبت مل سکتی ہے، کیونکہ یہ وہ اقدار ہیں جن کی زیادہ تر مذاہب حمایت کرتے ہیں۔

چوتھی سطح: مسلوں کی چوتھی سطح میں، ہمیں عزت کی ضرورت ہے، دوسروں کی طرف سے قدر اور پہچان کی خواہش کے ساتھ۔ ایک بار پھر، ایک مذہبی ادارہ ان کو فراہم کر سکتا ہے۔

پانچویں سطح: پانچویں سطح پر خود شناسی کی ضرورت ہے۔ مسلو اسے ایک ایسی صورتحال کے طور پر بیان کرتے ہیں جس میں ہم اپنی صلاحیت کو پورا کرنے، زندگی میں اپنے مقصد کو محسوس کرنے، اور دوسروں اور خود زندگی کی خدمت

کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہم اپنی مادی خواہشات سے آزاد ہو سکتے ہیں، حسد اور نفرت کے اپنے انسانی جذبات پر قابو پا سکتے ہیں۔ ہم روزمرہ کی جدوجہد سے آگے ایک نئی سطح پر چلے جاتے ہیں۔ بدھ مت اس سطح پر بہت زیادہ مرکوز رہا ہے، اپنے پیروکاروں کو اپنے ارد گرد کے لوگوں کو محبت اور ہمدردی دینے کی ضرورت کے ذریعے خود شناسی کو چلاتا ہے۔



خداؤں کے بغیر مقصد اور معنی: جیسے جیسے ہم اپنے قدیم مذاہب اور خداؤں سے دور ہوتے جاتے ہیں، ہمیں وہی معاون ڈھانچے بنانے ہوں گے اور اپنی انسانی ضروریات کو پورا کرنا ہوگا جیسا کہ اوپر دکھایا گیا ہے۔ آخر کار، کیا ہم سماجی جانور نہیں ہیں؟ مذاہب کو ہماری جذباتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے طویل عرصے سے تشکیل دیا گیا ہے، لیکن ہمیں ان قدیم، فرسودہ سماجی ڈھانچے سے آگے نکل کر نئے ڈھانچے کی طرف بڑھنے کی ضرورت ہے جو دنیا اور کائنات کے بارے میں ہماری نئی سمجھ بوجھ کو شامل کریں، جبکہ انسانوں کو درکار محبت اور مدد فراہم کریں۔

اپنے بچوں کی پرورش:

جیسے جیسے ہم اپنی نئی، عقلی دنیا میں گہرائی میں اترتے جاتے ہیں، ہمارے بچوں کی پرورش ایک نئے دور میں ہوگی، جہاں انہیں مذہب کے بجائے موجودہ علم اور سائنس سے آگاہ کیا جائے گا۔ سزا کے ظالم خداؤں کے زیر حکومت غیر معقول کائناتوں کی وضاحت اور تفریح کرنے کے بجائے، ہم اپنے بچوں کو کائنات، زمین اور عام طور پر زندگی کے عجائبات کی وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم انہیں عظیم منصوبے میں ان کے کردار اور اس تحفے کی وضاحت کریں گے جو یہ زندگی واقعی ہے — انہیں اپنی زندگی جھوٹے خالق کا مسلسل شکریہ ادا کرنے پر مجبور کیے بغیر۔

ہم نئی نسلوں کو یہ سکھائیں گے کہ اس دنیا میں خود کو کیسے تلاش کریں، صحت مند بالغ کیسے بنیں، اور زندگی کے چیلنجز اور درد کے سامنے کس طرح لچکدار رہیں: ہم اچھے والدین کی مہارتوں کے ساتھ اچھے والدین بننے اور ناقابلِ قبول رویے کی حدود مقرر کرنے کی بھی کوشش کریں گے۔ بچوں کی پرورش کے لیے کوئی جادوئی فارمولے نہیں ہیں۔ ہر بچے کو اپنے طریقہ کار کی ضرورت ہوگی۔ تاہم، اچھے والدین کے لیے کچھ آفاقی چیزیں ہیں جن پر ہر والدین کو توجہ دینی چاہیے:

1. اپنے رویے میں اپنے بچوں کے لیے ایک مثال قائم کریں، اور آپ دنیا اور دوسروں کے ساتھ کیسے تعامل کرتے ہیں۔
2. اپنے بچوں سے پیار کریں، اور والدین اور دوست ہونے کے درمیان توازن قائم کریں۔
3. اپنے بچے کی زندگی میں شامل ہوں۔

4. بچے کے مطابق اپنی والدین کی مہارت کو ڈھالیں۔ ہر بچے کی اپنی شخصیت ہوتی ہے۔
5. اصول بنائیں اور نافذ کریں۔ حدود کے بغیر ایک بچہ غلط عادات سیکھے گا، اور کافی ناخوشگوار ثابت ہو سکتا ہے۔
6. اپنے بچے کی آزادی میں مدد اور حوصلہ افزائی کریں۔
7. اپنی والدین کی مہارت میں مستقل مزاج رہیں، اور اپنے شریکِ حیات کے ساتھ ایک متحد محاذ اور نقطہ نظر پیش کریں۔
8. سخت نظم و ضبط سے گریز کریں۔ پختہ رہیں، لیکن ذلیل اور شرمندہ نہ کریں۔
9. اپنے بچے سے بات کریں، اپنے اصولوں اور فیصلوں کی وضاحت کریں۔
10. اپنے بچے کے ساتھ عزت سے پیش آئیں۔

مندرجہ بالا مکمل ہونے کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ صرف والدین کے لیے ایک نقطہ آغاز کے طور پر کام کرنا ہے: وہ دن جب بچوں کی پرورش خدا کے سامنے فرمانبردار اور مطیع بننے کے لیے کی جاتی ہے، اس خوف کے ساتھ کہ اگر وہ بھٹکتے ہیں تو خدا کی سزا ہو گی، وہ ختم ہو رہے ہیں—اور اچھا ہے۔ ایک بچے کو مذہب سکھانے سے بچہ بہتر انسان نہیں بنتا ہے۔ اسے عزت، محبت، پختگی اور انصاف کے ساتھ رہنمائی اور تعلیم دینا ایسا کرتا ہے۔

دنیا ایسے بچوں سے بھری ہوئی ہے جو سخت مذہبی پرورش کے باوجود گمراہ ہو گئے ہیں: اس کی سادہ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا والدین کی مہارتیں ان کی زندگیوں سے غائب تھیں۔ انہیں کبھی بھی پیار، محبت اور عزت کے ساتھ پرورش پانے کا موقع نہیں ملا۔ یقینی طور پر، دنیا ایسے بچوں سے بھی بھری ہوئی ہے

جن کے غیر مذہبی والدین تھے جنہوں نے انہیں کبھی پیار اور توجہ نہیں دی۔ لیکن پھر، بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی پرورش دیکھ بھال اور محبت کے ساتھ ہوئی، تاکہ وہ دیکھ بھال اور محبت واپس دے سکیں۔ اور پھر وہ لوگ ہیں جنہوں نے، ان کے خلاف تمام مشکلات کے ساتھ، اپنی خراب پرورش سے بالاتر ہو کر محبت اور دیکھ بھال سے بھرے ہوئے۔

پیغام سادہ ہے: ایک اچھے بچے کی پرورش میں دیکھ بھال، محبت اور توجہ کا ماحول سب سے اہم عنصر ہے، نہ کہ اس کا خدا یا مذہب۔

مذہب کے بعد کی دنیا میں رہنا:

انسانی نسل اپنی سوچ اور دنیا کو سمجھنے کے طریقے میں ایک بڑی تبدیلی کے دہانے پر ہے۔ صرف پچھلے 100 سالوں میں ہم نے جو علم حاصل کیا ہے اس نے ہمیں اپنی جسمانی اور جذباتی دنیاؤں کو زیادہ مکمل طور پر سمجھنے کی اجازت دی ہے۔ ہمارے فرسودہ مذاہب اب ہمیں درکار جوابات فراہم نہیں کرتے، اس کے باوجود کہ پرجوش ماننے والے اور دوسروں کو اپنے غیر معقول اور فرسودہ عقائد میں تبدیل کرنے کی مسلسل کوششیں کرتے ہیں۔ کائنات ہمارے لیے کھل رہی ہے ـــ اور جلد ہی ہماری نسل میں سے کچھ زمین سے باہر رہ سکتے ہیں۔

بنیادی تبدیلی کا وقت آگیا ہے: ہمیں اپنے قدیم مذاہب کو ختم کرنا ہوگا اور علم اور سمجھ بوجھ کے ایک نئے دور میں داخل ہونا ہوگا۔ آخرت تلاش کرنے کے لیے کسی مخصوص عقیدے کی شرط نہیں رہی۔ اگر کوئی آخرت ہے تو، منطقی طور پر، یہ ہم سب کے لیے کھلی ہے۔ اگر ہمارے موجودہ خدا دنیا میں اس یادگار تبدیلی سے اتفاق کرنے سے انکار کرتے ہیں، تو اب وقت آگیا ہے کہ وہ خود

کو ظاہر کریں اور ہمیں بتائیں۔ خداؤں کی عدم موجودگی کو اس نئے دور کی
ان کی قبولیت کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے ۔یازیادہ حقیقت پسندانہ طور پر،
اس بات کے ثبوت کے طور پر کہ وہ کبھی بھی پہلی جگہ پر موجود نہیں تھے۔

تکلیف دہ منتقلی کا دور: جیسے جیسے ہم اس نئے دور میں آگے بڑھتے ہیں، ایک تکلیف دہ منتقلی کا دور آئے گا، جس کے دوران مذہبی ادارے اپنے عقائد اور خداؤں کو برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد کریں گے، ان خداؤں کے بے بنیاد خوف اور آخرت کو حاصل نہ کرنے کے خوف سے متاثر ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ردِعمل بھی آئے گا کیونکہ ان مذہبی ڈھانچے کے اندر مراعات یافتہ طبقے اپنی دنیاوی طاقت چھوڑنے سے انکار کرتے ہیں۔ مذہبی مشینری ایک بدنام زمانہ مہم شروع کرے گی، غیر یقین رکھنے والوں کو شیطان یا غیر انسانی قرار دے گی، نیک اور راستباز کے خلاف شیطان کا حملہ۔
در حقیقت، ہم اسے پہلے ہی روزانہ کی بنیاد پر ہوتے دیکھ سکتے ہیں۔

لیکن لہر بدل رہی ہے: اور جیسے جیسے یہ نئی تحریک شکل اختیار کرنا شروع کرتی ہے، ہمیں اپنے لیے ایک امیج اور ساکھ بنانے کی کوشش میں اپنی پیٹھ لگانی ہو گی۔ یہ بے بنیاد الزامات کے خلاف ہمارا دفاع بنے گا، جبکہ ہم مسلسل ان کے غیر معقول عقائد کو چیلنج کرتے رہیں گے۔ خدا/افسانہ مذاہب سے عقل اور سائنس میں اپنی تبدیلی میں، ہم کوشش کریں گے کہ:

1. اپنی انسانی اخلاقیات کو برقرار رکھیں جیسا کہ انسانیت نے بہترین طریقے سے بیان کیا ہے۔
2. بدقسمت اور غریبوں کا خیال رکھیں۔
3. انصاف، ایمانداری اور نیکی کی مثال قائم کرنے کی کوشش کریں۔

4. حقیقی بنیں، اور نئے حقائق کے لیے کھلے ذہن کے ہوں۔
5. مشاہدے، تجربے اور عقلی تجزیہ ۔۔۔سائنسی طریقہ ۔۔۔کے ذریعے حاصل کردہ علم کا چیمپئن بنیں۔
6. دنیا اور کائنات کو سمجھنے کے لیے اپنی بے رحم تلاش جاری رکھیں۔
7. کائنات میں زندگی کو برقرار رکھنا اور اس کی مدد کرنا جاری رکھیں، جہاں کہیں بھی ہمیں یہ ملے۔
8. اپنی زندگیوں، اپنے ارد گرد کے لوگوں کی زندگیوں اور عام طور پر دنیا کو بہتر بنائیں۔

نئی دنیا میں فرد:

1. دنیا اور زندگی کی ابتداء کو سائنس کی وضاحت کے مطابق سمجھے گا۔
2. انسانیت کی نفسیاتی ساخت کو سمجھے گا۔
3. زندگی اور دنیا میں اندرونی سکون، اطمینان اور تکمیل پائے گا۔
4. مقصد کے احساس کے ساتھ، اپنی زندگی پوری طرح جئے گا۔
5. موت کے ناگزیر اور حتمی ہونے کے باوجود بھی زندگی کے چیلنجز پر قابو پائے گا۔
6. ضرورت مندوں کے لیے بعض اوقات سماجی کام اور غیر خود غرض کام انجام دے گا۔
7. موت کو حیاتیاتی زندگی کی ایک خصوصیت کے طور پر دیکھے گا، جس پر ہم مستقبل میں قابو پاسکتے ہیں۔
8. اپنی موت کے علم میں تسلی اور سکون پائے گا۔

9. آخرت کے بارے میں غیر جانبدار ہو گا۔ اگر یہ ہے تو، یہ سب کے لیے کھلا ہے۔
10. کائنات میں سائنس اور زندگی اور انسانی زندگی کی ترقی کی حمایت کرے گا۔

وقت آگیا ہے:

جب میں لامتناہی ساحل پر کھڑا ہوں، اور نیلے آسمان اور وسیع سمندر کی تنہائی میری روح کو بھر دیتی ہے، تو میں اپنی جلد پر ہوا اور سورج کی گرمی محسوس کرتا ہوں، اور فطرت کی آوازوں میں مست ہو جاتا ہوں۔ میں اپنے اردگرد قدیم زمین اور کائنات کو محسوس کرتا ہوں۔ میں اپنے جسم اور ڈی این اے اور دیگر حیاتیاتی کیمیائی ڈھانچے سے واقف ہوں جو مجھے ہوش مند اور خود شناسی بنانے کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ میں اپنے اردگرد کی زندگی کو محسوس کرتا ہوں، جو پچھلے چند ارب سالوں میں ارتقاپذیر ہوئی ہے۔ میں ایک ایسی دنیا کا خواب دیکھتا ہوں جہاں چرچ کی آخری گھنٹیاں بجیں گی، اور مساجد کی اذان خاموش ہو جائے گی۔ جہاں ہندو خدا بھول جائیں گے اور آخری مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ میں ایک نئے دور کا خواب دیکھتا ہوں، جہاں ہم انسان اپنے قدیم عقائد، افسانوں اور مذاہب سے آگے بڑھیں گے۔ میں ایک ایسی دنیا کا خواب دیکھتا ہوں جہاں عقل، سائنس اور انصاف ہم میں سے ہر ایک کے لیے غالب آئے گا۔

اور جیسے ہی میں اپنے اوپر سمندری پرندوں کی چیخیں سنتا ہوں، میں سمندری پانی کی ایک مٹھی بھر کر اپنا چہرہ دھوتا ہوں۔

ہمارے مذاہب کی ظلم اور خون دھل جاتا ہے، اور نیا دن طلوع ہوتا ہے۔

- مذہب کے بغیر ایک دنیا۔
- ایک ایسی دنیا جہاں ہمارے بچے ہمارے قدیم خداؤں کو نہیں جانیں گے۔

وقت آگیا ہے کہ ہمارے بچے ملحد ہوں

کتابیات

- *Aggett, S., 2012. The evolution of the world's religions from beginning to present.* [Online]. Available at: http://www.religionstree.com. [Accessed 6 August 2012].
- Boyce, M., 2001. Zoroastrians: *Their Religious Beliefs and Practices.* 2 ed. s.l.: Routledge.
- Burr, G. L., 1896. *The Witch Persecutions from translations and reprints from the original sources of European History. VOL. III. No. 4..* s.l.:s.n.
- Charlesworth, J. H., 2008. *Resurrection: The Origin and Future of a Biblical Doctrine.* s.l.: T&T Clark.
- Christian Smith, R. F., 2002. *Religion and the Life Attitudes and Self-Images of American Adolescents,* University of North Carolina: National Study of Youth and Religion.
- Church of England, n.d. *The Church of England.* [Online]. Available at: http://www.churchofengland.org/education/churchschools-academies.aspx [Accessed 2 1 2012].
- Coles, R., 1991. *The Spiritual Life of Children.* 1 ed. s.l.: Houghton Mifflin Harcourt.
- Faris, N. A., 1952. *The Book of Idols, being a translation from the Arabic of the Kitab Al-Asnam by Hisham Ibn-AlKalbi.* s.l.: Princeton University Press.

- Fox, J., 2008. *A World Survey of Religion and the State*. New York: Cambridge University Press.
- Griffith, Ralph T.H., n.d. *Internet Sacred Text Archive.* [Online] Available at:http://www.sacredtexts.com/hin/ rigveda/ index.htm [Accessed 6 September 2012].
- Humanism, C. f. S., n.d. *What Is Secular Humanism?* [Online] Available at: http://www.secularhumanism.org/index.php? page=what§ion=main [Accessed 14 September 2012].
- Hume, R. E., 1921. *The Thirteen Principal Upanishads: Translated from the Sanskrit with an Outline of the Philosophy of the Upanishads.* s.l.: Oxford University Press.
- Josephus, F., 1737. *The Works of Flavius Josephus,* translated by William Whiston. s.l.:s.n.
- Kohlberg, L., 1976. Moral stages and moralization: The cognitive-developmental approach. In: T. E. Lickona, ed. *Moral Development and Behavior: Theory, Research and Social Issues.* New York: Holt, Rinehart & Winston , pp. 31-53. Lee. A., 2013. *Life of Wonder, viewed August 2013.* [Online]. Available at: http://www.patheos.com/blogs/ daylightatheism/essays/life-of-wonder [Accessed 9 August 2013].
- Marcus J. F. K., 2004. The coevolution of ritual and society: new 14C dates from ancient Mexico. *Proc Natl Acad Sci U S A,* 101(52): 18257-61.
- Nielsen, M. E., n.d. *Religion and Happiness, viewed January 2012.* [Online]. Available at: http://www.psywww.com/ psyrelig/ happy. htm [Accessed 10 January 2012].

- Outram, D., 2005. *The Enlightenment: New Approaches to European History.* s.l.: Cambridge University Press.
- Rank, O., 1909. *Der Mythus von der Geburt des Helden.* Wien-Leipzig: Franz Deuticke.
- Shahar Arzy, M. I. T. L. O. B., 2005. Why have revelations occurred on mountains? *Linking mystical experiences and cognitive neuroscience. Medical Hypotheses*, 65: 841–845.
- Smith, G. H., 1979. *In: Atheism: The Case Against God.* s.l.: Nash, p. 83.
- Wikipedia, n.d. Würzburg witch trial. [Online]. Available at: http://en.wikipedia.org/wiki/W%C3%BCrzburg_witch_trial [Accessed February 1, 2012].

□